احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے
ALLAH IS WITH US
لاہور
پیغامِ صلح
پندرہ روزہ
جماعت
احمدیہ لاہور
کا ترجمان
داستان
پوری
صدی کی
مدیر: چوہدری ریاض احمد
نائب مدیر: حامد رحمٰن
جلد نمبر 100 26 محرم الحرام تا 27 صفر المظفر 1435 ہجری یکم تا 31 دسمبر 2013ء شمارہ نمبر 24-23
بسلسلہ
صد سالہ
تقریبات
احمدیہ انجمن لاہور
2014-1914
"میدان میں فتح خدا تجھے دے گا"
(الہام: 29 فروری 1904ء)

جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

(۱): ہماری جماعت تمام ان عقائد واحکامات پر ایمان رکھتی ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہؐ میں درج ہیں اور ہم تمام ان امور کو اپنا دین سمجھتے ہیں جن پر سلفِ صالحہ کا اتفاق ہے اور جن پر اہلِ سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی ایمان سے آخرالانبیاء یقین کرتے ہیں۔

(۲): حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

(۳): حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبرائیل کسی شخص پر وحی نبوت لے کر نازل نہیں ہوسکتا۔

(۴): اگر جبرائیل وحی نبوت کا صرف ایک فقرہ ہی لے کر کسی شخص پر اُترے تو اس سے قرآن کریم کا وہ دعویٰ جو **الیوم اکملت لکم دینکم** (سورۃ المائدۃ ۵:۳) میں کیا گیا ہے، نعوذ باللہ باطل ہوجاتا ہے اور ختم نبوت کی مُہر ٹوٹ جاتی ہے۔

(۵): حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلہ وحی نبوت منقطع ہے لیکن ولایت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے کھلا ہے تاکہ اُمت کے ایمان واخلاق کی آبیاری ہوتی رہے۔

(۶): اس اُمت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق صرف اولیائے کرام اور مجددین اور محدثین آسکتے ہیں، نبی نہیں آسکتے۔

(۷): اس اُمت کے مجدّدین میں سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب چودھویں صدی کے مجدّد ہیں اور آئندہ بھی حدیث کی پیشگوئی کے مطابق مجدّد پیدا ہوتے رہیں گے۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مرزا صاحب نبی نہیں صرف مجددیت کے منصب پر فائز ہیں۔

(۸): حضرت مرزا صاحب کا ماننا بنیاد دین میں سے نہیں نہ جزو ایمانیات ہے اس لئے ان کو نہ ماننے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوسکتا۔

(۹): ایک مسلمان جب تک کلمہ طیبہ کا قائل ہے اس کو کسی صورت میں کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ وہ مجرم ہوسکتا ہے لیکن کسی جرم معصیت کی بناء پر اس کو کافر کہہ کر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۰): ہم حضرت مرزا صاحب کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم وغلام سمجھتے ہیں۔

ہمارے یہ اعتقادات جو اُوپر درج کئے گئے ہیں، انہیں حضرت مرزا صاحب نے خود اپنی کتابوں میں نہایت وضاحت و تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

☆☆☆☆☆

اداریہ

تحریک احمدیت لاہور

۔۔۔ایک صدی کے بعد

پیغام صلح اور تحریک احمدیت لاہور کا شروع سے ہی چولی دامن کا ساتھ رہا ہے ۔1913ء میں پیغام صلح لاہور سے جاری ہوا اور1914ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیا درکھی گئی ۔ بدقسمتی سے جس تحریک نے تکفیر بین المسلمین اور غلو کے خلاف نہایت مشکل حالات میں آواز اٹھائی وہی سرکاری کفر کی زد میں آئی اور اسی قانونی پابندیوں کے تحت ہم اپنا نام ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور'' کی بجائے صرف احمدیہ انجمن لاہور لکھنے کے پابند ہیں ۔لیکن حالات کچھ بھی ہوں، لکھنے اور طباعت پر جتنی بھی سخت سے سخت نگرانی اور حد بندیاں ہوں ،ہم قانون کی حد میں رہتے ہوئے امن ،سلامتی اور صلح کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہیں گے ۔

مسلمانوں کی حق کی خاطر ہر تحریک کی حمایت میں ہم پہلے بھی قلمی ، مالی اور اخلاقی حمایت کرتے رہے ہیں اور اب بھی ہمارا رویہ یہی رہے گا کیونکہ ہمیں اسلام اور مسلمانوں کا مفاد عزیز ہے ۔تقسیم ہند سے پہلے پنجاب میں مسلم لیگ کی طرف سے مولانا ظفر علی خان امیدوار کھڑے ہوئے ۔ مولانا تحریک احمدیت کے سخت مخالف تھے لیکن حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور جو اس وقت سربراہ جماعت تھے انہوں نے اس سلسلہ میں ایک خصوصی بیان ''پیغام صلح'' میں شائع کیا کہ باوجود اس کے مولانا ظفر علی خان تحریک احمدیت کے سخت مخالفین میں سے ہیں لیکن چونکہ اس وقت مسلم لیگ ہی وہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی آزادی کی جنگ لڑ رہی ہے ۔اس لئے ہماری جماعت مولانا کو نہیں مسلم لیگ کو ووٹ دے رہے ہیں کیونکہ ہماری اولیت اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کا مفاد ہے ۔

تحریک احمدیت لاہور کو ایک صدی ہونے کو ہے ۔اس کی اسلام کے لئے علمی ، مالی اور جانی قربانیوں کی تاریخ ہر لحاظ سے قابل ستائش ہے ۔ پورے سو سالوں کی علمی اور تبلیغی سرگرمیوں کا احاطہ کرنا ایک خصوصی شمارے میں ممکن نہیں ۔ ہم نے موجودہ سربراہ سمیت پانچ سربراہان جماعت کے چیدہ چیدہ کارناموں کا مختصر ذکر کیا ہے ۔اس تحریک نے مغرب میں تبلیغ اسلام کا جھنڈا اس وقت بلند کیا جب اس خیال کو ہی خام خیالی سمجھا گیا لیکن حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر، سیرت نبویؐ اور اسلام پر بے نظیر تحقیقی کتب اور حضرت خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم ومغفور کے انگلستان میں تبلیغی اور علمی کارناموں نے مستشرقین کو اسلام کے بارے میں رویے کو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ ایک وقت تھا کہ مغرب سے وقفے وقفے اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کتب اور رسالے شائع ہو رہے تھے ۔ ان کا جواب دینے والی اگر کوئی جماعت تھی تو وہ تحریک احمدیت لاہور تھی ۔اس کی اسلام کے لئے کی علمی اور تبلیغی خدمات کو اپنوں اور مغربی مستشرقین نے خاص طور پر اعتراف کیا ہے۔

ایک صدی گذرنے کے بعد ہوا کا رُخ مخالفت کی بجائے حمایت میں بدل گیا ہے ۔اب تو مغرب میں ایسے عیسائی مصنفین کی کتابیں شائع ہو رہی ہیں جو اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کے جواب میں ایسے دلائل اور واقعات چھان بین کر کے پیش کر رہے ہیں کہ ان کے علمی بصیرت پر داد دینے کو دل چاہتا ہے ۔مثال کے طور پر انگلستان کی خاتون مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ نے اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دس(10) سے زیادہ کتب تصنیف کی ہیں ۔ان میں سے دس(10) کے اُردو میں تراجم پاکستان میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ہمارے نزدیک گذشتہ صدی میں شاید ہی کوئی عیسائی مصنف ہوگا جس کی اتنی کتب کا اُردو میں تراجم شائع ہوئے ہوں ۔اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کتب کی مسلمانوں میں اتنی پذیرائی ہوئی ہے تبھی تو لاہور کے ایک ناشر نے ایک نہیں دو نہیں اس ایک مصنفہ کی دس کتب کا نہایت عمدہ ترجمہ کروا کر نہایت دیدہ زیب طباعت سے آراستہ کیا ہے ۔

اسی طرح جرمن عیسائی مصنفہ ''اینی میری شمل'' جنہوں نے نہ صرف علامہ ڈاکٹر محمد اقبال پر نہایت قابل قدر تحقیقی علمی کام کیا ہے بلکہ ہندو پاک کے صوفیا کے کلام کے بارے میں ایمان افروز کتب لکھی ہیں۔اس وقت ہم انگلستان کی صرف ایک نومسلمہ ''ساراجوزف'' کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو اسلام کے بارے میں نہایت بلند پایہ مضامین لکھنے پر موجودہ ملکہ الزبتھ کی طرف سے او بی ای کا خطاب ملا ہے۔ بلکہ ان کی ادارت میں ماہوار رسالہ ''ایمل'' کے اداریے اور مضامین نے اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طرز فکر کو نئی جہت دی ہے جس سے مشرق کے مسلمان مصنفین اور مفکرین کو رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔مغرب میں نومسلمین کی کتب کی لمبی فہرست الگ ہے۔تحریک احمدیت لاہور کی یورپ، افریقہ اور مشرق بعید اور جزائر غرب الہند میں تبلیغی مراکز اور کتب کے تراجم نے عیسائیت کے خلاف جو موثر کام کیا ہے وہ اتنا حیران کن ہے کہ فرانس اور جرمنی کے کئی تحقیقاتی ادارے اس پر نہایت سنجیدگی سے کام کر رہے ہیں کہ جنگ عظیم اول و دوم کے عرصہ میں جبکہ مسلمان ہر لحاظ سے محکوم تھے ان کی اسلام سے وابستگی کیونکر قائم رہی حالانکہ عیسائی مشنری سرگرمیاں بڑے زوروشور سے حکومتی سرپرستی میں ان ملکوں میں سرگرم عمل تھے۔اگر قارئین میں سے کسی کو کسی ایک ایسی کتاب کے مطالعہ کا موقع ملے تو اس پر عیاں ہو جائے گا کہ اس میں ووکنگ مسلم مشن، انگلستان اور برلن مسلم مشن، جرمنی کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی علمی کاوشوں کا نمایاں ذکر ملے گا۔

وقت اور حالات بدل رہے ہیں۔نت نئے ابلاغ کے ذرائع بڑی تیزی سے خیالات اور رویوں میں تبدیلی کا باعث بن رہے ہیں۔اسلام کی تعلیمات اور قرآنی حقائق کو نئے انداز میں پیش کرنے کے لئے نئے انداز فکر کو اپنانا ہوگا۔قدیم سے جدید طرز فکر اور انداز بیان کی ابتدا تحریک احمدیت لاہور نے کی تھی اور اب اس تحریک کو ہی اسلام کو جدید مغربی یلغار سے محفوظ کرنے کا فرض ادا کرنا ہوگا۔

دیکھنا یہ ہے کہ تحریک احمدیت لاہور اس نئے چیلنج کا کس حد تک مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ضرورت ہے کہ ہم نئی ہمت اور نئی فکر کے ساتھ اس چیلنج کے لئے منصوبہ بندی کریں۔اللہ تعالیٰ نیکی اور خلوص کو کبھی رائیگاں نہیں کرتا۔یہ اس کا وعدہ ہے۔

☆☆☆☆

ارشاداتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

جماعت کو نصیحت

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ وہ ایک دن رہائی پائیں گے۔مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ وہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں۔کیونکہ ایک دن قبروں سے نکالے جائیں گے۔مبارک تم جبکہ تم دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے۔اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے۔اور تمہیں بیتاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم، حیا والا، صادق، وفادار، عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔دنیا کے شوروغوغا سے الگ ہو جاؤ اور نفسانی جھگڑوں کو دین کا رنگ مت دو۔خدا کے لئے ہار اختیار کرلو اور شکست کو قبول کرلو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔

دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنے صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے جس کو دنیا نہیں جانتی، گویا وہ اور خدا ہے حالانکہ اور کوئی خدا نہیں، مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔

(''اسلام''، لیکچر سیالکوٹ)

☆☆☆☆

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا ''صد سالہ'' شمارہ کے لئے پیغام

پیغام صلح کا یہ شمارہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے کیونکہ یہ احمدیہ انجمن لاہور کے قیام کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر شائع کیا جا رہا ہے۔

اس شمارہ میں جو مضامین شامل کئے گئے ہیں ان کے ذریعہ پڑھنے والوں کو نہ صرف احمدیہ انجمن لاہور کے قیام کی غرض بلکہ اس کی تاریخ کے اہم واقعات سے بھی آگاہی حاصل ہوگی۔ ان تقریبات کا آغاز لاہور مرکز سے کیا جا رہا ہے۔ ان کا سلسلہ بیرونی ممالک کی جماعتوں میں آنے والے سال میں وہاں کی جماعتوں کے پروگرام کے مطابق جاری رہے گا۔

یہ تقریبات ہمارے لئے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے ایک تاریخی واقع کی یاددہانی کا کام دیں گی اور ہمارے اندر انشاء اللہ وہ جذبہ اور مقصد تازہ کریں گی جن کی خاطر یہ جماعت وجود میں آئی۔

ایک کہاوت ہے کہ:

''جو قومیں اپنی تاریخ کو بھلا دیتی ہیں تاریخ انہیں بھلا دیتی ہے''

ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اس تاریخ کو اپنی اولادوں تک پہنچائیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکرگذار ہوں کہ اس نے میری زندگی میں یہ موقع عطا فرمایا اور میرے فرائض میں یہ شامل کیا کہ میں آپ سب کو احمدیہ انجمن لاہور کے 100 سال پورے ہونے پر مبارک باد دوں اور یہ نصیحت بھی کر سکوں کہ احمدیت کا اصلی مقام اور اس کے قیام کی وجہ ہم نہ صرف خود سمجھیں بلکہ اس پیغام کو تمام دنیا پر واضح کریں۔

سب سے اہم بات جو ہم نے دنیا پر ظاہر کرنی ہے اور اسے میں سب کا فرض سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ **احمدیہ انجمن لاہور کا قیام اس لئے ضروری ہوا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء اسلام اور امام زماں کے اصلی عقیدہ کے علاوہ کسی اور دین یا خیالات کے ساتھ سمجھوتہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے اور نہ یہ اس بات کو قبول کر سکتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی آ سکتا ہے اور نہ کوئی کلمہ گو حضرت صاحب کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج تصور کیا جا سکتا ہے۔**

ہمارا عقیدہ ہمیشہ سے یہی ہے اور ہمیشہ یہی رہے گا کہ **رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی پرانا اور نہ کوئی نیا نبی آ سکتا ہے** اور یہ کہ **حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا** اور اس الزام کی تردید اپنی کتب، تقاریر اور اشتہارات کے ذریعہ تاحیات کرتے رہے۔

۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو دہلی جامع مسجد میں تقریر کرتے ہوئے حلفاً کہا کہ:

''جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں''۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی انسان ایسی بات اللہ کے گھر میں کھڑا ہو کر کہے اور پھر خود نبوت کا دعویٰ بھی کرے!

جو یہ مانتے ہیں کہ آپ نے یہ دعویٰ ۱۹۰۱ء میں اپنی کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں کیا۔ کیا وہ بھول جاتے ہیں کہ آپ ہی کی کتاب ''حقیقت الوحی'' جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی، میں لکھا ہے:

''تمام نبی یہی سکھاتے آئے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو واحد لاشریک مانو اور

ساتھ اس کے ہماری رسالت پر بھی ایمان لاؤ۔ اسی وجہ سے اسلامی تعلیم کا ان دو فقروں میں خلاصہ تمام امت کو سکھلایا گیا کہ:

’لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ‘

حضرت صاحب کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ کہا جائے کہ وہ نبی تھے لیکن حقیقت اور انصاف کی بات یہ ہے کہ آپ نے ہمیشہ نبوت سے انکار کیا۔ اور کبھی بھی اپنے پیروکاروں کو نبی کی حیثیت سے نہ قبول کروایا اور نہ ہی ان سے کوئی کلمہ سوائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے پڑھوایا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو یہ کہے کہ وہ نبی تھے یا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو وہ ان پر جھوٹا الزام لگاتا ہے۔

یہ بھی خداوند کریم کا ایک عظیم احسان ہے کہ ”پیغام صلح“ کا رسالہ بھی پچھلے سو سالوں سے حق وصداقت کی روشنی بکھیرنے میں سب سے اہم ترین کارنامہ سرانجام دے رہا ہے۔ آج اس کے سو سال مکمل ہونے پر بھی میں تمام احباب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ خدا نے اس تاریخی جریدے کو ہمارے لئے قابل فخر اثاثہ بنا دیا ہے۔

اس دن ہم سب کو اس بات کا عزم کرنا چاہیے کہ ہم اپنے اوپر یہ فرض سمجھیں کہ ہم اپنے درست عقیدہ کو نہ صرف ان احمدیوں تک جو احمدیہ انجمن لاہور میں شامل ہیں تک پہنچائیں بلکہ تمام مسلمانوں کو جن کو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے دعاویٰ کے متعلق غلط فہمی ہے ان تک بھی یہ پیغام پہنچائیں۔

آخر میں مَیں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کو حضرت صاحب کے اصلی مقام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنا یہ فرض ادا کرنے کی توفیق دے کہ ہم حضرت صاحب کے اصلی دعویٰ کی تشہیر کریں اور ان کے دعویٰ کے متعلق جو غلطیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کریں۔

☆☆☆☆

امیر قوم کی آواز پر تم بے گماں آؤ

اعظم علوی مرحوم و مغفور

چمن زارِ اخوت کی بہارِ دلستاں آؤ
جلو میں لے کے آثارِ حیات جاوداں آؤ
دِلوں میں گرمی ایمان و ایقاں کا تقاضا ہے
امیرِ قوم کی آواز پر تم بے گماں آؤ
چلے آؤ کہ پھر تازہ کریں اسلاف کی یادیں
لئے جوش و خروش بیکراں کی داستاں آؤ
یہاں آؤ کہ مِل جل کر سنواریں گُلشنِ دیں کو
طلسمِ رنگ و بُو میں بن کے اِک روحِ رواں آؤ
تمہارے دم سے عظمت ہے حریم بزمِ ہستی کی
شعور و شوق کے بام ودر و دیوار و آستاں آؤ
تمہاری رہ گذر ہے منزلِ مقصود کی حامل
لئے جوشِ عمل تم کارواں در کارواں آؤ
نگاہیں اہلِ دُنیا کی تمہاری راہ تکتی ہیں
تقدس کا نشاں بن کر سربزم جہاں آؤ
جنہیں صدق و صفا کی جستجو ہے ان سے کہہ دو
یہیں پر نور ہے ، نُور خدا لینے یہاں آؤ

☆☆☆☆

بانی سلسلہ احمدیہ ”حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الرحمتہ“ کے مختصر حالات زندگی

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی زندگی کے ابتدائی ایام

سلسلہ احمدیہ کے بانی کا نام مرزا غلام احمد ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۳۷ء کے قریب کی ہے۔ آپ کے والد کا نام مرزا غلام مرتضیٰ تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد بابر کے زمانہ میں سمرقند سے ہجرت کر کے ۱۵۳۰ء میں یہاں آئے اور ضلع گورداسپور میں سکونت اختیار کی اور موجودہ قصبہ قادیان کو آباد کیا۔ جس کا اصل نام ”اسلام پور قاضی“ رکھا تھا۔ اور بالآخر یہی لفظ قاضی بگڑ کر قادی اور پھر قادیان ہو گیا۔ آپ کا خاندان مغل قوم برلاس سے ہے۔ اس لحاظ سے آپ اور آپ کے آباؤ اجداد مرزا کہلاتے ہیں۔ اور اسی لئے آپ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ نے معمولی مروجہ تعلیم کچھ گاؤں میں اور پھر قصبہ بٹالہ میں حاصل کی اور پہلی عمر میں اپنے والد کے زیر ہدایت زمینداری کرنی پڑتی تھی۔ اس سے طبعاً متنفر تھے اور محض والد بزرگوار کے احکام کی مجبوری سے اس کام کو سرانجام دیتے تھے۔ والد کے ارشاد کے مطابق ہی سرکاری ملازمت میں بھی داخل ہوئے اور ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۸ء تک سیالکوٹ میں اسی سلسلہ میں رہے ان ایام میں اپنے مفوضہ کام کے سوائے باقی وقت عموماً تنہائی میں اور قرآن کریم کے مطالعہ میں گذرتا۔ البتہ اس وقت بھی مذہبی شوق تھا اور کئی مناظرے عیسائی مشنریوں سے کئے۔ ۱۸۶۸ء میں واپس آ کر پھر قادیان میں ہی زمینداری کے کاموں کو اپنے والد کی حسب ہدایت انجام دیتے رہے لیکن چونکہ طبیعت اس کام میں لگتی نہ تھی اس لئے زیادہ وقت قرآن شریف کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا۔ دنیا کے کاموں کی طرف طبیعت کا رجحان نہ تھا اور خلوت زیادہ پسند تھی۔ چنانچہ انہی ایام میں اپنے والد بزرگوار کو ایک خط بھی لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ بقیہ عمر تنہائی میں گذاروں۔

زندگی کا نیا دور اور مجددیت کا دعویٰ

آپ کے والد کی وفات ۱۸۷۶ء میں ہوئی اور اس کے بعد آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ اور آپ کلیتہً خدمت دین میں مصروف ہو گئے۔ اسی زمانہ میں ہندوؤں میں اس نئی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا جو آریہ سماج کے نام سے مشہور ہے۔ اور آپ کی توجہ بھی اس سماج کی طرف ہوئی۔ چنانچہ ۱۸۷۸ء میں آپ کے متعدد مضامین بعض آریہ سماجی عقائد کی تردید میں اخبارات میں نکلتے رہے اور سوامی دیانند بانی آریہ سماج سے اور بعض دیگر آریہ سماجی لیڈروں سے بحث مباحثہ کے رنگ میں بھی سوال و جواب ہوتے رہے جن میں آپ کا اسلام کے لئے سچا جوش اور علمی تجربہ نظر آتا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں آپ نے اپنی سب سے پہلی اور مشہور کتاب ”براہین احمدیہ“ لکھنی شروع کی اور ۱۸۸۰ء سے لے کر ۱۸۸۴ء تک اس کی چار جلدیں شائع ہوئیں۔ اس کتاب میں تعلیم اسلام کی حقانیت پر نہایت پرزور بحث ہے۔ آریہ سماج، برہمو سماج اور عیسائیت جو اس وقت کی تین بڑی مذہبی تحریکات اصول اسلام پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ ان تینوں کے اعتراضات کے جواب ہیں اور ان کے غلط اصول کی مدلل تردید کی گئی ہے۔ بالخصوص اس میں وحی الٰہی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور اس کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ہر قسم کے اعتراضات جو اس پر کئے گئے ہیں ان کا مبسوط جواب دیا گیا ہے اور یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ کا سلسلہ اُمت محمدیہ میں اب بھی جاری ہے اور اسی ذیل میں اپنے رویا اور کشوف اور الہامات کا ذکر بھی کیا ہے اور ان میں سے بعض کا پورا ہونا بھی دکھایا ہے۔ انہی ایام میں آپ پر یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد ہیں اور دین کی تائید کے لئے آپ کو کھڑا کیا گیا ہے چنانچہ آپ کا یہ دعویٰ اسی کتاب براہین احمدیہ میں موجود ہے مگر پھر بھی آپ نے کوئی جماعت نہ

بنائی۔اس کے بعد دو، تین سال تک آپ کا روئے سخن بالخصوص آریہ سماج کی طرف رہا۔اور اسی مضمون پر آپ نے کچھ کتابیں بھی لکھیں جن میں خصوصیت سے مشہور ''سرمہ چشم آریہ'' ہے۔آپ کا دعویٰ مجددیت صرف کتاب براہین احمدیہ تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اس کے ساتھ ایک اشتہار بیس ہزار کی تعداد میں الگ شائع کیا جس میں کتاب براہین احمدیہ کی تالیف کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا:

''اس بندہ درگاہ نے بفضل خداوند حضرت قادر مطلق ہے یہ بدیہی ثبوت دکھلایا ہے کہ بہت سے سچے الہامات اور خوارق اور کرامات اور اخبار غیبیہ اور اسرار لدنیہ اور کشوف صادقہ اور دعائیں قبول شدہ جو خود اس خادم دین سے صادر ہوئے ہیں اور جن کی صداقت پر بہت سے مخالفین مذہب (آریوں وغیرہ سے) بشہادت ورویت گواہ ہیں کتاب موصوف میں درج کئے ہیں اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے''۔

آپ کی بینظیر خدمات اور زہد و تقویٰ کا اعتراف

اس زمانہ میں لوگ آپ کی خدمت اسلام کے کام کو، آپ کے زہد اور تقویٰ کو اور آپ کی بلند پایہ تصانیف کو، آپ کے اعدائے اسلام کے ساتھ مقابلہ کو دیکھ کر آپ کے شیدا تھے اور سب مسلمان آپ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔آپ کی اس وقت کی قبولیت عامہ کی ایک جھلک اس ریویو میں نظر آتی ہے جو مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو اہل حدیث کے لیڈر تھے آپ کی کتاب براہین احمدیہ پر کیا۔یہ ریویو اس لحاظ سے اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ حضرت مرزا صاحب ابتدا سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے، میں اس ریویو میں سے صرف ایک ٹکڑا نقل کرتا ہوں:

''ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا**۔اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلبی و لسانی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ برہمو سماج کا اس زور و شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلبی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بیڑہ بھی اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرلے اور اس تجربہ اور مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو''۔(اشاعت السنہ جلد ۷، ۱۸۸۴ء جون تا نومبر ص ۱۵۲)

بیعت لینے کا اعلان

اس زمانہ میں بعض لوگ آپ سے بیعت کی خواہش بھی کرتے تھے مگر آپ یہ کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیعت لینے کا حکم نہیں ہوا۔ آخر یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو آپ نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے اور ایک جماعت تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔یہ بیعت ایسی نہ تھی جیسے عام طور پر صوفیوں میں مروج ہے بلکہ اس کی غرض اسلام کی حفاظت اور اسلام کی تبلیغ تھی اور دین سے ایک ایسا تعلق پیدا کرنا جو تمام دیگر تعلقات سے بلند تر ہو۔چنانچہ اس کی دس شرائط میں سے جو کسی دوسری جگہ منقول ہیں۔شرط نمبر ۸ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

''یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا''۔

بعد میں جب آپ نے ان شرائط کو مختصر کیا تو اس کا اہم حصہ ان الفاظ میں رہ گیا:

''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا''۔ظاہر ہے کہ دین کی حفاظت اور اشاعت کا کام جماعت بنانے کے بغیر نہ ہوسکتا تھا اور جماعت کی مضبوطی سوائے ایک پختہ عہد کے پیدا نہ ہوسکتی تھی جو ہاتھ میں ہاتھ دے کر کیا جائے اور یہی اس سلسلہ کی بیعت کی اصلیت ہے۔اس اعلان پر بہت سے لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہونا شروع ہوئے۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ

ابھی ایک ڈیڑھ سال ہی گذرا ہوگا کہ ایک تیسرا دور آپ کی زندگی کا شروع

ہوا۔ یعنی آپ نے اعلان کیا کہ مجھ پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور کہ جس مسیح کے اس اُمت میں آنے کی پیشگوئی ہے وہ اسی اُمت کا ایک مجدد ہوگا اور وہ میں ہوں اور کہ جس مہدی کے اس امت میں آنے کی پیشگوئی ہے اس سے بھی مراد وہی مسیح ہے جو دلائل اور براہین سے اسلام کو دنیا میں پھیلائے گا۔ اور ایسے مہدی کا آنا جو تلوار سے دین اسلام کو پھیلائے جیسا کہ عام طور پر مشہور ہو گیا ہے غلط اور قرآن شریف کی کھلی تعلیم کے خلاف ہے۔

مغرب میں اسلام پھیلانے کا خیال

ان تمام تحریرات سے ظاہر ہے کہ اشاعت اسلام کا کس قدر بلند جذبہ آپ کے قلب میں موجزن ہے۔ اور اسی قسم کے خیالات سے آپ کی اس زمانہ کی تمام تحریریں بھری پڑی ہیں کہ یہ اسلام کے دنیا میں غالب ہونے کا وقت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ حالانکہ نہ آپ انگریزی جانتے تھے نہ آپ کا کوئی تعلق یورپ کے لوگوں سے تھا اور آپ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے جو اس وقت کی تمام تحریکات سے بھی الگ پڑا ہوا تھا۔ مگر آپ کو مغرب میں اسلام پھیلانے کا خاص خیال تھا۔ اور آپ کو خواب بھی اسی قسم کے آتے تھے کہ آپ مغربی ممالک میں دین اسلام پھیلا رہے ہیں۔ تاریخ میں بہت سے ایسے بزرگوں کا ذکر ہے جو کوئی ایران سے اور کوئی عرب سے اور کوئی کہیں سے صرف اپنی خوابوں کی بنا پر ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے لئے پہنچے اور آخر اس ملک میں لاکھوں بندگان خدا کو اسلام کے سرچشمہ سے سیراب کیا اور انہی بزرگوں کی بدولت آج ہماری تعداد کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ انہی بزرگوں میں سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی تھے جنہوں نے مدینہ منورہ میں یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلعم آپ کو ارشاد فرماتے ہیں کہ تم ہندوستان میں جا کر تبلیغ اسلام کرو۔ پہلے کوئی درد سینے میں موجود ہوتا ہے تو ہی ایسے خواب بھی آتے ہیں۔ آج اس زمانے میں اس صدی کے مجدد کو یہ خواب آتا ہے کہ مغرب میں اسلام پھیلاؤ چنانچہ آپ اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں جو ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے اور بالکل ابتدائے دعویٰ کی ہے تحریر فرماتے ہیں:

''اس عاجز پر جو ایک رویا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر و ضلالت میں ہیں۔ آفتاب صداقت سے منور کئے جائیں گے اور ان کو اسلام سے حصہ ملے گا اور میں نے دیکھا کہ میں شہر لندن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے اسلام کی صداقت ظاہر کر رہا ہوں۔ بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا۔ سو میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کے شکار ہو جائیں گے''۔ (''ازالہ اوہام'' صفحہ ۵۱۵، ۵۱۶)

اور آپ کو اس بات پر اس قدر پختہ ایمان تھا کہ اس بات کو جا بجا اس کتاب میں بیان فرمایا ہے اور پھر ایک جگہ اسی غرض کے لئے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کے ارادہ کا بھی اظہار فرمایا ہے:

''اس نازک وقت میں ایک شخص خدائے تعالیٰ کی طرف سے اٹھا اور چاہتا ہے کہ اسلام کا خوبصورت چہرہ تمام دنیا پر ظاہر کرے اور اس کی راہیں مغربی ملکوں کی طرف کھولے''۔ (''ازالہ اوہام'' صفحہ ۸۶۹)

''پھر میں جہاں تک میرے امکان میں ہے تالیفات کے ذریعہ سے ان علوم اور برکات کو ایشیاء اور یورپ کے ملکوں میں پھیلاؤں جو خدائے تعالیٰ کی پاک روح نے مجھے دیئے ہیں۔۔۔۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ یورپ اور امریکہ نے اسلام پر اعتراضات کرنے کا ایک بڑا ذخیرہ پادریوں سے حاصل کیا ہے اور ان کا فلسفہ اور طبعی بھی ایک الگ ذخیرہ نکتہ چینی کا رکھتا ہے۔ میں نے دریافت کیا ہے کہ تین ہزار کے قریب حال کے زمانہ نے وہ مخالفانہ باتیں پیدا کی ہیں جو اسلام کی نسبت بصورت اعتراض سمجھی گئی ہیں۔۔۔۔ ان اعتراضات کا کافی جواب دینے کے لئے کسی منتخب آدمی کی ضرورت ہے جو ایک دریا معرفت کا اپنے صدر منشرح میں موجود رکھتا ہو جس کے معلومات کو خدا تعالیٰ کے الہامی فیض نے بہت وسیع اور عمیق کر دیا ہو۔۔۔۔ سو میری اصلاح یہ ہے کہ۔۔۔۔ عمدہ عمدہ تالیفیں ان ملکوں میں بھیجی جائیں۔ اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسے مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے''۔ (''ازالہ اوہام'' صفحہ ۷۷۱ تا ۷۷۳)

یہ سب اسی زمانہ کی تحریریں ہیں جب آپ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔یعنی ۹۱۔۱۸۹۰ء کی۔اس کے دوسال بعد آپ نے کتاب ''نور الحق''، لکھی جو عربی میں ہے اور اُردو ترجمہ ساتھ ہے۔اس میں بھی یورپ میں اسلام پھیلنے کی خوشخبری کا ذکر ہے اور یہ ذکر ہے کہ اس قوم کے بڑے بڑے افراد اور اس کی سلطنت کے ارکان اسلام میں داخل ہوں گے:

''اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے رکن اس گورنمنٹ کے دن بدن توحید کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ان کے دل ان عقائد باطلہ سے نفرت کر گئے ہیں۔۔۔۔اور میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام کے انڈے ہیں اور عنقریب ان میں سے اس ملت کے بچے پیدا ہوں گے اور ان کے منہ دین الٰہی کی طرف پھیرے جائیں گے''۔(نور الحق حصہ اوّل ص ۴۴)

ان خیالات کا عملی رنگ

یہی آپ کے دل کا ولولہ تھا کہ اسلام کا پیغام روئے زمین پر اور بالخصوص یورپ اور دیگر بلاد مغرب میں پہنچایا جائے جہاں اب تک اسلام کی تاریک تصویر ہی لوگوں کے سامنے تھی جس نے ۱۹۰۱ء میں یہ صورت اختیار کی کہ آپ نے ایک انگریزی رسالہ بنام ''ریویو آف ریلیجنز'' قادیان سے جاری کیا جس میں اسلام کی صحیح تصویر انگریزی خوان دنیا کے سامنے پیش کی گئی اور اسی بنیاد سے ترقی کرتے کرتے آخر ۱۹۱۲ء میں انگلستان میں ووکنگ مشن کی بنیاد رکھی گئی اور ۱۹۲۲ء میں وسط یورپ میں ملک جرمنی کے اندر برلن مشن کی بنیاد رکھی گئی اور اور بھی مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام آپ کی جماعت نے شروع کیا۔مگر اس میں کچھ بھی شبہ نہیں کہ وہ جوش جس نے آہستہ آہستہ یہ تمام عملی صورتیں اختیار کیں۔یہاں تک کہ سینکڑوں کی تعداد میں یورپ کے بڑے بڑے ارکان حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ قادیان کے ایک گوشہ نشین زاہد کے قلب میں ہی پیدا ہوا تھا۔ان عملی صورتوں کا ذکر میں بعد میں کروں گا۔

دعویٰ مسیحیت اشاعت اسلام کے راستے سے ایک روک کو دُور کرنے کے لئے تھا

اب اگر غور سے کام لیا جائے تو اسلام کی اشاعت کے رستے میں دو ہی بڑی رکاوٹیں تھیں یعنی ایک حضرت عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ جو عیسائیوں میں تبلیغ اسلام کے رستے میں بڑی بھاری روک ہو رہا تھا۔اور دوسرا اسلام کے بزور شمشیر پھیلایا جانے کا خیال جس کو یورپ نے اسلام کے رستے میں ایک ناقابل گذر پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔حضرت عیسیٰ کی حیات کا عقیدہ عیسائیت کے اس عقیدہ کے لئے کہ حضرت مسیح خدا یا ابن اللہ ہیں، بڑی قوت کا موجب تھا۔اور عیسائی صاف طور پر مسلمانوں کے اس عقیدہ کو مسیح کی خدائی کی تائید میں پیش کرتے تھے کہ جس صورت میں بروئے صریح تعلیم قرآنی رسولوں کے جسم اللہ تعالیٰ نے ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانے پینے کے محتاج نہ ہوں اور ان میں تغیر نہ آتا ہو اور بروئے عقیدہ اہل اسلام حضرت عیسیٰ دو ہزار سال سے کھانے پینے کے محتاج نہیں۔اور ان کے جسم میں تغیر نہیں آتا تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے عقیدہ کی رو سے وہ رسولوں سے بڑھ کر ہیں اور چونکہ ان کے جسم میں تغیر نہیں آتا لہٰذا وہ الآن کما کان کے مصداق ہو کر خدا کی صفات میں حصہ دار ہوئے اور بشر سے بڑھ کر ہوئے۔اب جب تک مسیح کی حیات کا عقیدہ مسلمانوں میں ہے اسلام کی تعلیم کا عیسائیوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے بلکہ الٹا عیسائیت کا اثر مسلمانوں پر ہوگا اور چونکہ وہ زمانہ آ گیا تھا جب عیسائیت کے مرکز یورپ میں تبلیغ اسلام کی جائے اس لئے ضروری تھا کہ عیسائیت کے اس سب سے بڑے شہتیر کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں توڑا جائے، اس عقیدہ کو توڑنے کے بغیر اسلام عیسائیت پر غلبہ حاصل نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بار بار اسے ''عیسائیوں کے خدا کی موت'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔دوسری طرف حضرت عیسیٰ کی زندگی کا عقیدہ ان کے نزول کے عقیدہ سے وابستہ تھا۔اس لئے جب تک نزول ابن مریم کی اصل حقیقت کو واضح نہ کیا جاتا حیات مسیح کے عقیدہ پر بھی کاری ضرب نہ لگ سکتی تھی۔پس جب اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ دین اسلام عیسائیوں کے اندر پھیلے اور عیسائیت پر غلبہ کرے تو ایک طرف صدی کے مجدد کو یہ اطلاع دی کہ بروئے قرآن و حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور دوسری طرف یہ بتا دیا کہ نزول ابن مریم سے مراد خود مسیح کا دوبارہ آنا نہیں بلکہ اس سے مراد ایسے مجدد کا ظہور ہے جس کی خاص توجہ عیسائیوں میں اسلام پھیلانے کی طرف ہو۔

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نام من بنہادہ اند

دعویٰ مہدویت اشاعت اسلام کے راستے سے دوسری روک دور کرنے کے لئے تھا

اسی طرح اس بات کو صاف کرنے کے لئے کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا یہ ضروری تھا کہ اس خیال کو غلط ثابت کیا جائے جو عام طور پر مسلمانوں میں مروج ہو گیا تھا کہ ایک ایسا مہدی آنے والا ہے جو تلوار کے زور سے کافروں کو مسلمان بنائے گا کیونکہ جب تک ایسے مہدی کا آنا مسلمات میں سے ہے، اس وقت تک اسلام سے بزور تلوار پھیلایا جانے کا اعتراض دور نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک یہ اعتراض موجود ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا یا پھیلے گا اس وقت تک اسلام سے غیر مسلموں کے دلوں میں ایک قسم کا تنفر رہے گا اور وہ اس کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کر سکتے لہذا اسلام کی دعوتِ عامہ کو مقبول کرنے کے لئے جو اس صدی کے مجدد کا اصل کام تھا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی اطلاع دی گئی کہ قابل اعتبار احادیث میں کسی ایسے مہدی کے آنے کا ذکر نہیں جو تلوار سے اسلام پھیلائے بلکہ آنے والے مسیح کا ہی دوسرا نام مہدی رکھا گیا جس پر حدیث **لا مھدی الا عیسیٰ** شاہد ہے۔ یہ اصل حقیقت ہے جو آپ کے دعویٰ مسیح و مہدی کے نیچے ہے یعنی ان دونوں دعووں کا اصلی مقصد ان دو روکوں کا دور کرنا تھا جو اسلام کی قبولیت عامہ کے رستے میں حائل ہو رہی تھیں۔

اشاعت اسلام کو اس زمانہ کا جہاد قرار دیا گیا

دعوت اسلام کے کام کو حضرت مرزا صاحب نے صرف معمولی طور پر اپنی جماعت کے سامنے نہیں رکھا بلکہ اسے تزکیہ نفس اور صفائی قلب کا بہترین ذریعہ قرار دیا۔ اور اسے اسلام کا جہاد اور مجاہدہ قرار دیا۔ آپ سے پیشتر اور آپ کے زمانے میں جو بزرگ بیعت لیتے تھے وہ اپنے مریدوں کو تزکیہ نفس کے لئے طرح طرح کے اذکار یا مجاہدات بتاتے تھے۔ آپ نے ان تمام اذکار اور مجاہدات کا مقام دعوت اسلام کے کام کو دیا۔ صوفیوں کے اکثر اذکار اور مجاہدات ایسے تھے جن کا سنت نبوی میں کوئی نشان نہ ملتا تھا۔ اور علاوہ اس کے ان چیزوں نے مسلمانوں کی قوت عمل کو بیکار کر رکھا تھا مگر آپ نے بیعت کے اندر ہی ایک شرط جہاد کی رکھی اور وہ جہاد یہی دعوت الی الاسلام کا جہاد تھا اور یہ بتا دیا کہ وہ تزکیہ نفس جو لوگ اذکار اور مجاہدات کے ذریعہ سے تلاش کرتے ہیں وہ جہاد کے ذریعے سے ملتا ہے۔ گویا مسلمان کا حقیقی مجاہدہ جہاد ہی ہے۔ آپ نے جہاد کے صحیح مفہوم کو بھی واضح کیا اور یہ بتایا کہ وہ جہاد جس میں جنگ ہے خاص حالات کے ماتحت ہوتا ہے لیکن وہ جہاد جس کی اسلام میں ہر وقت ضرورت ہے وہ جہاد بالقرآن ہے۔

الزام دعویٰ نبوت اور فتویٰ تکفیر

اس دعویٰ کے ساتھ اختلاف ہونا ایک قدرتی امر تھا کیونکہ جو خیال صدہا سال سے عام طبائع میں رچ گیا ہو۔ اس کے خلاف پہلی آواز ہمیشہ اوپری معلوم ہوتی ہے اور طبائع اس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ علماء کی گری ہوئی ذہنیت تکفیر نے اسے اختلاف کی حد سے گذار کر کفر و اسلام کا مسئلہ بنا دیا اور وہی مولوی حسین بٹالوی جو چھ سال پہلے یہ لکھ چکے تھے کہ آپ کی کتاب ''براہین احمدیہ'' کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی اور جو تحدی کے ساتھ یہ کہہ چکے تھے کہ اس کے مولف کی نظیر پہلے علمائے اسلام میں کوئی نہیں پائی جاتی وہی اب امام تکفیر بنے اور ایک لمبا چوڑا استفتاء تیار کیا۔ جس پر علماء نے بڑے شوق سے تکفیر کی مہریں ثبت کیں۔ اس استفتاء میں جو آپ پر بڑے بڑے الزام لگائے گئے ان میں سب سے بڑا دعویٰ نبوت تھا اور اس کی بنیاد آپ کے الفاظ ذیل پر تھی:

دعویٰ نبوت سے انکار

''اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثل بھی نبی چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول جواب تو یہی ہے کہ آنے والے مسیح کے لئے ہمارے سیدہ و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ صاف طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت فرقانی کا پابند ہوگا۔۔۔۔ ماسوا اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے محدث ہو کر آیا ہے اور محدث بھی ایک نبی ہی ہے کیونکہ وہ خدائے تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے اور غیبیہ اس پر ظاہر کئے جاتے ہیں اور رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باآواز بلند ظاہر کرے اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں پائے جائیں۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کر باب نبوت مسدود ہے اور وحی انبیاء پر نازل ہوتی ہے اس پر مہر لگ چکی ہے میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر مہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے مگر اس بات کو بحضور دل یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نبوت جس کا ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہے گا نبوت تامہ نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے لفظوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے۔ (توضیح مرام جلد دوم ص ۹)

فتویٰ کفر کے جواب میں آپ نے سب سے پہلے ذیل کا اعلان شائع کیا:

''اس عاجز نے سنا ہے کہ اس شہر کے بعض اکابر علماء میری نسبت یہ الزام مشہور کرتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا مدعی، ملائک کا منکر، بہشت دوزخ کا انکاری اور ایسا ہی وجود جبرائیل اور لیلتہ القدر اور معجزات اور معراج نبوی سے بکلی منکر ہے لہذا میں اظہاراً للحق عام وخاص اور تمام بزرگوں کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ یہ الزام سراسر افترا ہے۔ میں نہ نبوت کا مدعی ہوں اور نہ معجزات اور ملائک اور لیلتہ القدر وغیرہ سے منکر بلکہ میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوتی ہے اور جناب رسول اللہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی''۔ (اشتہار مجریہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء)

اس کے بعد جس قدر کتابیں آپ کی طرف سے شائع ہوتی رہیں قریباً قریباً ان سب میں دعویٰ نبوت سے کھلا انکار موجود ہے۔ یہاں صرف چند حوالجات دیئے جاتے ہیں:

''نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے'' (ازالہ اوہام صفحہ ۴۲۱)

''ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے''۔ (حمامتہ البشریٰ صفحہ ۸)

''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں یہ آپ کی غلطی ہے۔'' (جنگ مقدس صفحہ ۶۷)

''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔۔۔ تو بجز اس کے کیا کہیں کہ **لعنت اللہ علی الکاذبین المفترین**''۔

(انوار الاسلام صفحہ ۳۴)

''یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ۔۔۔ ہم خود دعویٰ نبوت کرتے ہیں''۔ (انجام آتھم۔ صفحہ ۴۵)

''افترا کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے''۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۸۲)

باوجود ان بار بار کے اعلانات کے علماء نے مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا اور بُرا کہنے میں ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ بلکہ تشدد کو بھی روا رکھا۔ یہاں تک فتوے دیئے کہ جو لوگ آپ کی بیعت میں داخل ہوں ان کو مسجدوں میں نہ آنے دیا جائے۔ ان کی میتیں قبرستانوں میں دفن نہ ہوں۔ ان کے نکاح فسخ سمجھے جائیں۔ ان کا مال لینا جائز قرار دیا گیا۔ لیکن اس سارے طوفان مخالف کو آپ نے بڑے صبر سے برداشت کیا اور ایک طرف اگر ان الزامات کا دفعیہ کرتے رہے جو آپ پر لگائے گئے تھے تو دوسری طرف آریہ سماج اور عیسائیت کے بالمقابل بالخصوص اسی ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان آریہ سماجی اور عیسائی تینوں آپ کی مخالفت میں ایک ہوگئے۔ مذہبی رنگ میں آریہ سماج کی طرف سے پنڈت لیکھرام، عیسائیت کی طرف سے عبداللہ آتھم اور مسلمانوں کی طرف سے مولوی محمد حسین بٹالوی کے علاوہ کثیر علماء اہل حدیث حنفی، سنی، شیعہ سب شدید ترین مخالفت کرتے رہے اور یہ مقابلہ صرف مذہبی مباحثات تک محدود نہ رہا بلکہ آپ پر جھوٹے مقدمات بھی بنائے گئے جن میں سے ایک مشہور مقدمہ وہ ہے جس میں پادری ہنری مارٹن کلارک مستغیث تھا اور الزام یہ تھا کہ آپ نے کسی شخص کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس مقدمہ میں پادری صاحب کی طرف سے مولوی محمد حسین بٹالوی گواہ ہو کر آئے اور آریہ سماجی وکیل چوہدری رام بھجدت اس مقدمہ میں بطور وکیل پیروی کرتا رہا۔ آپ کو عدالتوں میں جانے سے نفرت تھی کیونکہ آپ ایک خاموش زندگی بسر کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کے والد صاحب

نے آپ کو مقدمات کی پیروی پر لگایا تھا تو اس وقت بھی آپ اس کام کو باکراہ کرتے تھے لیکن ان تمام مقدمات کو جن میں آپ کو اب ڈالا گیا آپ نے صبر سے برداشت کیا اور دوسری طرف اپنے تبلیغ واشاعت کے کام میں لگے رہے بلکہ جو لوگ بیعت میں داخل ہوتے تھے وہ بھی گالیاں سنتے تھے، دُکھ اٹھاتے تھے، ماریں کھاتے تھے، اپنے حقوق سے محروم کئے جاتے تھے مگر ان کے خلوص میں اور ان کے استقلال میں ذرہ بھر فرق نہ آتا تھا بلکہ تکلیف میں بھی وہ ایک قسم کی راحت محسوس کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کابل کے ایک بلند پایہ فاضل نے جو ملک افغانستان کے مشہور ترین علماء سے تھا اپنے ایک ساتھی سمیت سنگساری کی موت کو قبول کیا مگر امیر کے اصرار کے باوجود اپنے عقیدہ سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔

تاریخی تحقیقات

آپ کی توجہ صرف عقائد مذہبی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تحقیق مذاہب میں آپ کا بہت سا کام ریسرچ ورک کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۸۹۵ء میں آپ نے ڈیرہ بابا نانک پہنچ کر اس چولے کا صحیح حال دریافت کیا جو بابا نانک صاحب کی یادگار کے طور پر سکھوں کے اس مذہبی مقام میں رکھا ہوا موجود تھا اور یہ بتایا کہ اس چولے پر قرآن کریم کی آیات ہی لکھی ہوئی ہیں جن میں مذہب اسلام کی صداقت کا اعتراف ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اور بھی بہت سے دلائل پیش کئے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ باوا نانک صاحب درحقیقت مذہب اسلام کی صداقت کے قائل تھے۔ ایسا ہی آپ نے قوم بنی اسرائیل کے متعلق بڑی وسیع تحقیق کی اور اس بات کے بین دلائل بہم پہنچائے کہ بنی اسرائیل کی کئی اقوام اپنے وطن فلسطین سے نکل کر افغانستان اور کشمیر میں آ کر آباد ہو گئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق بھی تاریخی تحقیقات کو کمال تک پہنچا کر یہ دکھایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے تھے مگر آپ نے صلیب پر وفات نہیں پائی اور وہاں سے افغانستان اور کشمیر کی طرف آ گئے اور یہاں انہی بنی اسرائیل کی اقوام میں تبلیغ حق کرتے رہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے متعلق بھی تاریخی تحقیقات کر کے یہ دکھایا کہ یہ قبر سری نگر (کشمیر) محلّہ خانیار میں واقع ہے اور بھی کئی ایک امور میں آپ نے تاریخی تحقیقات کا دروازہ کھول کر اپنے پیروؤں کو اس راہ پر لگایا۔

جماعت کا نام احمدی رکھنے کی وجہ

باوجود علماء کی شدید مخالفت کے اور عوام کی طرف سے طرح طرح کی ایذا سانیوں کے جماعت ترقی کرتی چلی گئی۔ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری سے چند ماہ پیشتر آپ کو یہ خیال آیا کہ جماعت کی تعداد معلوم ہونی چاہیے۔ اس وقت تک لوگ آپ کے ساتھیوں کو مرزائی یا قادیانی کے نام سے پکارتے تھے۔ اور اگر آپ خود کوئی نام تجویز نہ کرتے تو انہی دونوں ناموں میں سے ایک کے نیچے سرکاری کاغذات میں اس تحریک کا نام آ جاتا۔ اسی دقت کو محسوس کر کے آپ نے ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو ایک اعلان اس تحریک کے نام کے متعلق شائع کیا جس میں سے ذیل کا اقتباس ہماری اغراض کے لئے یہاں کافی ہوگا۔

''چونکہ اب مردم شماری کی تقریب پر سرکاری طور پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر ایک فرقہ جو دوسرے فرقوں سے اپنے اصولوں کے لحاظ سے امتیاز رکھتا ہے علیحدہ خانہ میں اس کی خانہ پوری کی جائے اور جس نام کو اس فرقہ نے اپنے لئے پسند اور تجویز کیا ہے وہی نام سرکاری کاغذات میں اس کا لکھا جائے۔۔۔۔ اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لئے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے۔۔۔۔ اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لئے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسم محمد جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا لیکن اسم احمد جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں صلح اور آشتی پھیلائیں گے۔ سو خدا نے ان دو ناموں کی اس طرح تقسیم کی کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمدؐ کا ظہور ہوا اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔۔۔۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام احمدیہ رکھا جائے''۔ (اشتہار ۴ نومبر ۱۹۰۰ء)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بانی سلسلہ نے اس سلسلہ کا نام احمدی اپنے نام

غلام احمد پر نہیں رکھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم احمد پر رکھا ہے اور اس اسم احمد کو جمالی نام بتا کر یہ سمجھایا کہ اس زمانہ میں غلبہ اسلام بذریعہ دلائل و براہین ہوگا اور مذہب کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کا نقشہ تھا اور دوسرے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ ایام اسلام کی شان و شوکت کے نہیں بلکہ اس کی غربت کی ہیں۔ سلسلہ کے نام کو اپنے نام کی بجائے جیسا کہ مخالفین نے کر رکھا تھا آنحضرت صلعم کے اسم مبارک کی طرف منسوب کرنا صاف بتاتا ہے کہ آپ اپنی شخصیت کو درمیان میں لانے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔

آپ علیہ السلام کی وفات

دسمبر ۱۹۰۵ء میں بانی سلسلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی کہ ان کی وفات قریب ہے۔ اس لئے آپ نے ایک رسالہ بنام ''الوصیت'' لکھا جس کی رو سے ایک انجمن بنائی جس کا نام بعد میں صدر انجمن احمدیہ رکھا گیا۔ اسی انجمن کو آپ نے اپنا جانشین قرار دیا اور اسی کے سپرد جماعت کی ساری تحریکات کردی گئیں۔ باوجود اس علم کے کہ آپ کی وفات قریب ہے۔ آپ نے اپنی تصنیف کے کام کو ایام جوانی کی سرگرمی سے جاری رکھا۔ چنانچہ اپنی زندگی کے ان آخری دو سالوں میں آپ نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں۔ جیسے حقیقۃ الوحی، براہین احمدیہ حصہ پنجم، چشمہ معرفت وغیرہ۔

اپریل ۱۹۰۸ء کے آخری ایام میں آپ تبدیل آب و ہوا کے لئے لاہور آئے اور یہاں ہندو مسلم مفاہمت کے متعلق آپ ایک کتاب بنام ''پیغام صلح'' لکھ رہے تھے کہ سہال کی پرانی بیماری سے جو سالہا سال سے آپ کے لاحق تھی، ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو آپ کا انتقال ہو گیا اور اگلے دن بمقام قادیان مدفون ہوئے۔ پیغام صلح کا ماحصل یہ تھا کہ جس طرح مسلمان اعتقاداً اس بات کے قائل ہیں کہ ہر قوم میں رسول ہوئے ہیں اور اسی لحاظ سے وہ ہندوؤں کے ایسے بزرگوں کو جیسے رامچند رجی یا کرشن جی ہیں مصلحین عالم میں جگہ دے کر ان کی پوری عزت و احترام کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ہندوؤں کو بھی چاہیے کہ وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچے دل سے احترام کریں۔

☆☆☆☆

آراء بابت بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام

علامہ سر محمد اقبالؒ:

موجودہ ہندی مسلمانوں میں مرزا غلام احمد قادیانی سب سے بڑے دینی مفکر ہیں۔ (رسالہ انڈین اینٹی کومیری ستمبر ۱۹۰۰ء)

''مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری کے بیان کے مطابق، خود ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحبؒ نے بھی پانچ سال بعد ۱۸۹۷ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کرلی تھی۔'' (نوائے وقت ۱۵ نومبر ۱۹۵۳ء)

''ایک مرتبہ مجھے ایک بہت بڑے شخص یعنی ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کرنے والے بہت لوگ نظر آتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ عشق کرنے والے صرف مرزا غلام احمد صاحب ہیں''۔ (بیان حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ)

''میں سر اقبالؒ کو اس واقعہ کا حوالہ دوں گا جو انہوں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے بیان کیا جب میں اکتوبر ۱۹۳۴ء میں ان کی عیادت کے لئے گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بانی تحریک احمدیت سیالکوٹ میں تھے۔ میاں فضل حسین صاجب ان دنوں سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے ایک دن میاں صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے جارہے تھے جب میں نے ان سے معلوم کیا کہ وہ مرزا صاحب کی طرف جارہے ہیں تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ بانی تحریک سے گفتگو کے دوران میں یہاں سر فضل حسین صاحب نے سوال کیا کہ آپ ان لوگوں کو جو آپ پر ایمان نہیں لاتے کافر سمجھتے ہیں تو مرزا صاحب فی الفور بول اٹھے کہ ہرگز نہیں۔

(سر محمد اقبال کا بیان دوبارہ اہل قادیان از مولانا محمد علی)

''مولانا سید نذیر نیازی صاحب سے میری گفتگو ہوئی، دوران گفتگو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی میرے حوالہ کا ذکر کیا تھا جس پر علامہ موصوف نے فرمایا کہ بے شک انہوں نے مرزا صاحب سے اسی طرح سنا کہ وہ اپنے ماننے والوں کو کافر نہیں سمجھتے تھے اور وہ ہزاروں کے مجمع میں یہ شہادت دینے کو

تیار ہیں۔اس کے علاوہ علامہ نے فرمایا کہ انہوں نے جو بیان اخبارات میں شائع فرمایا وہ موجودہ قادیانی کش مکش کے سلسلہ میں تھا جو قادیانی جماعت اور عامتہ المسلمین میں جاری ہے۔ جماعت لاہور کی طرف اس کا روئے سخن ہی نہیں تھا اور نہ ہی مرزا صاحب کے معتقدات پر تبصرہ منظور تھا اس سے قبل ہمارے معزز دوست راجہ حسن اختر صاحب نے بھی مجھ سے یہی فرمایا تھا کہ علامہ اقبال سے انہوں نے گفتگو فرمائی اور علامہ فرمانے لگے کہ ان کے بیان کا جماعت لاہور سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی مرزا صاحب کی شخصیت سے اور اُن کے سامنے وہ احمدیت تھی جس کا نقشہ آج کل قادیانیت کی شکل میں دنیا میں پیش ہورہا ہے''۔(بیان مولانا محمد یعقوب خان صاحب ایڈیٹر لائٹ پیغام صلح ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء)

علامہ نیاز فتح پوری:

''اس وقت تک بانی احمدیت کا مطالعہ جو کچھ میں نے کیا ہے اور میں کیا جو کوئی خلوص وصداقت کے ساتھ ان کے حالات وکردار کا مطالعہ کرے گا اسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ صحیح معنی میں عاشقِ رسول تھے اور اسلام کا بڑا مخلصانہ درد اپنے اندر رکھتے تھے''۔(نگار لکھنو۔ جولائی ۱۹۶۰ء)

علامہ نیاز فتح پوری مدیر''نگار'':

''میں بلاتکلف کہہ دوں گا کہ وہ (بانی احمدیت) بڑے غیر معمولی عزم و استقلال کا صاحب فراست وبصیرت انسان تھا''۔(رسالہ''نگار'' ماہ نومبر ۱۹۵۵ء)

علامہ نیاز فتح پوری:

''مرزا غلام احمد صاحب نے اسلام کی مدافعت کی اور اس وقت کی جب کوئی بڑے سے بڑا عالم دین بھی دشمنوں کے مقابلہ میں آنے کی جرات نہ کرسکتا تھا''۔

(نگار۔ ماہ اکتوبر ۱۹۱۰ء)

مولانا عبدالکلام آزاد:

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص دماغی عجائبات کا مجموعہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیڑیاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان بنا رہا جو شورِ قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا۔ یہ تلخ موت یہ زہر کا پیالہ موت جس نے مرنے والے کی ہستی تہ خاک پنہاں کردی۔ ہزاروں، لاکھوں زبانوں پر تلخ کامیاں بن کے رہے گی اور قضا کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتلِ عام کیا ہے صدائے ماتم مدتوں تک اس کی یاد تازہ رکھے گی، مرزا غلام احمد قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے اور مٹانے کے لئے امتداد زمانہ کے حوالہ کرکے صبر کیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کرکے دکھاتے ہیں، مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرادیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔۔ مرزا صاحب اس پہلی صف عشاق میں نمودار ہوئے تھے جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارہ کیا کہ ساعت مہد سے لے کر بہاد وخزاں کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمان وفا پر قربان کردے۔ سید احمد، غلام احمد، رحمت اللہ، آل حسن، وزیر خان، ابو منصور یہ السابقون الاوّلون کے زمرہ کے لوگ تھے جنہوں نے باب مدافعت کا افتتاح کیا اور آخر تک مصروف سعی رہے تاہم اس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفین اسلام کی صفیں سب سے پہلے انہی حضرات نے برہم کیں۔ مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کرچکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر وعظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کرچکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہوسکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ

حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبے کا ان حضرات کے میراثی عارضۂ قلب کا جو اسلام کی خود در سر سبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے ان میں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتا چلا آتا تھا درمان ہو جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اُڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بارِ احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے گا قائم رہے گا، اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے۔ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جا سکیں، ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور کثرت سے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کش مکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہے اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی، مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابل پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں مخصوص قابلیت تھی۔۔۔آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔‘‘(اخبار’’وکیل‘‘امرتسر ۱۹۰۸ء)

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں:

’’مرزا صاحب نیک اور صالح انسان ہیں انہوں نے مجھے اپنے الہامات کی ایک کتاب ارسال کی تھی ان کا کمال اس کتاب سے ظاہر ہے، وہ صادق آدمی ہے مفتری اور کاذب نہیں ہے‘‘۔(اشارات فریدی حصہ سوم ص ۴۲)

’’مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بھی حق پر ہیں اور اپنے معاملہ میں سچے اور صادق ہیں اور آٹھوں پہر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غرق رہتے ہیں اور اسلام کی ترقی اور امر دین کو بلند کرنے میں جان سے کوشش کرتے ہیں۔کوئی بات میں ان میں بُری اور قبیح نہیں دیکھتا۔اگر مہدی اور عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو وہ بھی ان باتوں میں سے ہے جو جائز ہے‘‘۔(ترجمہ اشارات فریدی حصہ سوم ص ۱۷۹)

اور فرمایا کہ:’’مرزا صاحب تو اپنے تمام اوقات خدا تعالیٰ کی عبادت اور دُعا، نماز اور قرآن کریم کے پڑھنے میں اور اسی قسم کے دیگر اشغال میں گزارتے ہیں۔ دین اسلام کی حمایت کے لئے آپ نے ایسی ہمت باندھی ہے کہ ملکہ زمان کو لندن میں دعوت اسلام بھیجی ہے۔اسی طرح بادشاہ رُوس و فرانس اور دیگر سلاطین کو اسلام کی دعوت دی ہے اور آپ کی تمام ترسعی و کوشش اس امر کے لئے ہے کہ عقیدہ تثلیث اور صلیب جو کہ سراسر کفر اور الحاد ہے نابود ہو جائے اور اس کی بجائے اسلامی توحید پھیل جائے۔علماء وقت کی طرف دیکھو کہ باقی تمام جھوٹے مذاہب کو چھوڑ کر صرف اس نیک مرد پر ٹوٹ پڑے ہیں جو خدا کی پوری پیروی کرنے والے اور صراط مستقیم پر چلنے والے اور راہِ ہدایت دکھانے والے ہیں۔ایسے برگزیدہ انسان اور فرد کامل پر کفر کے فتوے لگا دیئے ہیں حالانکہ اس کے کلام کو دیکھا جائے تو انسانی قدرت سے باہر ہے اور آپ کا تمام کا تمام کلام معارف و حقائق سے لبریز ہے اور سراسر ہدایت کا راستہ ہے اور آپ اہل سنت والجماعت کے عقائد و دین محمدی کی ضروریات سے ہرگز منکر و انکاری نہیں‘‘۔(اشارات فریدی حصہ سوم ص ۶۹)

مولوی سراج الدین صاحب والد ماجد مولوی ظفر علی خان صاحب:

’’مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲، ۲۳ سال کی ہوگی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے، کاروبار ملازمت کے بعد ان کا وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔عوام سے کم ملتے تھے، ۱۸۷۷ء میں بھی ہمیں ایک شب قادیان میں آپ کے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اس قدر محو و مستغرق تھے کہ مہمانوں سے بھی کم گفتگو کرتے تھے ہم بارہا کہہ چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ آپ کے دعاوی خواہ

دماغی استغراق کا نتیجہ ہوں مگر آپ بناوٹ اور افترا سے بری تھے۔ مسیح موعود یا کرشن کا اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے ان کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسا کہ منصور کا دعویٰ انا الحق تھا گو ہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی والہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے"۔(اخبار "زمیندار" ۸ جون ۱۹۰۸ء)

مولوی سید وحید الدین صاحب، مدیر علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ:

"مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے۔ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۶ء تک شمشیر قلم عیسائیوں، آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب چلایا۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی جس کے جواب کے لئے آپ نے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔ آپ نے اپنی تصنیف کردہ اسی (80) کتابیں پیچھے چھوڑیں ہیں۔ جن میں سے بیس (20) عربی میں ہیں، بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا"۔

(علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ جون ۱۸۰۸ء)

جناب چوہدری نذیر احمد خان صاحب وکیل۔ جے پوری:

"حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے آریوں سے بطلان میں وہ مصالحہ جمع کر دیا ہے، اگر اس کو استعمال کیا جائے تو یہ لوگ بیخ وبُن سے اکھڑ سکتے ہیں۔ میں نہ تو خود احمدی ہوں اور نہ کوئی میرا رشتہ دار احمدی ہے۔ اور نہ ہی میں اس ملک کا رہنے والا ہوں۔ جہاں احمدیوں کی آبادی ہے لیکن ان کے کام کے طریق ان کی سرگرمی، ان کے اخلاص، ان کی تندہی اور جفاکشی سے کام کرنے کی حالت کا اندازہ کر کے مجبور ہوں کہ تمام علماء اسلام سے کہوں کہ وہ ان حضرات کی مخالفت کو چھوڑ دیں"۔ (تقریر بمقام جامع مسجد دہلی)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزا غلام احمد کے پیرو کافر ہیں یا نہیں؟ کیا کسی مسلمان کو حق ہے کہ ان کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکے بیّنوا توجروا۔ (سائل نور محمد ٹاٹا نگر)

جواب: بلاشبہ اس جماعت کے بعض عقائد صحیح نہیں ہیں ہم ان عقائد و مسائل میں انہیں حق پر تو نہیں سمجھتے اور ان پر اختلاف کرتے ہیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں کافر سمجھا جائے وہ یقیناً مسلمان ہیں اور اُمت اسلامیہ میں داخل اور وہ تمام حقوق رکھتے ہیں جو کسی مسلمان فرد یا جماعت کو شرعاً حاصل ہیں جو شخص انہیں کافر کہتا ہے وہ نہایت سخت خطا کا مرتکب ہوتا ہے اور اسی غلو وتشدد میں مبتلا ہے جو مسلمانوں کے لئے تمام مصیبتوں اور بربادیوں کا باعث ہو چکا ہے، عام مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے مفسدوں کی باتوں پر کان نہ دھریں اور تمام کلمہ گو جماعتوں کے ساتھ اتفاق اور رواداری کا سلوک کریں، باقی رہا دوسرا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص ان لوگوں کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکتا ہے وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ اور جماعت کا ہو پورا پورا حق حاصل ہے کہ مسجد میں جائے اور خدا کی عبادت کرے کسی مسلمان کو حق نہیں کہ اُس کو روکے، اگر روکے گا تو گناہ اور ظلم کا مرتکب ہوگا۔ **ومن اظلم ممن منع مسجد اللّٰہ ان یذکر فیھا اسمہ (ابو الکلام احمد کان اللّٰہ لہ)** جواب صحیح (مولانا) کیفی۔

(اخبار دعوت الاسلام، دہلی جلد ۲ نمبر ۱۴ مجریہ ۲۷ شوال المکرّم ۱۳۴۱ھ)

مولانا عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی:

"احمدی مسلک شریعت محمدیہؐ کو اس کی قوت اور شان قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پُر جوش خدمت ادا کرتا ہے جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"۔ (رسالہ دلگداز بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء)

خواجہ حسن نظامی صاحب:

فتویٰ: از درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی، حجرہ خواجہ حسن نظامی۔

تار کا پتہ: خواجگان نئی دہلی، ٹیلی فون نمبر ۳۲۷۵، ۱۴ جولائی ۱۹۴۴ء

برادر اسلامی غلام رسول صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط پہنچا جس میں آپ کی بستی کے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا ذکر تھا اور آپ نے مجھ سے شرعی مسئلہ دریافت کیا ہے کہ قادیانی لوگوں کا بائیکاٹ کرنا اسلامی شریعت کے بموجب جائز ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں پہلے یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں خود قادیانی گروہ کے کسی اختلافی عقیدہ کو نہیں۔۔۔مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح موعود اور مہدی نہیں مانتا نہ مجدد مانتا ہوں اور ان کے سب دعووں کو غلط سمجھتا ہوں اس کے بعد میں یہ لکھتا ہوں کہ جو شخص خدا کو ایک مانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق مانے اور قرآن کو خدا کا کلام مانے اور قبلہ رُخ نماز پڑھے، وہ مسلمان ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا سنی ہو، مقلد ہو یا غیر مقلد ہو بوہرہ ہو یا خواجہ، صوفی ہو وہابی ہو، نیچری ہو یا مرزائی ہو وہ مسلمان ہے اور جو شخص مذکورہ چیزوں پر ایمان رکھنے والے مسلمان کو کافر کہے گا اور وہ اس صحیح حدیث کے بموجب کافر ہو جائے گا۔ **مکفر المسلم کافر** ترجمہ جو مسلمان کو کافر کہے گا وہ خود کافر ہو جائے گا پس جو مولوی مرزائیوں کو کافر کہتا ہے وہ اس حدیث کے بموجب کافر ہو جائے گا اور جو مسجد کا امام مسلمانوں کو کافر کہے گا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی۔ (عکس مندرجہ پیغام صلح ۱۳ دسمبر ۱۹۴۴ء صفحہ ۷)

علامہ محمد شلتوت شیخ الازھر۔قاہرہ:

''الاستاد شلتوت نے پرزور طریق پر بڑے جذبے سے کہا کہ احمدی ہمارے مسلمان بھائی ہیں وہ اسی کلمہ طیبہ پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں جس پر ہمارا اعتقاد و ایمان ہے''۔ (ایسٹ افریقین ٹائمز یکم ستمبر ۱۹۶۳ء)

ہفت روزہ ''ہماری زبان'' علی گڑھ:

''موجودہ زمانہ میں احمدی جماعت نے منظم تبلیغ کی جو مثال قائم کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ لٹریچر مساجد اور مدارس کے ذریعہ سے یہ لوگ ایشیاء، یورپ، افریقہ اور امریکہ کے دُور دُور گوشوں تک اپنی کوششوں کا سلسلہ قائم کر چکے ہیں۔ جس وجہ سے غیر مسلم جماعتوں میں ایک گونہ اضطراب پایا جاتا ہے کاش! دوسرے لوگ بھی ان کی مثال سے سبق لیتے''۔ (ہفت روزہ ''ہماری زبان'' علی گڑھ ۲۳ دسمبر ۱۹۵۸ء)

ایڈیٹر اخبار ''حقیقت'' لکھنو، (بھارت):

''کچھ ملاؤں کے فتوؤں کے باوجود احمدی بہرحال اسلام ہی کا ایک فرقہ ہے اس لئے کہ مسلمان کا ایک اسلامی فرقہ کے عقائد ترک کر کے دوسرے فرقہ کے عقائد قبول کر لینا ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی سزا سوشل بائیکاٹ اور جسمانی یا روحانی اذیتوں کی صورت میں پہنچائی جائے پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کی تبلیغ آج سب سے زیادہ منظم اور وسیع پیمانے پر احمدی جماعت ہی کر رہی ہے وہ جس ڈھنگ سے تبلیغ کر رہے ہیں اس کو پسند کیا جائے یا نہ کیا جائے مگر یہ واضح ہے کہ آج صرف ایک جماعت ہے جس نے اپنے آپ کو تبلیغ اسلام کے لئے ہمہ تن وقف کر رکھا ہے۔ اس کا اعتراف نہ کرنا سخت ناانصافی ہے''۔

(اخبار ''حقیقت'' لکھنو ۲۰ جون ۱۹۲۶ء)

مولانا محمد علی صاحب جوہر:

احمدیوں کو کافر اور مرتد کہنا ظلم اور ناانصافی ہے۔

''کیا احمدی جماعت مرتد ہے؟ اور وہ سب اب مسلمان نہیں رہی، ہمارے نزدیک احمدیوں کو مرتد اور کافر کہنا سخت ظلم اور ناانصافی ہے جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس وقت احمدیوں کی دو جماعتیں ہیں۔ لاہور جماعت کے عقائد بالکل عام مسلمانوں کے سے ہیں وہ صرف مرزا غلام احمد صاحب کو مجدد مانتے ہیں اور بس اور غالباً ہندوستان کے کافر گر و کفر ساز مولوی بھی ان کو کافر و مرتد سمجھتے جن کا یہی دلچسپ مشغلہ ہے اب رہا قادیانی احمدی یعنی مرزا بشیر احمد صاحب کے حلقہ کے لوگ بیشک ان کے عقائد عام مسلمانوں سے بالکل الگ ہیں اور ہم ان کو صحیح نہیں سمجھتے مگر باوجود ان کے غلط عقائد کے ان کو کافر و مرتد کہنا صریح ظلم ہے کیونکہ وہ اہل قبلہ ہیں، توحید، رسالت قرآن اور حدیث کو مانتے اور عبادات و معاملات میں کما فقہ، حنفی پر عمل کرتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ اور حج زکوٰۃ کو فرض تسلیم کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کو کلام الٰہی اور رسول اللہ کو افضل الرسل الانبیاء مانتے ہیں۔ باقی رہا مرزا غلام احمد صاحب کے متعلق جو خیال انہوں نے قائم کر لیا ہے وہ ہر ایک لحاظ سے غلط و باطل ہے مگر بہر صورت وہ قصورِ علم و کوتاہی فہم کی وجہ سے ہے وہ آیات و احادیث میں تاویل کرتے ہیں اور موؤل کو آج تک کسی نے کافر و مرتد نہیں کہا۔ مرتد کی تعریف یہ ہے کہ جو اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے دین اسلام کو چھوڑ دیا یا کسی دوسرے شخص یا جماعت کو یہ حق نہیں کہ ایسے شخص کو وہ مرتد یا کافر قرار دے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو، قرآن میں تو یہاں

تک ہے کہ **لاتقولوا لمن القی الیک السلام لست مومناً** جو تم کو سلام کرے، اسے مت کہو کہ تو مومن نہیں اگر قصور فہم وتاویلات بعیدہ کی بنا پر کفر وارتداد کے فتوے نکلنے اور احکام جاری ہونے لگیں گے تو کوئی فرقہ بھی کفر وارتداد کی زد سے نہیں بچ سکتا۔۔۔بہر حال جہاں تک ہماری حقیر معلومات ہیں نیز وسیع النظر علماء سے گفتگو اور بحث وتمحیص کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ نہ تو قتل مرتد محض بر بنائے ارتداد واجب ہے نہ احمدی مرتد ہیں۔اس لئے ہم اس کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اسلام کے صحیح شرعی احکام کے مطابق ضمیر کی کامل آزادی کا آئندہ پورا پورا احترام کیا جائے گا اور متعصب ملاؤں کے شور وشعب سے اُس روح اسلام کو پامال نہ ہونے دیا جائے گا جو اس نے عالم انسانیت کو عطا فرمائی ہے''۔(روزنامہ ''ہمدرد'' ۱۹۲۴ء)

مولانا اسلم جیراج پوری صاحب:

''مرزائی باوجود اپنی مخصوص باطل آرائیوں کے بھی مرتد نہیں کئے جاسکتے کیونکہ وہ اہل قبلہ ہیں توحید، رسالت، کتاب اور تمام ارکان اسلام کو مانتے ہیں ان میں سے لاہوری گروہ اور عام مسلمانوں میں تو بہت کم فرق ہے بیشک قادیانی جماعت متعصّبانہ ضد قصورِ علم اور سیاہ فہمی سے آیات کتاب کی غلط تاویلات بلکہ ان میں تحریفات کر کے مرزا صاحب کی نبوت کی قائل ہوگئی ہے اور اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر کہتی ہے لیکن وہ لوگ اعلیٰ الاعلان چونکہ محارب نہیں ہیں اس لئے میرا جواب ان کو یہی ہے کہ تم مجھ کو کافر کہہ لو مگر میں تم کو کافر نہیں کہوں گا''۔

(جامعہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء)

جناب سر عبدالرحیم صاحب بدایون:

''ان کے دائرہ عمل میں یورپ اور امریکہ بھی ہوگا جہاں جماعت احمدیہ کام کررہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اچھا کام کررہی ہے''۔(اخبار انقلاب۔اکتوبر ۱۹۲۷ء)

پروفیسر غلام جیلانی برق صاحب:

''مجھے جناب مرزا صاحب (غلام احمد) کے دعویٰ سے اختلاف سہی لیکن ان کے بہت سے مسائل سے متفق ہوں مثلاً ان کی اخلاقی تعلیم وتبلیغ از بس مؤثر و پاکیزہ ہے وہ تمام اقوام کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں وہ ضعیف احادیث کے رطب ویابس سے دامن بچا کر چلتے ہیں وہ آئمہ اربعہ کے بعد بھی اجتہاد کے قائل ہیں وہ مظاہر کائنات میں غور وفکر کا درس دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ انگریزی کے فکر وفن سے پوری طرح آگاہ ہیں''۔(صرف محرمانہ ص ۱۶۵)

یوسف سلیم چشتی سابق پرنسپل تبلیغی کالج

انجمن حمایت اسلام لاہور:

''انگلینڈ اور امریکہ میں آئے دن مذہبی مجلسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں مگر ان جلسوں میں اسلام کی نمائندگی احمدی حضرات کرتے ہیں بلکہ ساری دنیا میں تبلیغ کے میدان پر احمدی حضرات قابض ہیں''۔(ندائے حق جولائی ۱۹۵۹ء)

مولانا حبیب اللہ شاہ صاحب امیر دیندار انجمن حزب اللہ:

''ایک جماعت (لاہوری احمدی) جو مرزا صاحب کو صرف مجدد کہتی ہے اور دوسری جماعت (قادیانی احمدی) ہے جو مرزا صاحب کو ظلی بروزی استعاری نبی کہتی ہے ان ہر دو جماعتوں میں یورپ و امریکہ و افریقہ میں انہوں نے کافی مساجد کی تعمیر بھی کروائی ہے اس سلسلے میں ان کے ہاں بھی بڑے ایثار و قربانی سے کام لیا جاتا ہے''۔(آئینہ غلبہ الاسلام ص ۲۷)

مولانا ظفر علی خان صاحب مدیر ''زمیندار'':

''مسلمان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کررہے ہیں جو ایثار کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے انداز عزت اور قدر دانی کے قابل ضرور ہے جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس وحرکت پڑے ہیں۔اس الوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کر کے دکھادی''۔

(اخبار ''زمیندار'' ۲۴ جون ۱۹۲۳ء)

اخبار بندے ماترم لاہور:

''ایک بات جس میں آریہ لوگ احمدیوں سے سبق لے سکتے ہیں وہ دھرم کے لئے جوش ہے ہم ان کی تنگ دلی اور کینہ پن کو پسند نہیں کرتے لیکن اپنے

خیالات کے پرچار کے لئے جس جوش کا وہ اظہار کر رہے ہیں اس کی تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتے''۔(اخبار''بندے ماترم لاہور''۲۴ اپریل ۱۹۲۲ء)

''احمدی لوگ تمام دنیا کے مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ ٹھوس اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والے ہیں اور ان کی تبلیغی جدوجہد اس وقت ہمیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا رہی ہے''۔(اخبار''بندے ماترم لاہور''۱۸ دسمبر ۱۹۲۷ء)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب

(ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی) لاہور:

''تحریک احمدیت کی ان زبردست کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ مسلمان جو اٹھارہویں صدی میں اپنی موت پر دستخط کئے ہوئے تھے۔خدا کے فضل سے اپنے اندر زندگی کی ایک برقی لہر محسوس کرتے ہوئے اعلانِ عام کر رہے ہیں کہ یہ بیسویں صدی ہر جگہ مسلمانوں کے لئے نشاۃِ ثانیہ کے لئے بیداری کا آغاز ہے''۔

(رسالہ استقلال لاہور ص۱۰)

ڈاکٹر سیف الدین صاحب کچلو:

''اگرچہ اس جماعت کے افراد کی تعداد کم ہے لیکن اس کے عمل و ایثار کی مقدار بہت زیادہ ہے جو کام پراگندہ حال مسلمانوں کے کروڑوں افراد نہیں کر سکتے اس پر یہ منظّم جماعت بسہولت قادر ہے ہم سلسلہ احمدیہ کے کمزور پہلوؤں سے ناواقف نہیں ہیں لیکن اس کے محاسن پر بھی اب بالکل پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔مذہبی میدان میں جس قدر مسلمان جماعتیں احمدیوں کے مقابل آئیں ان کے پاس الفاظ منطقی دلائل اور غیر مادی خیالات کے سوا کوئی ہتھیار موجود نہ تھا اور جب سے یہ دنیا بنی ہے یہاں جب کبھی''الفاظ''اور''اعمال''کا مقابلہ ہوا ہے میدان ہمیشہ''اعمال''کے نام پر فتح ہوتے رہے ہیں اس وقت ہندوستان میں صرف مسیحی نظام تبلیغ کے احمدیہ نظام تبلیغ کو بالمقابل کھڑا کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک ولولہ و جوش اور ایثار و فدائیت اور اطاعت و تنظیم کا تعلق ہے ہندوستانی عیسائیوں کی جماعت احمدیہ جماعت کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں جس قدر کارنامے سرانجام دیئے ان کی پشت پر تنظیم و جماعت ہی کی الٰہی قوت کارفرما تھی عظمت و وقار کا حقیقی راز یداللہ فوق الجماعت کے فرمان نبوی میں مضمر تھا۔افسوس کہ آج حق پرست مسلمان اس درس تنظیم کو فراموش کر رہے ہیں۔ضرورت ہے کہ مسلمان احمدیہ جماعت کی مثال سے عبرت اندوز ہوں''۔(اخبار تنظیم امرتسر ۲۸ دسمبر ۱۹۲۶ء)

ایڈیٹر اخبار''ذوالفقار'':

''ہم یہ ضرور کہیں گے اور انصاف سے کہتے ہیں کہ احمدی جماعت نے اس میدان میں نہایت درجہ کی مشکلات اور آہنی و پتھریلی دیواریں حائل کر دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا مگر یہ اپنے کام میں نہایت خاموشی سے لگے رہے اور دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور کر گئے''۔(ذوالفقار ۱۶ جنوری ۱۹۲۴ء)

شیخ نیاز علی صاحب وکیل ہائی کورٹ لاہور:

جماعت احمدیہ اولوالعزم اور قابل تقلید جماعت ہے۔

''وہ(جماعت احمدیہ)اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے انداز عزت اور قدر دانی کے قابل ضروری ہے۔جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھا دی ہے''۔(اخبار''زمیندار''۲۶ جون ۱۹۲۳ء)

مولانا غلام رسول مہر صاحب مدیر''انقلاب'':

''احرار اور بعض دوسرے بزرگوں کے نزدیک احمدی کافر اور خارج از ملّت اسلام ہی سہی لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ کلمہ گو ہیں ان کے نام مسلمانوں کے سے ہیں۔وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔تمام غیر مسلم بھی ان کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں اور حکومت کے سیاسی ریکارڈ میں بھی وہ مسلمانوں ہی کی فہرست میں درج ہیں۔اس لئے دینی اعتبار سے نہیں تو سیاسی اعتبار سے لازماً مسلمان ہی سمجھنا پڑے گا پھر اسلام میں ایک فرقہ نہیں بیشمار فرقے ہیں۔فتاویٰ کفر کی ارزانی حضرت پیر جماعت علی شاہ اور ان کے ہم عقیدہ بزرگ وہابیوں اور دیوبندیوں کے متعلق جو رائے رکھتے ہیں جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔شیعہ عام مسلمانوں کے متعلق جن خیالات کے مانند ہیں ان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں، بریلیوں اور بدایونیوں کے متعلق حضرات اہلحدیث کا جو کچھ عقیدہ ہے اس سے ہر شخص آگاہ ہے مختصر یہ کہ

ہر فرقہ دوسرے فرقے کے علماء کے نزدیک کافر ہے اور ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت وہ بے شمار فتوے ہیں جو مسلمان علماء نے ایک دوسرے کی تکفیر کے لئے شائع کئے اور وہ ہر وقت امرتسر، قادیان، بریلی، بدایوں، دیوبند لکھنو کے بازاروں میں دستیاب ہوسکتے ہیں اگر ایک دفعہ سیاسی حقوق کو فرقوں میں منقسم کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تو پھر اسے کون روکے گا کس بنا پر روکے گا کیا یہ معلوم نہیں کہ یوپی کے شیعہ مدت مدید سے علیحدگی کے آرزومند چلے آرہے ہیں کیا یہ معلوم نہیں کہ بنارس کے وہابیوں نے بھی علیحدگی کا مطالبہ کیا تھا اگر ایک دفعہ علیحدگی کی وبا شروع ہوگئی تو جسم اسلام ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا۔ ہر ٹکڑا علیحدہ علیحدہ سمجھے گا کہ میں پہلے سے بہتر طور پر زندہ ہوں' لیکن حقیقی زندگی جو سارے جسم کی زندگی ہے وہ مفقود ہوجائے گی'۔

۔۔۔۔اور ایک تندرست جسم کی بجائے ہر طرف تڑپتے ہوئے اعضاء نظر آئیں گے۔ ہم بزرگان احرار کی خدمت میں عاجزانہ ومخلصانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ احمدیوں کے خلاف شوق سے جو چاہیں کہیں اور کریں۔ لیکن ان کو مسلمانوں سے علیحدہ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ فی الفور ترک کردیں کیونکہ اس کے نتائج مسلمانوں کے لئے نہایت دردناک ہوں گے''۔

(روزنامہ ''انقلاب'' ۱۹۳۵ء)

مولانا عبدالمجید صاحب سالک:

''میں نہ قادیانی مرزائی ہوں نہ لاہوری۔ میرے عقائد ایک سیدھے سادے مسلمان کے ہیں لیکن تکفیر کا سخت دشمن ہوں، مرزائیوں کو بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا ہوں جس طرح اہل قرآن، اہل حدیث، حنفی، شافعی، رافضی، خارجی سب مسلمانوں کے فرقے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ میں مرزا صاحب اور آپ کے پیرووں کو کافر نہیں سمجھتا''۔ (نوازشات ص۱۶ مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی)

ملک عبدالقیوم صاحب، پرنسپل لاء کالج لاہور:

''جماعت احمدیہ اس زمانہ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ایک علمدار جماعت ہے''۔

جناب حکیم برھم صاحب ایڈیٹر ''مشرق گورکھپور'':

''ہندوستان میں صداقت اور اسلامی سپرٹ صرف اس لئے باقی ہے کہ یہاں روحانی پیشواؤں کے تصرفات باطنی اپنا کام برابر کررہے ہیں اور کچھ عالم بھی اس شان کے ہیں جو عبداللہ الدر ہم نہیں ہیں۔ اور سچ پوچھو تو اس وقت یہ کام جناب مرزا صاحب مرحوم کے حلقہ بگوش اس طرح انجام دے رہے ہیں جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمان انجام دیا کرتے تھے''۔ (اخبار ''مشرق'' ۲۴ جنوری ۱۹۲۹ء)

شمس العلماء شبلی نعمانیؒ کا فتویٰ:

''ایک شخص خدا اور رسول کے احکام مثلاً حج، زکوٰۃ، روزہ، نماز پر پورا عمل کرتا ہے لیکن مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم ومغفور کو مسیح موعود اور مہدی معہود خیال کرتا ہے تو کیا ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے اگر کوئی کسی احمدی تبلیغ (مرزائی) کو مسجد سے روکتا ہے اور نماز ادا کرنے سے منع کرتا ہے تو کیا ایسا شخص دائرہ اسلام کہلا سکتا ہے''۔

چوہدری فضل حق صاحب مجلس احرار:

''سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مکاتب ہندوستان میں جاری ہیں مگر سوائے احمدی مدارس ومکاتب کے کسی اسلامی مدرسہ میں غیر اقوام میں تبلیغ واشاعت کا جذبہ طلباء میں پیدا نہیں کیا جاتا کس قدر حیرت ہے پنجاب میں سوائے احمدی جماعت کے اور کسی ایک فرقے کا بھی تبلیغی نظام موجود نہیں''۔

(فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں)

منیر رپورٹ:

''جماعت احمدیہ ۱۹۰۱ء میں قائم کی گئی اور مرزا صاحب کی استدعا پر اسی سال مردم شماری کے کاغذات میں اس جماعت کو ایک علیحدہ مسلم فرقہ ظاہر کیا گیا۔ جماعت کی موجودہ تعداد پاکستان میں دو لاکھ کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے اور احمدی دوسرے مسلم ممالک میں بھارت، یورپ اور امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔

اس نئی تحریک کو مرزا صاحب کی زندگی میں خاص تائید حاصل ہوگئی تھی اور متعدد ممتاز اور ذی اثر لوگ بھی اس میں شامل ہوگئے تھے۔ جب ۱۹۰۸ء میں مرزا صاحب کا انتقال ہوگیا تو مولوی نور الدینؓ جماعت احمدیہ کے خلیفہ اوّل مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں خلیفہ نور الدینؓ کا بھی انتقال ہوگیا اور مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی قرار پائے۔۔۔۔مرزا بشیر الدین محمود احمد کی مسند نشینی پر

جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ جماعت کا ایک حصہ خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی کی سرکردگی میں الگ ہو گیا اور ایک الگ پارٹی ''لاہوری پارٹی'' کے نام سے وجود میں آ گئی۔ دونوں پارٹیوں میں فرق یہ ہے کہ قادیانی پارٹی کے عقیدے میں مرزا غلام احمد نبی ہیں لیکن لاہوری پارٹی مرزا صاحب کو یہ درجہ دینے پر آمادہ نہیں۔ اس کے نزدیک مرزا صاحب زیادہ سے زیادہ ایک مجدد یا محدث ہیں۔ ان الگ ہونے والوں نے لاہور میں اپنی ایک الگ تنظیم قائم کر لی جو انجمن اشاعت اسلام کہلاتی ہے۔ دونوں پارٹیاں غیر ممالک میں وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے میں مصروف ہیں'' (رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب ۱۹۵۱ء)

لیڈر قوم جناب محی الدین غازی صاحب:

''یورپ و امریکہ کی مذہب سے بیزار اور اسلام کی حریف دنیا میں علم تبلیغ بلند کرنے کی کسی عالم دین یا کسی علمی ادارے کو توفیق نہیں ہوئی اگر کوئی علم تبلیغ ہاتھ میں لے کر اٹھا تو وہ بھی۔۔۔ قادیانی فرقہ تھا:

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی

کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

اس جماعت نے تبلیغی مقاصد کے لئے پہلے اسی سنگلاخ زمین کو چنا اور یورپ، امریکہ کا رُخ کیا اور ان کے سامنے اسلام کو اصلی و سادہ صورت میں اور اس کے اصولوں کو ایسی قابل شکل میں پیش کیا کہ ان ممالک کے ہزارہا افراد و خاندان دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کا سماں آنکھوں میں پھر گیا''۔ (''تاثرات'' مرتبہ، اے آر انجم جرنلسٹ)

محمد جعفر خان صاحب:

''علامہ اقبال جیسی شخصیت ایک وقت میں احمدیت سے متاثر رہ چکی ہے اگر اس بات کی ناقابلِ تردید شہادت موجود نہ ہوتی اور خود علامہ اقبال کا اپنا اعتراف نہ ہوتا میں (مصنف احمدیہ تحریک) کبھی باور نہ کرتا'' (احمدیہ تحریک ص ۳۵)

مولانا ظفر علی خانؒ صاحب:

''احمدی مبلغ جس جوش اور ولولہ سے فتنہ ارتداد کے انسداد میں مصروف ہیں ان کی تعریف و توصیف کرنے سے ہم باز نہیں رہ سکتے''۔ (زمیندار ۲۲ فروری ۱۹۲۷ء)

غازی محمود دھرم پال صاحب:

''میں اکثر یہ اعلان کر چکا ہوں کہ میں احمدی نہیں ہوں اور احمدیوں کے بعض عقائد کے ساتھ دیانتداری کے ساتھ اختلاف ہے مگر باوجود اختلاف کے میں ان کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ اور ہندوستان کے اندر اور باہر وہ غیر مسلموں کے حملوں سے اسلام کے تحفظ کے متعلق جو بھی خدمات انجام دے رہے ہیں ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں''۔ (رسالہ حنیف نومبر ۱۹۲۵ء)

رسالہ صوفی:

''اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ احمدی جماعت نے ہندوستان سے باہر وہ کام دکھلایا جو کسی ملک کے مسلمانوں نے اس وقت تک نہیں کیا تھا یہ جماعت کوشش کر رہی ہے کہ دنیا کے تمام حصوں میں اپنے مسلک کی تبلیغ کا کام جاری کریں چنانچہ افریقہ، آسٹریلیا وغیرہ میں ان کے مشینری کام کر رہے ہیں اور امریکہ میں بھی ان کے مبلغ محنت سے کام سرانجام دے رہے ہیں''۔

میاں بشیر احمد صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لاء:

اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لئے بتوار جماعت:

''ہندوستان میں فرقہ احمدیہ نے اکثر زبانوں میں اسلامی عقائد کو مشورہ و فوائد سے پاک کر کے اسلام کو لا مذہب مسلمانوں اور غیر مسلم نقادوں کے سامنے پیش کیا۔ اشاعت اسلام کے سلسلے میں انہوں نے انگلستان اور امریکہ میں مستقل طور پر کام شروع کر دیا اور انگریزی میں کتابیں اور رسائل شائع کیے۔ یہ فرقہ صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے اور مذہبی رسوم کا ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسلام کو عقلی نقطہ نظر سے دیکھنے کے مدعی ہیں اور اسلام کے پیغام کو دنیا تک پہنچانے اور لوگوں میں پھیلانے کے لئے بیقرار نظر کرتے ہیں''۔ (رسالہ ''ہمایوں لاہور'' مئی ۱۹۲۷ء)

اخبار کشمیری:

''احمدیہ جماعتوں میں ہزار عیب سہی۔ وہ مذہب کے رُو سے سنگساری کے لائق سہی، مسئلہ حیات اور بعض دیگر عقائد کے تسلیم کرنے کی وجہ سے مرتد اور کافر سہی لیکن جو تڑپ اور اولوالعزمی اور مذہبی جوش اور سرگرمی ان کے اندر موجود ہے۔ ان کا عشر عشیر بھی ہم تکفیر بازوں میں نہیں۔ امریکہ، افریقہ، یورپ کے ممالک میں

اگر کوئی مسلمان تبلیغ کے لئے جاتا ہے تو بھی احمدی اگر جرمنی یا لندن میں کوئی مسجد تعمیر کرتا ہے تو یہی مرتد لوگ اگر فتنہ ارتداد کے لئے مبلغوں کے باقاعدہ بھیجنے کا انتظام سب سے پہلے کوئی کرتا ہے تو یہی جماعت''۔(اخبار کشمیری ۲۸ نومبر ۱۹۲۴ء)

اخبار ''انقلاب'':

''یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت دعوت و تبلیغ ہے اور یہی وہ کام ہے جس کی تکمیل مسلمانوں کے تمام ملی مصائب کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جو آج تک جماعت احمدیہ مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کرتی چلی آ رہی ہے اور جس کے لئے وہ سرگرم عمل ہے''۔

(انقلاب ۲ مئی ۱۹۳۰ء)

رسالہ ''ہمدم'':

''ان کے (مسلمانوں کے) مقابلہ میں ایک اکیلی جماعت احمدیہ ہے جس کے مخالف نہ صرف تمام دیگر مذاہب ہیں بلکہ مسلمانوں کی انجمنیں بھی خاص اسی جماعت کے درپے ایذا رہتی ہیں لیکن باوجود اس کے یہ چھوٹی سی جماعت دن رات اسی کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ اسلام کی نعمت سے خود ہی لطف اندوز نہ ہو بلکہ ساری دنیا کو فائدہ اٹھانے کے قابل بنائے''۔(''ہمدم'' ۳ فروری ۱۹۲۷ء)

اخبار ''تہذیب النسواں'' (زیرادارت سید ممتاز علی صاحب):

سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں کو ہوئی۔

''میں نے سنا ہے کہ میدان ارتداد میں ہر فرقہ اسلام نے تبلیغ کے لئے اپنے اپنے نمائندے بھیجے ہیں مناسب جانا کہ میں جس گروہ کے مبلغین کو سب سے زیادہ کامیاب دیکھوں ان میں ایک اپنے لئے منتخب کرلوں۔تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تبلیغ کے کام میں سب سے زیادہ کامیابی احمدی مبلغوں کو ہوئی ہے۔اس لئے میں نے چاہا کہ اگر تہذیبی بہنوں کو اعتراض نہ ہو تو وہ ان میں سے کسی ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمے لے لیں''۔(اخبار تہذیب النسواں ۲ مئی ۱۹۲۵ء)

ایڈیٹر ماہنامہ جدوجہد لاہور:

''پاکستان اور بھارت میں بیسوں اسلامی فرقے موجود ہیں جن کو نام سے غرض ہے کام سے کوئی واسطہ نہیں، بحث و تمحیص میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں لیکن عمل مفقود حالانکہ صرف عمل کر کے دکھانا ہی اسلام کی خوبی ہے اور نہ مسلمانوں کا ہر دعویٰ عاشقی ایک مجذوب کی بڑ سے کم نہیں قطع نظر عقائد کے عملی طور پر مرزائی (احمدیہ) فرقہ باقی تمام فرقوں سے ۳ باتوں میں فوقیت رکھتے ہیں۔

(۱): اسلامی مساوات۔۔۔۔

(۲): بیت المال کا قیام۔۔۔

(۳): تبلیغ اسلام۔۔۔۔۔

یہ فخر اس فرقہ کو حاصل ہے کہ سنی، شیعہ، وہابی، دیوبندی، چکڑالی فرقہ کے لوگوں سے تعداد میں کم ہوتے ہوئے بھی لاکھوں روپیہ سالانہ کر کے اپنے بل پر تبلیغی مشن غیر اسلامی ممالک کو بھیجتے ہیں اور خدا اور رسول کا مقام غیر مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔ ہمارے دیس میں بڑے بڑے مخیر لوگ موجود ہیں۔اور فلاحی انجمنیں قائم ہیں۔۔۔''لیکن کوئی اللہ کا بندہ یا انجمن اس طرف توجہ نہیں دے رہی''۔(ماہنامہ جدوجہد جولائی ۱۹۵۸ء)

اخبار ''اہل سنت'':

''جب فتنہ ارتداد کی ابتداء تھی تو بہت سی انجمنیں وہاں کام کرنے کے لئے پہنچ گئی تھیں مگر تھوڑے ہی دنوں میں وہ انجمنیں چلتی پھرتی نظر آنے لگیں باوجود کہ ان کے مقابل میں قادیانی بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں''۔

(اخبار ''اہلسنت'' یکم جون ۱۹۲۵ء)

بنگلہ راجشاھی یونیورسٹی:

احمدیوں کی عظیم کوششیں مشرق و مغرب کے عیسائیوں کو مسلمان بنانا ہے۔

''مشرقی پنجاب میں قادیان نامی ایک گاؤں کے باشندے مرزا غلام احمد اس تحریک کے بانی ہیں۔اس دور میں ہندوستان میں مذہبی تحریکوں میں سے اس کا اثر سب سے زیادہ نمایاں ہے، ہندوستان کے باہر دنیا کے مختلف گوشوں میں اس تحریک کے مبلغین اپنی زندگیوں کو اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی خاطر وقف کئے ہوئے ہیں۔اس تحریک کے پیرو ترقی پسند اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ زیادہ ہیں۔اس

لئے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں اس تحریک کا اثر ورسوخ دن بدن بڑھتا جارہا ہے ان لوگوں کے چند عقیدے، اگر چہ ان کو اسلام کے بنیادی عقیدوں کے خلاف کہنا ٹھیک نہیں، وہ ان کی سائنٹیفک تشریح کرتے ہیں اور نئے براہین کے ساتھ دنیا میں پیش کرتے ہیں۔ جن سے ان کی عظیم کوششیں مغرب ومشرق کے عیسائیوں کو مسلمان بنانا ہے''۔ (کتاب مشرقی پاکستان میں اسلام۔ زیر عنوان احمدیہ تحریک)

''میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر (اورنگ زیب) کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس نمونہ کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں''۔

(ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ص ۱۸ مطبوعہ مرغوب ایجنسی)

علامہ سر محمد اقبالؒ:

''مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس نہ وہ تقریر اصل انگریزی میں محفوظ ہے اور نہ اس کا اُردو ترجمہ جو مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ تقریر ۱۹۱۱ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ اب سے ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی اُمید تھی لیکن کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہوجاتی۔ اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں۔ تحریک کے دو گروہوں کے باہمی نزاعات اس امر پر شاہد ہیں کہ خود ان لوگوں کو جو بانی تحریک احمدیت کے ساتھ ذاتی رابطہ رکھتے تھے معلوم نہ تھا کہ تحریک آگے چل کر کس راستہ پر پڑ جائے گی۔ ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب ایک نئی نبوت بانی اسلام کی نبوت سے اعلیٰ تر نبوت کا دعویٰ کیا گیا اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا بعد میں یہ بیزاری بغاوت کی حد تک پہنچ گئی''۔ (حرفِ اقبال ص ۱۲۲)

☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی جلسہ سالانہ سے متعلق ایک خواہش

جلسہ سالانہ ایک ایسا موقعہ ہے جو اگر چہ صرف تین دن کا اجتماع ہے لیکن اس میں ایک ایسا زبردست ماحول پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ بہت سے بُرے اثرات کو دُور کر کے دلوں پر ایک ایسا نقش کر دیتا ہے جو بعد میں تھوڑی سی توجہ سے سارا سال قائم رہتا ہے۔

ہمارا سالانہ اجتماع عام اجتماعوں کی طرح نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تین دن ایک طرح پر صبح سے شام اور شام سے صبح تک ذکرِ الٰہی کے دن بن جاتے ہیں۔ تقریروں کی غرض صرف قرآن کریم کی عظمت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، دین کی عظمت کا دلوں پر نقش کرنا ہے۔ نیز بتایا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان کام جو ہمارے سید ومولا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تڑپ یعنی کلمہ حق کا دنیا میں پہنچانا ہے، اس میں ہم نے اب تک کیا کچھ کیا ہے اور آئندہ کیا کچھ کرنا ہے؟

باہم دوستوں کی میل ملاقات ہو تو اس میں بھی یہی ذکر ہو۔ دن ہے تو مسجد میں سب اکٹھے ہو کر خدا کے سامنے گر رہے ہیں۔ رات ہے تو اپنی اپنی جگہ گریہ وزاری کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کا بول بالا کر دے۔ غرض سارے مجمع پر ذکرِ الٰہی کا ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مجمع میں نظر نہیں آتا۔ اس پاکیزہ مجمع میں آپ کے بچے آئیں گے تو یقین رکھیے کہ وہ ایک نہایت نیک اثر لے کر جائیں گے اور مادہ پرستی اور دہریت کی اس زہریلی ہوا کے لئے جس کے اندر انہیں سال بھر رہنا پڑتا ہے یہ ایک نہایت مؤثر تریاق ہے۔

میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر نوجوانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا جائے اور انکے سامنے ایک ایسا لائحہ عمل رکھا جائے جس سے وہ اپنے آپ کو خود اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے اپنے عزیزوں اور اقرباء کے لئے مخلوق خدا کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکیں۔ اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ جلسہ سالانہ کے اس موقع پر بارہ سال کے اوپر کے سب نوجوانوں کو شامل کیا جائے۔

حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ

مرتب: وقاص احمد

حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور قبول احمدیت کے متعلق ڈاکٹر بشارت احمد صاحب مرحوم کا ایک مضمون اخبار ''پیغام صلح'' کے قبول احمدیت نمبر میں درج ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں:

''چہ خوش بودے اگر ہر یک زِامّت نورِ دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی زندگی میں ہی آپ کے علم وفضل، تقویٰ وطہارت کی شہرت ہندوستان کی حدود سے نکل کر غیر ممالک میں پھیل چکی تھی۔ اور حال وقال، معقول ومنقول غرض ہر قسم کے دینی علم کے آپ عالم بے بدل اور فاضلِ اجل تھے۔ ان کے کتب خانہ کی عظمت اور کتابوں کی شہرت کا خواص وعوام کو علم تھا اور مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ کوئی مسئلہ ہو لیٹے لیٹے فرما دیتے کہ فلاں عالم نے فلاں کتاب میں فلاں جگہ اس طرح لکھا ہے۔ آپ کتاب کھول کر دیکھ لیں وہیں پائیں گے۔ معقولیت کا یہ حال تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ قرآن کریم سے تو عشق تھا۔ آپ جوانی میں دہلی، لکھنو، رامپور، بھوپال جو اس وقت دینی علوم کے مرکز تھے ہر جگہ تشریف لے گئے اور تحصیل علم کیا۔ یہاں تک کہ مکہ معظمہ اور پھر مدینہ منورہ جا حاضر ہوئے اور وہاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے جو نقشبندی مجددّی خاندان کے ایک بزرگ اور علم ظاہر و باطن میں یگانہ تھے، حلقہ درس وارادت میں داخل ہو گئے۔ وہاں کئی سال رہ کر تکمیل علوم ظاہری وباطنی کیا۔ واپس ہندوستان آئے تو بھی ریاست جموں میں شاہی طبیب ہو گئے۔ معقول مشاہرہ ملتا تھا۔ لیکن درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا اور آپ کے علم کے فیض کا ایک دریا تھا، جو شب وروز بہہ رہا تھا۔ آریہ، عیسائی، دہریہ سب سے دن رات گفتگو ہوتی رہتی تھی اور آپ کے سامنے مذاہب باطلہ کو سر اٹھانے کی تاب نہ تھی۔

ایک دہریے کا اعتراض

ایک دن ایک کٹر دہریہ یوں بول اُٹھا کہ بس جناب رہنے دیجئے، یہ سارے انبیاء اپنے وحی والہام کے ڈھونگ کو اُس زمانہ میں لوگوں سے منوا گئے، جب لوگ جاہل تھے، بے علم تھے، اب دنیا اس قدر ترقی کر گئی ہے کہ اس قسم کی لغویات کو آج کوئی نہیں مان سکتا، اگر آج کوئی شخص اپنے وحی والہام کے دعوے کو ایک فردِ واحد سے بھی منوا دے تو میں مان جاؤں گا کہ اس میں بھی کچھ حقیقت ہے۔ اس کا جواب مولوی صاحب کے پاس کوئی نہ تھا کیونکہ یہ تو اب کوئی وحی والہام کا دعویٰ کر کے دیکھے کہ واقعی لوگ مانتے ہیں یا نہیں تب اس بات کا جواب مکمل ہو، مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ امتحان کے طور پر از خود کوئی دعویٰ کر دے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار

وہ تو یہ کہہ کر چلتا ہوا، مگر حضرت مولانا کو سخت بے چینی رہی، چند روز بعد عطار کی دوکان سے دوا جو آئی تو وہ ایک کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔ کاغذ پر نظر پڑی تو حضرت مرزا غلام احمد قادیان علیہ السلام کا اشتہار تھا۔ جس میں براہین احمدیہ کی اشاعت اور اس میں قرآن اور نبوتِ محمدیہ صلعم پر دلائل قاطعہ کا اعلان تھا۔ اور بڑے زور سے دعویٰ کیا تھا کہ اسلام ہی آج اکیلا سچا اور زندہ مذہب ہے جس پر عمل کر کے انسان آج بھی خدا کو پا سکتا ہے اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کے انعام سے مشرف ہو سکتا ہے اور لکھا تھا کہ میں اس معاملہ میں صاحبِ حال ہوں جس شخص کا دل چاہے میرے پاس آئے اور آزمائے۔

حضرت مولانا نورالدین صاحب کوئی معمولی دل ودماغ کے انسان نہ تھے۔ ایک زمانہ دیکھے ہوئے اور اہل قال وحال کی ہمت اٹھائے ہوئے تھے، وہ معمولی اشتہار سے کب متاثر ہو سکتے تھے۔ پس یہ ایک حقیقت تھی کہ انہیں حضرت مرزا

صاحب کے اعلان میں یقین اور معرفت کے نور کی ایسی شعاعیں نظر پڑیں کہ دل پر اثر کر گئیں۔اس دہریہ کو بلا کر کہا کہ لیجئے آپ کے امتحان کا وقت بھی آ گیا۔مدعی تو پیدا ہو گیا اب نتائج پر نظر رکھو۔اعلان کے الفاظ سے وہ بھی بہت مرعوب ہوا۔

قادیان کا سفر

کچھ عرصہ گذر گیا۔براہین احمدیہ کے بے نظیر دلائل اور پُر شوکت تحریروں کو پڑھ کر حضرت مولانا کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ اس شخص مدعی الہام سے جو اس عجیب و غریب کتاب کا مصنف ہے ملاقات کی جائے۔آپ جموں سے بٹالہ پہنچے۔ وہاں سے یکہ پر قادیان پہنچے۔یکہ والے سے کہہ دیا کہ مرزا صاحب کے مکان پر لے چلو۔اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو کون جانتا تھا۔مرزا امام الدین جو آپ کا چچازاد بھائی تھا اور دہریہ تھا اس کا قادیان میں طوطی بولتا تھا۔یکہ والا سیدھا مرزا امام الدین کے پاس لے گیا، وہ اپنے گھر کے پھاٹک پر چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔حضرت مولانا نورالدین مرحوم کی نظر اس پر پڑی تو آپ کا دل سخت متنفر ہوا اور نہایت بیزار ہو کر یکہ والے سے کہا کہ ٹھہرو ہم ابھی واپس جائیں گے مگر پھر کچھ خیال دل میں آیا تو مرزا امام الدین سے پوچھا کہ کیا آپ نے کتاب براہین احمدیہ لکھی ہے؟ اس پر وہ یکہ والے سے کہنے لگا، ان کو یہاں کہاں لے آیا انہیں غلام احمد مسیتڑ (مسجد میں رہنے والے) کی طرف لے جا۔

حضرت مسیح موعودؑ سے پہلی ملاقات

یہ فقرہ سن کر حضرت مولوی صاحب کا سینہ ہلکا ہوا۔ورنہ امام الدین کو دیکھ کر تو آپ کا دل سخت غمگین ہوا تھا۔کیونکہ تمام امیدوں کا خون ہو گیا تھا۔حضرت مرزا صاحب کے مکان پر پہنچ کر اطلاع کروائی۔حضرت نے انہیں اپنے مکان پر اتروایا اور نماز عصر کے وقت باہر تشریف لائے۔وہ جو مثل ہے کہ ولی را ولی مے شناسد، ایک نگاہ میں ہی دونوں نے ایک دوسرے کو بھانپ لیا۔مولوی نورالدین صاحب مرحوم آپ کی گفتگو سے بے حد متاثر ہوئے۔صبح سیر کے لئے دونوں باہر گئے۔ اثنائے گفتگو میں مولوی صاحب مرحوم نے عرض کی کہ مجھے ایک مرتبہ میں رویا میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اس کثرت سے احادیث یاد تھیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا منہ میرے کان کے پاس لائے تاکہ وہ وجہ بتائیں۔مگر عین اس وقت جب حضور ارشاد فرمانے کو تھے تو کسی نے مجھے جگا دیا۔مجھے سخت قلق ہوا کہ خدا جانے وہ کیا راز تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے بتانے لگے تھے۔کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟ اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
من از آفتاب ہستم ہم از آفتاب گویم

فرمایا مجھے جو کچھ ملا ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی چشمۂ فیض سے ملا ہے۔بات یہ ہے کہ جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے کہ **لا یمسہ الا المطھرون** کہ قرآن کو مس نہیں کرتے مگر وہی جو پاک کئے گئے ہیں۔اسی طرح حضرت نبی کریم صلعم کی احادیث کو بھی مس کرنے کے لئے طہارت و تقوے اور عمل بالحدیث کی ضرورت ہے۔

بیعت کی درخواست

غرضیکہ جتنا عرصہ حضرت مولوی صاحب مرحوم حضرت کی خدمت میں ٹھہرے، غوامض و اسرار دینیہ پر اس قدر نئی سے نئی روشنی پڑتی آپ کو نظر آئی۔آپ کو وہ تمام علوم جنہیں تمام ممالک اسلامی بھی پھر کر حاصل کیا تھا نامکمل نظر آئے اور آپ نے ضروری سمجھا کہ قرآن و حدیث کی تعلیم اور منازلِ سلوک کی تکمیل کے لئے آپ حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں زندگی گذار دیں۔آپ نے حضرت مرزا صاحب سے درخواست کی کہ میری بیعت لے لیں۔حضرت نے انکار کر دیا۔ فرمایا مجھے حکم بیعت لینے کا نہیں۔مولانا نے فرمایا بہت اچھا اگر کبھی حکم بیعت لینے کا ہو تو میرا نمبر بیعت کنندوں میں سب سے پہلا سمجھا جائے۔حضرت نے یہ منظور کر لیا وہاں سے رخصت ہو کر واپس جموں تشریف لے گئے۔ جب کچھ عرصہ بعد حضرت کو جماعت بنانے اور بیعت لینے کا الہام ہوا تو حضرت مولانا نے آپ کے ہاتھ پر فوراً بیعت کی۔

جہاد فی سبیل اللہ

بیعت کے بعد حضرت مولانا نے حضرت صاحب سے دریافت کیا کہ آپ

کے سلسلہ کا وظیفہ کیا ہے؟ جس کو پڑھوں، فرمایا ''جہاد فی سبیل اللہ'' عرض کی کہ کیا تلوار لے کر انگریزوں سے لڑوں؟ فرمایا: ''نہیں جاھد ھم بہ جھاداً کبیراً کے ماتحت قرآن لے کر مذاہب باطلہ سے لڑو'' عرض کی ''کس طرح؟'' فرمایا: ''ایک کتاب عیسائیوں کے ردّ میں لکھیں'' عرض کی کہ عیسائیوں کے جس اعتراض کا جواب سمجھ میں نہ آئے تو کیا الزامی جواب دے دوں؟'' فرمایا: یہ بے ایمانی ہے جو چیز واقعی اچھی نہیں ہے۔ اس سے یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں ہوسکتا کہ یہ بُری چیز تم میں بھی موجود ہے۔ اپنی آنکھ کے کانے پن کے متعلق یہ کہہ کر خلاصی نہیں ہوسکتی کہ تم بھی کانے ہو۔ کانا پن ایک عیب ہے۔ جب تک ہم میں موجود ہے ہم عیب دار ہیں۔ معترض بھی فرض کرو اگر کانا ہو تو اس کے کانے ہونے سے ہمارے کانے ہونے کا عیب دھل نہیں سکتا۔ ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم تحقیقی جواب دیں اور بتائیں کہ ہماری آنکھ ہرگز کانی نہیں۔ یہ تمہاری نظر کا قصور ہے، اس کے بعد ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اب الزامی جواب دیں اور بتائیں کہ کانے ہم تو نہیں ہیں البتہ تم کانے بلکہ اندھے ہو۔ اور جس آیت پر اعتراض ہو اس کا حل سمجھ میں نہ آئے تو اس آیت کو لکھ کر سامنے لٹکا لو تا کہ ہر وقت نظر پڑتی رہے۔ آخر ایک وقت آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم آپ پر کھول دے گا۔

دو معرکۃ الآرا کتابیں

یہ ہدایات لے کر حضرت مولانا نور الدین واپس تشریف لے آئے۔ پنڈ دادنخاں میں ایک پادری نے بہت شور وشر مچا رکھا تھا۔ اس کے اعتراضات سے متاثر ہوکر بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان ارتداد کے قریب تھے۔ حضرت مولانا نورالدین مرحوم اس سے ملے۔ اس نے مباحثہ تو نہ کیا مگر اعتراضات لکھ کر دیئے۔ آپ نے ان اعتراضات کے جواب میں جو کتاب لکھی اس کا نام ہے ''فصل الخطاب'' فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت صاحب کی ہدایات سے اس کتاب کے لکھنے میں بہت فائدہ اٹھایا اور آپ کے بتائے ہوئے طریق سے قرآن کریم کی متعدد آیات حل ہوگئیں اور اس کتاب میں یہی التزام کیا کہ پہلے تحقیقی جواب دیا پھر الزامی جواب، اس کتاب کا نیک اثر یہ ہوا کہ وہ تمام تعلیم یافتہ مسلمان جو عیسائی ہونے کو تیار تھے نئے سرے سے مسلمان ہوگئے اور بذریعہ تحریر انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں مولانا حاضر ہوئے۔ دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ فرمایا: ''جہاد'' عرض کی کہ اب کس کے ساتھ جہاد کروں؟ فرمایا: ''آریوں کے خلاف ایک کتاب لکھو۔ چنانچہ انہی دنوں لیکھرام نے براہین احمدیہ کے ردّ میں تکذیب براہین احمدیہ لکھی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کا ردّ لکھنا شروع کیا۔ اور ''تصدیق براہین احمدیہ'' جیسی اعلیٰ کتاب لکھی۔ حضرت مولانا جموں سے بار بار لکھتے رہے کہ اگر اجازت ہو تو ملازمت چھوڑ کر قادیان آرہوں۔ مگر حضرت صاحب یہی لکھتے رہے کہ لگی ہوئی ملازمت کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کفراں ہے۔ اس لئے آپ ملازمت از خود ترک نہ کریں۔

ملازمت سے علیحدگی

اب خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ریاست میں بعض دشمنوں نے مہاراجہ کے کان حضرت مولانا کے خلاف ایسے بھرے کہ مہاراجہ نے حضرت مولانا کو ملازمت سے علیحدہ کردیا۔ آپ جموں سے اپنے وطن بھیرہ تشریف لے گئے۔ وہاں سب لوگوں کے کہنے سننے سے ایک عالیشان مکان کی بنیاد ڈالی اور ارادہ کیا کہ بڑے پیمانہ پر مطب کا کام جاری کیا جائے۔ شہرت بے حد تھی۔ ایک دنیا ٹوٹ پڑی اور ملازمت سے بھی بڑھ کر آمدنی کی صورت پیدا ہوگئی۔

قادیان میں مستقل اقامت

نئے مکان کی تعمیر ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ آپ کو کسی ضرورت کے لئے لاہور آنا پڑا، واپسی پر دل چاہا کہ قادیان جا کر حضرت صاحب سے بھی ملاقات کرلوں، ادھر عمارت کا کام بڑے پیمانہ پر جاری تھا۔ وہاں بھی جلد پہنچنا ضروری تھا۔ اس لئے وقت کی کمی کی وجہ سے آپ نے بٹالہ سے جو یکہ لیا تو کرایہ واپسی کا کر کے لیا۔ خیال تھا کہ محض ملاقات کر کے اسی وقت واپس چلا آؤں گا۔ قادیان پہنچے۔ حضرت صاحب سے ملے۔ ملاقات کے دوران واپسی کے لئے اجازت مانگنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ جو حضرت نے فرمایا ''مولوی صاحب اب تو آپ فارغ ہوگئے'' انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں اب تو فارغ ہی ہوں، یکہ والے سے انہوں نے کہہ دیا کہ اب تم چلے جاؤ۔ آج اجازت لینا مناسب نہیں، کل پرسوں اجازت لیں گے۔ اگلے روز حضرت نے فرمایا ''مولوی صاحب آپ کو اکیلے رہنے میں تو

تکلیف ہوگی۔آپ اپنی بیوی کو بلالیں''۔انہوں نے حسب ارشاد بیوی کو بلانے کے لئے خط لکھ دیا۔اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابھی میں شاید جلدی نہ آسکوں۔اس لئے عمارت کا کام بند کردیں۔جب آپ کی بی بی صاحبہ تشریف لے آئیں تو حضرت نے فرمایا کہ ''آپ کو کتابوں کا بڑا شوق ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اپنا کتب خانہ منگوالیں'' چنانچہ کتب خانہ بھی منگوالیا۔تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ ''دوسری بیوی آپ کی مزاج شناس اور پُرانی ہے۔آپ اس کو بھی ضرور بلالیں'' چنانچہ انہیں بھی بلالیا۔مولوی عبدالکریم مرحوم سے فرمایا کہ مجھے مولوی نورالدین صاحب کے متعلق الہام ہوا ہے:

لاتصبون الی الوطن

فیه تهان و تمتحن

حضرت مولانا مولوی نورالدین فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی عجیب تصرفات ہیں۔اس کے بعد میرے واہمہ اور خواب میں بھی کبھی وطن کا خیال نہ آیا۔اس روز سے ہم قادیان کے ہوگئے۔اور یہ سچ ہے کہ اس کے بعد مہاراجہ جموں نے آپ کو لکھا کہ آپ واپس اپنی ملازمت پر چلے آئیں اور جو کچھ ہو چکا تھا اس کے متعلق معافی مانگی اور لکھا کہ ہمیں غلط فہمی ہوگئی تھی لیکن آپ نے قادیان سے باہر جانے سے انکار کردیا اور لکھ دیا کہ جس چیز کی تمنا مدت سے تھی وہ مجھے مل گئی۔اسے پاکر دنیا کے پیچھے بھاگنا یہ مجھ سے توقع مت رکھو۔بہت سے امراء اور رؤسا نے علاج کے لئے حضرت مولوی صاحب کو بڑی بڑی فیس دینے کے وعدہ پر چندروز کے لئے بلایا۔مگر آپ قطعاً نہیں گئے سوائے ان دو چار موقعوں کے جب بلانے والوں نے خود حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں درخواست کی اور آپ نے مولوی صاحب کو حکم دیا کہ آپ جائیں۔

مامور من اللہ کی فرمانبرداری اور احترام

مامور من اللہ کی اس قدر تابعداری اور وفاداری اور ادب اور احترام ہماری آنکھوں نے تو کہیں نہیں دیکھا، اتنا بڑا علامہ فاضل یگانہ اور ادب کا یہ حال تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی محفل میں جب آپ تشریف لاتے تو دبک کر جوتیوں میں بیٹھ جاتے۔حضرت صاحب کی نظر پڑ جاتی تو فوراً بلالیتے اور اپنے پاس بٹھاتے، لیکن پاس بیٹھ کر بھی کبھی خود سے بات نہیں کرتے تھے۔کسی امر میں حضرت صاحب کچھ دریافت فرماتے تو جواب دے دیتے ورنہ خاموش ادب سے آنکھیں نیچے کئے بیٹھے رہتے۔

غیر معمولی ایثار

پھر سلسلہ کے لئے جس قدر ایثار آپ نے کیا وہ ایک داستان طویل ہے، جس کا یہ موقع نہیں۔فرمانبرداری کا ایک واقعہ عرض کرکے یہ قصہ ختم کرتا ہوں۔حضرت مسیح موعودؑ آخری مرتبہ جب دہلی تشریف لے گئے تو مولانا نورالدین مرحوم کو قادیان چھوڑ آئے تھے۔کسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے مولانا کو تار دی کہ آپ دہلی آجائیں۔تار ملتے ہی آپ مطب سے اٹھے اور سیدھے بٹالہ کو پیادہ چل پڑے۔صرف گھر اطلاع بھیج دی کہ حضرت نے بلایا ہے میں دہلی جارہا ہوں تم فکر نہ کرنا۔گھر والوں کو پتہ لگا تو انہوں نے کپڑوں کا ٹرنک، بستر، کرایہ کے لئے روپے دے کر ایک آدمی روانہ کیا۔جو ایک یکہ لے کر پیچھے دوڑا اور بٹالہ کے رستہ میں جالیا۔آپ باوجود ضعف پیری کے پیدل چلے جارہے تھے۔خیر اس آدمی نے انہیں یکہ پر چڑھایا اور کہا آپ نے بھی کمال کردیا کہ تار ملتے ہی اُٹھ کر چل پڑے فرمایا: ''خدا کے مامور نے بلایا ہے۔اس کے حکم کی تعمیل میں میں نے کسی تاخیر کو معصیت سمجھا۔''

اس قسم کی فرمانبرداری، وفاداری، ایثار، اور قربانیوں کے بیسوں واقعات ہیں جو کچھ زبانی یاد ہیں اور کچھ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی مرحوم کے پاس لکھے ہوئے موجود تھے۔افسوس وہ اپنے ساتھ ہی لے گئے اور ان کی اشاعت کی نوبت نہ آئی۔

حضرت مولانا کی تعریف حضرت مسیح موعودؑ کے قلم سے

مندرجہ بالا مضمون میں حضرت مولانا نورالدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جس ایثار، فرمانبرداری اور وفاداری کا ذکر ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے کیا ہے اس کی تعریف خود حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنی کتابوں میں جابجا کی ہے۔ایک جگہ لکھا ہے:

''رب العالمین کی رحمت نے جوش مارا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک مخلص

صدیق عطا فرمایا جو میرے مددگاروں کی آنکھ ہے اور میرے مخلص دوستوں کا خلاصہ ہے جو دین کے کاموں میں میرے دوست ہیں۔ اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نورالدین ہے۔ وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے لحاظ سے قریشی ہاشمی ہے۔ جو اسلام کے سرداروں میں اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے۔ پس مجھ کو اس کے ملنے سے ایسی خوشی ہوئی کہ گویا کوئی جدا شدہ عضو مل گیا۔ اور ایسا سرور ہوا جس طرح کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے ملنے سے خوش ہوئے تھے، اور میں اپنے غموں کو بھول گیا۔ جب سے وہ میرے پاس آیا اور مجھ سے ملا اور میں نے دین کی نصرت کی راہوں میں اس کو سابقین میں سے پایا اور مجھ کو کسی شخص کے مال نے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر کہ اس کے مال نے جو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیا اور کئی سال سے دیتا ہے ۔۔۔ اور میری فراست نے مجھ کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں سے ہے۔ اور میں لوگوں کی مدح کرنا اور ان کے شمائل کو پھیلانا اس خوف سے بُرا جانتا تھا کہ مبادا ان کے نفسوں کو ضرر دے لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ وہ تو ایسے لوگوں میں سے ہے جن کے نفسانی جذبات شکستہ ہوگئے ہیں اور جن کی طبعی شہوات فنا ہوگئی ہیں اور ان پر کوئی خوف نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس کے کمال کے نشانوں میں سے یہ ہے کہ اس نے اسلام کو مجروح دیکھا اور اس کو ایک مسافر سرگرداں کی طرح یا اس درخت کی طرح پایا جو اپنی جگہ سے ہلایا جائے تو اس نے غم کو اپنا شعار بنا لیا اور مارے غم کے اس کا عیش مکدّر ہو گیا اور وہ مضطر کی طرح دین کی مدد کو کھڑا ہو گیا اور ایسی کتابیں تصنیف کیں جو حقائق اور معارف سے بھری ہوئی ہیں اور جن کی نظیر پہلی کتابوں میں نہیں پائی جاتی ۔۔۔ بلاشک وہ مشکوٰۃ نبوت کے انوار سے منور ہے اور اپنی پاک طینتی اور شان مروی کے مناسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے نور لیتا ہے وہ ایک عجیب و غریب مرد ہے۔ اس کے ایک ایک لحہ کے ساتھ انوار کی نہریں بہتی ہیں۔ اس کے ایک ایک ۔۔۔ کے ساتھ فکروں کے رشحہ پھوٹتے ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ خیرالواہبین ہے۔

وہ حجتہ المتکلمین ہے اور زبدۃ المومنین۔ لوگ اس کے زلال سے پانی پیتے ہیں اور اس کی گفتگو کی شیشیاں شراب طہور کی طرح خریدتے ہیں وہ ابرار اور اخیار اور مومنین کا فخر ہے اس کے دل میں لطائف اور دقائق اور معارف اور حقائق کے انوار ساطعہ ہیں ۔۔۔ اس کو میرے دل سے عجیب تعلقات ہیں۔ میری محبت میں قسم قسم کی ملامتیں اور بدزبانیاں سہتا اور وطن مالوف اور دوستوں کی مفارقت اختیار کرتا ہے۔ میرے کام کے سننے کے لئے اس پر وطن کی جدائی آسان ہے اور میرے مقام کی محبت کے لئے وہ اپنے اصلی وطن کی یاد کو چھوڑ بیٹھا ہے اور میرے ہر ایک امر میں میری اس طرح پیروی کرتا ہے جیسے نبض کی حرکت تنفس کی حرکت کی پیروی کرتی ہے ۔۔۔ اور اس کی اکثر خوبیوں پر مجھے رشک آتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے اور وہ خیرالرازقین ہے ۔۔۔۔ تمام تعریف اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے لئے ہے وہی دنیا و آخرت میں میرا اولی ہے۔ اسی کے کلام نے مجھے بلوایا۔ اس کے ہاتھ نے مجھے ہلایا۔ سو میں نے یہ مسودہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اشارے اور القا سے لکھا ہے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ** وہی قادر ہے آسمان وزمین میں۔ اے رب جو میں نے لکھا ہے محض تیری قوت و طاقت اور تیرے الہام کے اشارے سے لکھا ہے۔ پس تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے اے رب العالمین''۔

یہ خدا کے اس فرستادہ کا کلام ہے جو زمانہ حال کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا اور مجدّدیت و مہدویت و مسیحیت کے منصب عالی پر فائز کیا گیا۔ اس عالی مقام شخصیت نے نورالدین کا جو مقام بیان کیا ہے اور جیسا کہ خود فرمایا خدا تعالیٰ کے القا اور الہام کے ارشاد سے لکھا ہے۔ اس سے حضرت مولانا کے مرتبہ اور مقام کی بلندی کا پتہ لگتا ہے۔ جس شخص کی حمد و ثنا خدا کا مسیح ایسے شاندار الفاظ میں کرے اور ان پر رشک کرے اس کی بلندی مرتبت کا کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ تو حضرت مسیح موعودؑ کی ایک طویل تحریر کا اقتباس ہے جو آپ نے عربی زبان میں لکھی۔ یہ بہت لمبی تحریر ہے جس میں آپ کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہے اور بھی کئی جگہوں پر آپ کا ذکرِ خیر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا:

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نورِ دیں بودے
ہمیں بودے کہ ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

حضرت مولانا کا زمانہ خلافت

اس عظیم الشان انسان کو حضرت مسیح موعودؑ کے بعد تمام جماعت احمدیہ نے متفقہ طور پر جماعت کا قائد یا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب اور ان کے خاندان کے لوگوں کو یہ پسند نہ آیا کہ جماعت کی قیادت خاندان مسیح موعودؑ سے باہر کسی کو سونپی جائے۔ دوسری طرف حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے بعد سلسلہ کا نظام چلانے کے لئے جو انجمن (صدر انجمن احمدیہ قادیان) بنادی تھی اور یہ لکھ کر دے دیا تھا کہ سلسلہ کے پیش آمدہ امور میں اس انجمن کی کثرت رائے سے جو فیصلہ ہو گا وہی قطعی سمجھا جائے گا۔ یہ بھی میاں محمود احمد صاحب کو گوارا نہ تھا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے جو اس انجمن کے پریذیڈنٹ تھے۔ حضرت صاحب کے حکم کو ملحوظ رکھتے ہوئے انجمن کی پوزیشن کو برقرار رکھا۔ لیکن میاں محمود احمد صاحب اور ان کے حامیوں نے بظاہر مولانا کے خیر خواہ بن کر خلیفہ اور انجمن کے تعلقات کو زیر بحث لا کر کوشش کی کہ حضرت مولانا آمرانہ حیثیت اختیار کر کے انجمن کو توڑ دیں یا کم از کم حضرت مسیح موعودؑ کے نامزد کردہ ممبروں میں سے ان لوگوں کو خارج کر دیں جو ان کی آمریت کے مخالف ہوں تا کہ آئندہ میاں صاحب کی آمریت کے قیام کے لئے راہ کھل جائے۔ اس غرض سے انہوں نے حضرت مولانا محمد علی صاحب اور بعض دوسرے ممبروں کے خلاف حضرت مولانا کے کان بھرنے اور ان کو ان لوگوں سے بدظن کرنے کی پوری کوشش کی۔ یہاں تک کہ ایک خط میں یہ بھی مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو جماعت سے خارج کر دیا جائے لیکن حضرت مولانا نور الدین صاحب اصل حقیقت کو پہنچ چکے تھے۔ اور ۱۹۱۲ء میں جب آپ لاہور تشریف لائے تو احمدیہ بلڈنگس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ بدظنی سے ہٹ جاؤ یہ بدکار کر دے گی۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔ پس تم بدظنی نہ کرو۔۔۔۔ اب بھی میرے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے وہ لکھتا ہے کہ لاہور کی جماعت خلافت میں روک ہے۔ میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو کہتا ہوں کہ یہ بدظنی ہے۔ اس کو چھوڑ دو۔ تم اکیلے اپنے آپ کو ان جیسے مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں۔ حضرت صاحب سے ان کو محبت ہے۔۔۔۔ یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔ اگر ایسا کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کرے گا۔ (اخبار ”بدر“ مورخہ ۴، ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء)

لیکن حضرت مولانا کے اس کھلے انتباہ کے باوجود بدظنی۔۔۔ نہیں بلکہ افتراپردازی جو خاص اغراض کے ماتحت کی جاتی تھی، بدستور چلتی رہی۔ بلکہ فتنہ بڑھتا ہی چلا گیا جس سے تنگ آ کر حضرت مولانا مرحوم نے ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء کو خواجہ کمال الدین صاحب کو جو انگلستان میں تھے ایک خط لکھا جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا:

”نواب میر ناصر محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں، یہ بلا اب تک لگی ہے یا اللہ نجات دے۔ آمین۔۔۔۔“

یہ حضرت مولانا کے بیماری کے دن تھے۔ اس سے پہلے ایک بیماری کے دوران انہوں نے کوئی وصیت لکھ کر بند لفافہ میں کسی شخص کے پاس رکھ دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری وفات کے بعد اس لفافہ کو کھولا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں میاں محمود احمد صاحب کو انہوں نے اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا تھا لیکن جب مذکورہ بالا حالات انہیں نظر آئے تو اس بند لفافہ کو ضائع کر دیا اور بیماری کے آخری ایام میں جو وصیت کی وہ یہ ہے:

”میرا جانشین متقی، ہر دلعزیز، عالم باعمل، حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی اور درگذر کو کام میں لاوے“

اس کے بعد آپ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(”یادِ رفتگان“ جلد اوّل صفحہ ۹ تا ۲۴)

☆☆☆☆

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

مرتب: محی الدین

حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ جماعت احمدیہ کے ان عالی مرتبہ لوگوں میں سے تھے جنہیں امام زماں اور ہادی دوراں، مجدّد صد چہاردہم، مسیح موعود ومہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہ صرف صحبت گزینی کا شرف حاصل ہوا بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت کے اپنے مکان میں آپ کے زیر سایہ رہ کر اور آپ کی تحریرات و تقاریر کو انگریزی جامہ پہنا کر آپ کے فیوض روحانی اور علوم وحکمت سے انہوں نے وہ حصّہ وافر حاصل کیا جو دوسروں کو بہت کم نصیب ہوا۔

حضرت مولانا کو امام وقت کی غلامی کا شرف کیسے حاصل ہوا اور کس طرح حضرت کے زیر سایہ رہنے اور وہ عظیم الشان خدمات بجالانے کا موقع ملا جن کی وجہ سے نہ صرف جماعت احمدیہ بلکہ دنیائے اسلام میں ایک بلند مقام آپ کو حاصل ہوا۔ یہ ایک دلچسپ اور ایمان افروز داستان ہے جس کا ایک حصّہ حضرت مولانا کی اپنی زبانی سننا زیادہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔ اپنی قبول احمدیت کی داستان لکھتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق مجھے سب سے پہلے اپنے عزیز دوست اور ہم جماعت منشی عبدالعزیز دہلوی سے علم حاصل ہوا۔ میں اور میرے بڑے بھائی رندھیر کالج کپورتھلہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہیں یہ ہمارے عزیز دوست بھی تعلیم حاصل کرتے تھے جنہیں محبت سے ہم بھائی جان کہا کرتے تھے۔

۱۸۹۰ء میں ہم دونوں بھائی انٹرنس پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے اور ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے متعلق علم ہوا اور ۱۸۹۱ء کے موسم گرما کی تعطیلات میں جب ہم گھر آئے ہوئے تھے تو بھائی جان کی ملاقات کے لئے کپورتھلہ گئے جنہوں نے کتاب ''ازالہ اوہام'' دی جو انہی دنوں شائع ہوئی تھی۔

واپسی پر ہماری ملاقات اپنے ایک استاد سابق مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم سے ہوئی جنہوں نے اس کتاب کو ہمارے ہاتھ میں دیکھ کر بہت خفگی کا اظہار کیا کہ اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس میں کوئی بات خلافِ اسلام ہوگی تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

گھر پہنچنے پر ہم دونوں بھائیوں اور ہمارے والد مرحوم حافظ فتح الدین صاحب نے اس کتاب کو پڑھا اور ہم تینوں اس کتاب کو پڑھ کر اس بات پر متفق ہو گئے کہ جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے درست ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے اور حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

والد مرحوم حافظ قرآن ہونے کے علاوہ کچھ عبور دینی کتب پر بھی رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ہمارے گھر میں اکثر دینی چرچا رہتا تھا اور والد مرحوم کا ہی اثر تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کو جب سے ہوش سنبھالا نماز کے ساتھ ایسا شغف تھا کہ کپورتھلہ میں طالب علمی کے ایام میں پانچ وقت مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔

قادیان اور ہمارے گاؤں کا فاصلہ براہ راست کچھ زیادہ نہیں، شاید بیس ۲۰ میل ہوگا اور حضرت مرزا صاحب کی شہرت ان اطراف میں نہایت نیک تھی اور لوگ یہ جانتے تھے کہ قادیان میں ایک بہت بڑے بزرگ ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں اور زہد اور عبادت اور علم میں بے نظیر انسان ہیں۔ والد صاحب کو ان حالات کا خوب علم تھا اور سب سے پہلا اثر جو حضرت مرزا صاحب کے قبول کرنے میں ہمارے لئے موجب کشش ہوا وہ یہی آپ کی نیک شہرت تھی''۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نیکی، اتقا، زہد، اعلیٰ اخلاق، صداقت اور خدمت خلق کا ذکر کرتے ہوئے جو ایک مامور کی زندگی کی خصوصیات میں شامل ہیں اور جن کا اعتراف عام طور پر اشد ترین دشمنوں کو بھی تھا اور بعض علمی مباحث کا ذکر کرتے ہوئے جو جماعت احمدیہ کے خصوصی مسائل میں سے ہیں اور عام طور پر قبول احمدیت میں روک کا موجب ہوتے ہیں مثلاً حیات ممات مسیح،

نزول مسیح، ختم نبوت وغیرہ۔

آپ لکھتے ہیں:

’’یہ چند موٹی موٹی باتوں کا ذکر میں نے کیا ہے جو والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائیوں کے فیصلہ کرنے میں ہمارے لئے معاون ہوتیں ۔ یہ باتیں اس قدر واضح تھیں کہ ہم تینوں بیک وقت ’’ازالہ اوہام‘‘ کے مطالعہ کے بعد ایک ہی فیصلہ پر پہنچے اور دل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے قائل ہو گئے ۔آپ کے دلائل کو دیکھ لینے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کی صداقت پر شک نہیں ہوا لیکن با ایں ہم تینوں میں سے کوئی بھی حضرت صاحب کی بیعت میں داخل نہیں ہوا۔

اس کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۸۹۲ء میں لاہور تشریف لے گئے جہاں مولوی عبدالحکیم صاحب کے ساتھ مناظرہ ہوا جس میں آپ کی اس تحریر پر مباحثہ ختم ہو گیا کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ آپ نے لفظ نبی صرف اپنے لغوی معنی میں یعنی محدث کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اگر باوجود اس تشریح کے بھی یہ لفظ آپ کے مسلمان بھائیوں کو ناگوار گذرتا ہو تو وہ اسے کٹا ہوا سمجھ کر اس کی جگہ لفظ محدث سمجھ لیں۔اس وقت ہم دونوں بھائیوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت کی اور آپ کی صداقت پر ہمارا یقین اور بھی بڑھ گیا۔

۱۸۹۴ء میں بی ۔اے پاس کرنے کے بعد اور ان ایام میں جب میں ایم۔اے کی تعلیم حاصل کر رہا تھا اور مولوی عزیز بخش صاحب ٹریننگ کالج میں چلے گئے تھے۔میں اسلامیہ کالج میں پروفیسر ریاضی ہو گیا اور اسی وقت سے میری ملاقات میرے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے ساتھ ہوئی جو میری طرح ایم۔اے میں تعلیم بھی حاصل کرتے تھے اور اسلامیہ کالج میں پروفیسر بھی تھے،خواجہ صاحب مرحوم حضرت صاحب کی بیعت میں داخل ہو چکے تھے اور میں ابھی تک داخل نہ ہوا تھا لیکن خیالات میں اس قدر یگانگت تھی کہ ہمارے تعلقات محبت بہت جلد ترقی کر گئے۔ان ایام میں بھی میں اخبارات میں بعض مضامین بھی حضرت صاحب کی تائید میں لکھتا تھا۔گو ابھی تک بیعت نہ کی تھی۔خواجہ صاحب کے ساتھ ان تعلقات پر دو اڑھائی سال گذر جانے کے بعد انہوں نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کے ساتھ قادیان چلوں اور حضرت صاحب کی زیارت کروں۔

چنانچہ مارچ ۱۸۹۷ء میں خواجہ صاحب کے ساتھ (کچھ اور بھی احباب ساتھ تھے) قادیان گیا۔قادیان کے دو چار دن کے قیام نے ہی ایک نیا عالم آنکھوں کے سامنے کھول دیا۔گو آپ کی تحریروں سے بھی آپ کا وہ درد ظاہر ہوتا تھا جو اسلام کی ترقی کے لئے آپ کے دل میں تھا اور آپ کے خدمت اسلامی کے جذبہ کی جھلک آپ کے لفظ لفظ میں نظر آتی تھی مگر صحبت میں رہ کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کا دن رات کا شغف سوائے اس کے کچھ ہے ہی نہیں۔نماز فجر ہوئی تو بیٹھ گئے۔اعلائے کلمۃ اللہ کا ذکر ہے،تھوڑی دیر بعد سیر کو نکلتے ہیں تو سارے راستہ میں یہی گفتگو ہے۔واپس آتے ہیں کھانے پر احباب کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو یہی ذکر ہے۔نماز مغرب کے بعد عشاء تک پھر مسجد میں بیٹھتے ہیں اور طرح طرح کے پیرایوں میں کہ اسلام کی صداقت کے سامنے دنیا کا کوئی دین ٹھہر نہیں سکتا۔۔۔

یورپ میں دین اسلام کیونکر پھیل سکتا ہے، ہندوستان میں آریہ سماج کے مقابلہ کی کیسی ضرورت ہے۔سکھوں کے پیشرو بابا نانک اسلامی صداقتوں سے کیسے متاثر تھے۔خدا سے تعلق کس طرح پیدا ہوتا ہے۔نمازوں میں لذت کس طرح آتی ہے۔قرآن کریم کو اپنا ہادی بنانے کی کیسی ضرورت ہے۔غرض ہر وقت یہی ایک شغل ہے جو دنیا کی مجالس میں کہیں نظر نہیں آتا‘‘ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اس وقت کتنے دن قیام کیا۔غالباً سات آٹھ دن تھے اور بالآخر خواجہ صاحب مرحوم کے ذریعہ سے اس پاک انسان سے تعلق بیعت کی خواہش خود ہی ظاہر کی اور بیعت میں شامل ہوا۔گو جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں والد صاحب مرحوم اور ہم دونوں بھائی حضرت مسیح موعود کی صداقت کے دل سے قائل تھے مگر بیعت کو غیر ضروری سمجھتے تھے اور اس قدر کافی سمجھتے تھے کہ ہم آپ کو صادق مانتے ہیں اور کہ بیعت میں داخل ہونے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔آج بھی بہت لوگ اس خیال کے ہیں بلکہ میرا خیال ہے ان لوگوں کی تعداد ہماری جماعت سے بہت زیادہ ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے قائل تو ہیں لیکن بیعت میں شامل نہیں یا بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ایسے ہی لوگوں کو اپنے اندر سمجھ کر حضرت صاحب اپنی جماعت کی تعداد کا

اپنی زندگی کے آخری ایام میں چار لاکھ کا اندازہ کرتے تھے۔ بہرحال بیعت کر لینے کے بعد میں نے اس واقعہ سے اپنے بڑے بھائی مولوی عزیز بخش صاحب اور والد صاحب مرحوم کو اطلاع دی اور وہ دونوں بھی فی الفور بیعت میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد باقی سب بھائی اور دیگر رشتہ دار بھی داخل بیعت ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آج خدا کے فضل سے ان عزیزوں کی ایک بڑی بھاری جماعت بن گئی ہے۔ جو سب کے سب اللہ کے فضل سے خدا کے دین کی مدد میں حسبِ حیثیت مصروف ہیں۔

حضرت مولانا کی قبول احمدیت اور شمولِ سلسلہ کی اس خودنوشت داستان سے ظاہر ہے کہ آپ کو شروع ہی سے دین کے ساتھ کس قدر لگاؤ تھا اور ماموروقت کی شناخت کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص ملکہ عطا کیا تھا اسی دینی لگاؤ اور شناخت مامور کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی مشاغل سے الگ کر کے صرف خدمت دین کے لئے چن لیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زیرسایہ رہ کر آپ کے بعد انہیں ایسی عظیم الشان خدماتِ اسلام کی توفیق میسر آئی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بیعت کر لینے کے بعد حضرت مولانا دو سال تک اورینٹل کالج میں پروفیسر رہے اور امتحان وکالت کی بھی تیاری کرتے رہے جس کے دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی بعض تحریرات اور میموریل وغیرہ انہیں انگریزی میں ترجمہ کرنے کے لئے بھیجتے رہے اور حضرت مولانا ترجمہ کی خدمت بجا لاتے رہے اور ہر ہفتہ اور اتوار کو اور دیگر تعطیلات میں قادیان حضرت کی خدمت میں چلے جاتے تھے اور موسم گرما کی تعطیلات بھی وہیں گذارتے تھے۔

۱۸۹۹ء میں آپ نے وکالت کا امتحان پاس کیا۔ جس کے بعد آپ نے گورداسپور میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر وکالت کا کام شروع کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے ایک منشی بھی ملازم رکھ لیا، اور ضروری سامان اور کتب بھی خرید لیں لیکن خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کام شروع کرنے سے پہلے کچھ عرصہ حضرت کی خدمت میں گذارنے کے لئے آپ قادیان چلے گئے اور خدا نے ایسا سامان کیا کہ پھر وہیں کے ہو رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے ماتحت آپ نے وہیں حضرت کے مکان کے ایک حصّہ میں رہ کر آپ کی تحریرات کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کا کام اپنے ذمہ لے لیا، اسی دوران میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی ادارت میں ایک ماہوار رسالہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور ۱۹۰۲ء میں یہ رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کے نام سے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں جاری ہو گیا جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کے انگریزی دان طبقہ کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی کافی شہرت حاصل کر لی۔ اس رسالہ کی انگریزی زبان کے متعلق بعض حلقوں میں یہ شبہ کیا جاتا تھا کہ مرزا صاحب نے کوئی انگریز ملازم رکھا ہوا ہے۔ جو محمد علی کے فرضی نام سے اس رسالہ کو ایڈیٹ کرتا ہے چنانچہ ایک انگریزی رسالہ ''کلکتہ ریویو'' کے انگریزی ایڈیٹر نے اپریل ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں مخالفانہ رنگ میں ایک نوٹ لکھا جس میں اس نے بتایا کہ ''یہ اظہر من الشمس ہے کہ اس رسالہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک یورپین کی قلم سے نکلتا ہے جو انگریز ہے'' یہ حضرت مولانا کی علمی قابلیت پر دال ہے۔

حضرت مولانا کی نیک نفسی، دینداری اور حسن اخلاق کا تذکرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدد تحریروں اور خطوط وغیرہ میں کیا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے:

''ہماری جماعت میں اول درجہ کے مخلص دوستوں میں سے مولوی محمد علی صاحب ایم اے ہیں ۔۔۔ اور میں اس مدت میں یعنی جب سے کہ وہ میرے پاس ہیں ظاہری نظر سے اور نیز پوشیدہ طور پر ان کے حالات کا اخلاق اور دین اور شرافت کی رُو سے تجسس کرتا رہا ہوں، سو خدا کا شکر ہے کہ میں نے ان کو دینداری میں اور شرافت کے ہر پہلو میں نہایت عمدہ انسان پایا ہے۔ غریب طبع، باحیا، نیک، پرہیزگار آدمی ہے اور بہت سی خوبیوں میں رشک کے لائق ہے''۔

(مجموعہ اشتہارات ۹ اگست ۱۸۹۹ء جلد ہشتم صفحہ ۴)

ایک خط جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولانا محمد علی صاحب کو لکھا ہے۔ اس میں یہ الفاظ تحریر فرمائے:

''مجھے آپ پر بہت ہی نیک ظن ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کے ساتھ خاص

محبت رکھتا ہوں۔ اگر آپ کی خدا تعالیٰ کے نزدیک فطرت نیک نہ ہوتی تو میرا اس قدر نیک ظن ہو نہیں سکتا، ہرگز نہ ہوتا مگر میں دل سے اور دلی جوش سے آپ سے محبت رکھتا ہوں''۔

اس قسم کی کئی تحریرات ہیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مولانا کی نیک نفسی اور خدمت دین کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک الہام میں مولانا صاحب کا نام ''مجدد الدین'' بتایا گیا اور جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہے تجدید دین یعنی دین کی عظمت و بزرگی کا کام جو آپ سے عمل میں آیا۔ اس کی وجہ سے آپ فی الواقعہ مجدد الدین کہلانے کے مستحق ہیں۔

۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''الوصیت'' نامی رسالہ لکھا۔ جس میں آپ نے اپنے بعد تمام جماعت کو مل کر کام کرنے کی وصیت کرتے ہوئے تمام پیش آمدہ امور مشورے سے طے کرنے کا حکم دیا۔

اس رسالہ کے آخر میں ایک ''ضمیمہ الوصیت'' آپ نے لکھ کر لگایا جس میں اپنے بعد کام کرنے کے لئے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام صدر انجمن احمدیہ رکھا گیا۔ اور حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس انجمن کا سیکرٹری مقرر کیا۔ یہ ایک جمہوری نظام تھا جس پر آپ جماعت کو چلانا چاہتے تھے اور دوسرے پیروں کی طرح گدّی قائم کرنے اور خلافت کا ایسا سلسلہ چلانے سے آپ نے احتراز کیا جو آمریت کا رنگ رکھتا ہو چنانچہ آپ نے صاف لکھ کر دے دیا کہ اس انجمن کا جو فیصلہ کثرت رائے سے ہو اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں اور آپ کے بعد حضرت مولانا نور الدین صاحب کی قیادت میں اسی جمہوریت پر عامل رہے لیکن افسوس ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صاحبزادہ میاں محمود احمد صاحب نے جو حضرت مولانا نور الدین صاحب کے بعد جماعت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے اور آمر مطلق بننے کے خواہشمند تھے ان کی وفات کے بعد اس صورت حال کو قائم نہ رہنے دیا۔ پہلے تو انہوں نے حضرت مولانا نور الدین صاحب کی زندگی میں انہیں مولانا محمد علی صاحب کی طرف سے بدظن کرنے اور طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے انہیں جماعت سے خارج کرانے کی کوشش کی لیکن جب ان کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں تو انہوں نے جماعت میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے کفر و اسلام کا مسئلہ چھیڑ دیا اور یہ اعلان کیا کہ ہر ایک شخص جو مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں داخل نہیں خواہ وہ دل میں آپ کو سچا ہی سمجھتا ہو اور زبانی بھی اقرار کرتا ہو کافر ہے۔ اس پر جماعت میں بحث چھڑ گئی اور میاں صاحب نے انصار اللہ کی ایک جماعت بنا کر اس کے ذریعہ جماعت میں اختلاف کو ہوا دینے اور مولانا محمد علی صاحب اور ان کے چند ساتھیوں کے خلاف لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے پوری کوشش کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا نور الدین صاحب کی وفات کے بعد کثرت سے لوگ میاں محمود احمد صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ مولانا محمد علی صاحب نے سلسلہ کے اتحاد کو قائم رکھنے اور نظام کو بدستور چلانے کے لئے میاں صاحب کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آئندہ جو بھی خلیفہ منتخب ہو وہ صرف غیر از جماعت لوگوں سے جو سلسلہ میں داخل ہونا چاہیں بیعت لیا کرے اور ان لوگوں سے جو پہلے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مولانا نور الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے بیعت لینا لازمی ٹھہرایا جائے کیونکہ موجودہ اختلاف عقیدہ کی وجہ سے جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہ ماننے والے مسلمانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں وہ کافر سمجھنے والوں کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ نہ مؤخر الذکر اول الذکر کے ہاتھ پر بیعت کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ''الوصیت'' کا منشا بھی یہی ہے کہ خلیفہ صرف غیر از جماعت لوگوں سے بیعت لینے کے لئے مقرر کیا جائے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا''۔

(الوصیت)

اور اس فقرے پر خواجہ کمال الدین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ اس سے تو بہت سے خلیفے بن جائیں گے تو آپؑ نے فرمایا کہ حرج ہی کیا ہے۔ وہ غیر احمدیوں کو ہی جماعت میں داخل کریں گے۔

افسوس ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کی پیش کردہ تصریحات کا جن سے سلسلہ کا اتحاد قائم رہ سکتا تھا انکار کر کے اسی بات پر اصرار کیا کہ خلیفہ ایک ہی ہونا چاہیے جس کے ہاتھ پر تمام احمدی بیعت کریں اور جو بیعت نہ کرے وہ فاسق ہوگا۔ اسی غرض سے انہوں نے جماعت کے ایک کثیر حصہ کو پہلے سے تیار کر رکھا تھا جنہوں نے بڑے شور و ہنگامہ کے ساتھ انہیں خلیفہ بنا کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جب مولانا محمد علی صاحب نے اس مجلس میں کچھ کہنا چاہا تو انہیں بولنے نہ دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا اور ان کے چند ساتھی ان سے الگ ہو گئے اور انہوں نے لاہور آ کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے نام سے ایک نئی انجمن کی بنیاد رکھی اور اس کے ذریعہ خدمت اسلام کا وہ عظیم الشان کام سرانجام دیا جس کی نظیر موجودہ صدی میں ملنی مشکل ہے۔

مولانا محمد علی صاحب کی اس جرأت و ہمت کی داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے قادیان میں رہتے ہوئے جہاں اس وقت سخت اشتعال پھیلا ہوا تھا میاں محمود احمد صاحب کے عقائد اور ان کے رویہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس پر مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء میں یہ نوٹ لکھا کہ:

''ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بنا پر دو جماعتیں پیدا ہو گئیں تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان بھی مسلمان ہیں گو وہ حضرت مرزا صاحب کے دعوے پر ایمان نہ لائے ہوں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد ہیں۔ اس گروہ نے اب انہیں خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا''۔

حضرت مولانا نے لاہور میں آ کر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد جس وقت رکھی ان کے ساتھ چند گنتی کے آدمی تھے اور اسی بناء پر میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے اس چھوٹی سی جماعت کو ڈھائی بوٹیاں فتو باغبان کا خطاب دیا گیا اور یہ پیشگوئی کی گئی کہ یہ جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تباہ ہو جائے گی لیکن واقعات بتا رہے ہیں کہ یہ جماعت نہ صرف آج تک قائم ہے بلکہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی قیادت میں اس نے جو کام تجدید اسلام کے بارہ میں کیا ہے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔

اس ضمن میں ان احادیث کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کی وفات کے بعد ایک خلیفہ ہوگا اور جب وہ فوت ہوگا تو قرآن لوگوں کے سینے سے اُٹھ جائے گا اور لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے اس کے بعد لوگ اس کے اہل بیعت میں سے ایک آدمی کو اپنا خلیفہ بنائیں گے جس کا شر خیر سے زیادہ ہوگا اس کے خلاف ایک شخص خروج کرے گا جس کا لقب منصور ہوگا۔

یہ حدیث نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب حج الکرامتہ کے صفحہ ۴۴۳۔۴۴۴ پر نقل کی ہے اس کے علاوہ ابوداؤد کی ایک حدیث حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معہ اپنے ایک کشف کے ''ازالہ اوہام'' صفحہ ۹۵ تا ۹۹ کے حاشیہ میں دی ہے جس میں حضرت علیؓ کی روایت سے یہ بتایا گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وراء النھر سے یعنی سمرقند سے ایک شخص خروج کرے گا جس کا نام حارث ہوگا۔ وعلی مقدمة رجل بنال له منصور اس حدیث کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو حارث (زمیندار) بتاتے ہوئے جن کے آباؤ اجداد سمرقند سے آئے تھے مذکورہ بالا فقرہ کی یہ تشریح کی ہے کہ:

''اور اس کے (یعنی حارث کے) لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار سرگروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جائے گا کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا۔ اگرچہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدال مراد نہیں بلکہ یہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائے گی۔ جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا کہ انسان کی صورت میں دو شخص ایک مکان میں بیٹھے ہیں ایک زمین پر اور ایک چھت کے قریب بیٹھا ہے تب میں نے اس شخص کو جو زمین پر تھا مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی

ضرورت ہے مگر وہ چپ رہا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب میں نے اس دوسرے کی طرف رُخ کیا جو چھت کے قریب اور آسمان کی طرف تھا اسے میں نے مخاطب کر کے کہا کہ مجھے ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہے۔ وہ میری یہ بات سن کر بولا، ایک لاکھ نہیں پانچ ہزار سپاہی دیا جائے گا تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگرچہ پانچ ہزار تھوڑے آدمی ہیں پر خدا تعالیٰ چاہے تو تھوڑے بہتوں پر فتح پا سکتے ہیں اس وقت میں نے یہ آیت پڑھی۔ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله پھر وہ منصور مجھے کشف کی حالت میں دکھایا گیا اور کہا گیا کہ خوشحال ہے خوشحال، مگر خدا تعالیٰ کی کسی حکمت خفیہ نے میری نظر کو اس کے پہچاننے سے قاصر رکھا لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ کسی دوسرے وقت دکھایا جائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ وہ منصور جس کو حدیث میں مہدی کے لشکر کا سپہ سالار بتایا گیا ہے وہی شخص ہے جس نے کشف میں پانچ ہزار سپاہی دینے کا وعدہ کیا تھا اور اس کو فئة قليلة کہہ کر اس کے غلبہ کی بھی پیشگوئی کی ہے۔ سو یہ فئة قليلة وہی جماعت ہے جس کو ڈھائی بوٹیاں قرار دے کر اس کی تباہی کی پیشگوئی فئة كثيرة رکھنے والے میاں محمود احمد صاحب نے کی تھی اور اس کا سرگروہ وہی شخص تھا جس کو حدیث میں منصور اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف میں ''خوشحال ہے خوشحال'' کہا گیا ہے اور بعد کے واقعات نے جن کا ذکر آگے آئے گا حضرت مولانا محمد علی صاحب کو اس کا اصل مصداق قرار دیا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ذریعے جس کے امیر اور صدر آپ آخر زندگی تک رہے۔ تین پہلوؤں سے اسلام کی خدمت کا کام سرانجام دیا:

(۱): اتحاد بین المسلمین

(۲): خدمتِ قرآن

(۳): اشاعت اسلام

اتحاد بین المسلمین کے ضمن میں آپ کی ان مساعی کا ذکر کرنا ضروری ہے جو آپ نے کلمہ گوؤں کی تکفیر کے خلاف کیں اور اس بات پر زور دیا کہ ہر شخص جو لا الہ اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے دائرہ اسلام کے اندر ہے اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے کافر قرار دے۔ اس ضمن میں آپ نے جہاں ان مکفر مولویوں کو رد کیا جو ایک دوسرے کو فروعی اختلافات کی بناء پر کافر قرار دے دیتے ہیں وہاں میاں محمود احمد صاحب کے عقیدہ تکفیر مسلمانان اور نبوت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بھی زبردست جہاد کیا اور قرآن اور حدیث اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے یہ ثابت کیا کہ نہ تو آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نیا یا پرانا نبی آسکتا ہے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ ماننے یا کسی اور فروعی اختلاف کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہوسکتا ہے اور یہ دونوں عقیدے اتحاد بین المسلمین کو پاش پاش کرنے والے ہیں۔ آپ نے اس بارہ میں النبوت فی الاسلام، ردتکفیر اہل قبلہ اور دیگر کئی پمفلٹ اور اشتہار لکھ کر شائع کئے جو اتحاد بین المسلمین کے ضمن میں ایک بہت بڑی خدمت ہے۔

(۲): خدمت قرآن کے سلسلہ میں جو کام آپ نے کیا وہ اور بھی زیادہ شاندار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''ازالہ اوہام'' میں اپنی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ:

''اگر قوم بدل و جان میری مدد میں مصروف ہو تو میں چاہتا ہوں کہ ایک تفسیر بھی تیار کر کے اور انگریزی میں ترجمہ کرا کر ان (انگریزوں مائل) کے پاس بھیجی جائے۔ میں اس بات کو صاف صاف بیان کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ یہ میرا کام ہے۔ دوسرے سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا جیسا مجھ سے یا جیسا اس سے جو میری شاخ ہے اور مجھ میں ہی داخل ہے''۔

خدا کی شان! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا کرنے کی توفیق بھی حضرت مولانا محمد علی صاحب ہی کو ملی جنہوں نے کئی سال کی محنت سے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شاخ ہیں اور ان میں داخل ہیں۔ یہ ترجمہ ۱۹۰۹ء میں آپ نے شروع کیا اور ۱۹۱۷ء میں انگلستان میں چھپ کر شائع ہوا۔ یہ ترجمہ اور مشکل مقامات کی تفسیر حضرت مولانا نورالدین صاحب اپنی بیماری کے ایام میں مولانا محمد علی صاحب سے سنتے رہے اور انہیں اس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ باوجودیکہ بیماری کی وجہ سے آپ

کا روزانہ درس قرآن بھی بند ہو چکا تھا اور ڈاکٹروں نے ہر قسم کی محنت سے منع کر رکھا تھا لیکن آپ کا عشقِ قرآن حضرت مولانا محمد علی صاحب کے ترجمہ کو سننے کے لئے آپ کو بیتاب رکھتا تھا۔ بقول حضرت مولانا محمد علی صاحب:

''وہ بہت بیمار تھے اور اس بیماری کی حالت میں بھی انتظار کرتے رہتے تھے کہ کب آئے گا محمد علی؟ اور جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہی نورالدین جو بہت بیمار تھا وہ ایک نوجوان کی طرح ہو جاتا ان کے عشقِ قرآن کا ہی نتیجہ وہ کام ہے جو میں نے خدمت قرآن کے رنگ میں کیا''۔ (پیغام صلح ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء)

اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے جو آپ کے معالج تھے مخاطب ہو کر فرمایا:

''مجھے مولوی صاحب نے بہت خوش کیا ہے۔ میرا دل باغ باغ ہو گیا ہے۔ انہوں نے یاجوج ماجوج اور اصحاب کہف، ذوالقرنین کی تحقیقات عجیب کی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا چھان مارے ہیں۔ کیا مسئلہ صاف کیا ہے۔ واہ! واہ!''۔۔۔۔

(پیغام صلح ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء)

اور ایک موقع پر حضرت مولوی محمد علی صاحب جب قرآن مجید کا ترجمہ سنانے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

''تو بیا کہ زندہ مانم'' (پیغام صلح ۲۶ فروری ۱۹۱۴ء)

اور جماعت کے ایک ملہم بزرگ سید عابد علی شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے یہ الہام ہوا کہ ''ترجمہ قرآن مقبول ہو گیا'' اس الہام کو سن کر حضرت مولانا نورالدین صاحب معہ حاضرین مجلس جناب الٰہی میں سربسجود ہو گئے۔

اس جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک رویا کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جس کو بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ رویا میں ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتایا گیا کہ:

''یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علی نے تالیف کیا ہے اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے''۔ (تذکرہ ص ۲۱۔۲۲)

گویا ایک پیشگوئی کے رنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا گیا کہ ایک تفسیر قرآن آپ کی جماعت میں سے ایک ایسا شخص تالیف کرے گا جس کے نام میں علی کا لفظ آتا ہے اور آپ کو دیئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی جماعت کو دی گئی۔

غرض یہ ترجمہ قرآن ہر رنگ میں قابل قدر ثابت ہوا۔ رویا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پہلے سے اس کی خبر دی گئی آپ کی خواہش کے مطابق یہ ترجمہ کیا گیا اور اس شخص کی طرف سے کیا گیا جو آپ کی شاخ ہے اور آپ ہی میں داخل ہے۔ پھر حضرت مولانا نورالدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس کو پسند کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اس کی قبولیت کی بھی خبر مل گئی۔

اور فی الواقعہ اس کی قبولیت ایسی ہوئی کہ کسی دوسرے ترجمہ یا تفسیر کو ایسی قبولیت حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان جو نور ایمان سے عاری ہو کر دہریہ بن چکے تھے۔ اس ترجمہ کو پڑھ کر ایمان لے آئے اور اسلام کے خادم بن گئے۔ کئی غیر مسلم اس کے مطالعہ سے اسلام کے آستانہ پر آ گرے۔ مثال کے طور پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا حسب ذیل بیان قابل غور ہے:

''مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمت اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ والے مولانا محمد علی صاحب بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے''۔ (اخبار ''سچ'' ۲۵ جون ۱۹۴۲ء)

الحاج حافظ غلام سرور صاحب جنہوں نے خود بھی قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ کیا تھا، لکھتے ہیں:

''پچھلے بتیس سال سے مولانا محمد علی صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن صرف ایک ہی کتاب نہیں ہے جو انہوں نے لکھی ہے مگر اس کی وجہ سے ان کا نام قرآن کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۱۹۱۷ء سے جب ترجمہ چھپا ہے اس کی

قدر و قیمت بڑھتی ہی جارہی ہے۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی اس معرکتہ آلارا تصنیف کا مقابلہ کرسکے''۔

یہ تو انگریزی ترجمہ کا حال ہے۔ اُردو ترجمہ اور تفسیر بھی جو بیان القرآن کے نام سے آپ نے تالیف کی ہر طرح مفید اور قابل قدر ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ مخالف علماء بھی اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے اپنے حلقوں میں درس دیتے اور حضرت مولانا کا نام لئے بغیر ان کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

ان تراجم و تفاسیر کے علاوہ حضرت مولانا نے ۱۹۱۹ء میں ایک تراجم قرآن فنڈ قائم کیا جس کے ماتحت مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کرا کر شائع کرنے کی بنیاد رکھی گئی چنانچہ اس وقت تک انگریزی ترجمہ کے علاوہ دو اور یورپین زبانوں (ڈچ اور جرمن) میں تراجم شائع ہو چکے ہیں اور چار ملکی زبانوں (تامل، بنگالی، گورمکھی اور سندھی) میں تراجم مکمل ہو چکے ہیں اور زیور طباعت سے آراستہ ہونے والے ہیں۔

تراجم قرآن کے علاوہ حضرت مولانا نے اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ایسا بیش بہا لٹریچر پیدا کیا جس کو پڑھ کر کوئی شخص جو حق کے ساتھ تھوڑا بہت لگاؤ رکھتا ہے۔ صداقت اسلام کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سیرت خیر البشر، محمدی دی پرافٹ، تاریخ خلافت راشدہ، دی ارلی کیلی فیٹ، جمع قرآن، مقام حدیث، فضل الباری ترجمہ صحیح بخاری، مینوئل آف حدیث، نیو ورلڈ آرڈر، دی لونگ تھاٹس آف دی ہولی پرافٹ، اسلام دی ریلیجن آف ہیومینٹی، دی ریلیجن آف اسلام آپ کے وہ شاہکار ہیں جن پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔ آخر الذکر کتاب ''دی ریلیجن آف اسلام'' پر ریویو کرتے ہوئے مشہور انگریز نومسلم مارماڈیوک پکتھال نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

''غالباً زندہ انسانوں میں سے کوئی ایسی ہستی موجود نہیں جس نے اسلام کی تجدید کے لئے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ طویل اور زیادہ قیمتی خدمات سرانجام دی ہوں۔۔ میری رائے میں ان کی موجودہ تصنیف بہترین شاہکار ہے''۔

اور تاریخ خلافت راشدہ کے متعلق مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے یہ لفظ لکھے ہیں:

''عین اس وقت جب کہ ہمارے علماء کرام فرقہ احمدیہ کو مرتد قرار دینے اور ان کے واجب القتل ہونے کے فتاوے صادر کرنے میں مصروف ہیں خدائے اسلام! انہیں مرتدوں سے اسلام کی وہ خدمت لے رہا ہے جس پر ہم سنی، حنفی، صحیح العقیدہ کلمہ گویان اسلام کو رشک کرنا چاہیے۔

عہد صحابہ کی تاریخ ہم تک کچھ ایسی پیچیدگیوں اور تاریکیوں سے گھر کر پہنچی ہے کہ اغیار تو الگ رہے خود اپنوں کے ذہن و قلب کو اس کے مطالعہ سے بجائے تشفی کے تشویش ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس امر کی ضرورت اور بہت سخت ضرورت تھی کہ کوئی شخص اس عہد مبارک کے واقعات سے الجھنوں کو دور کر کے انہیں سلیقہ و خوش اسلوبی کے ساتھ ایک مسلسل بیان کی صورت میں مُرتب کر کے پیش کرے۔

مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور پہلے شخص ہیں جن کے ہاتھ سے خدا نے اس اہم ضرورت کو پورا کرایا۔ ان کی تاریخ خلافت راشدہ محض واقعات و سنین کا ایک خشک و بے ربط مجموعہ نہیں بلکہ واقعات کے وجوہ اور نتائج کے اسباب کا ایک دلچسپ مربوط و مسلسل مرقع ہے۔ جس میں صحابہ کرام کی عظمت و مرتبت کے خط و خال تک پہچانے جاسکتے ہیں''۔

اس قسم کی بیسوں رائیں ہیں جو حضرت مولانا کے پیدا کردہ اسلامی لٹریچر کے متعلق فضلائے مشرق و مغرب نے لکھیں اور اس لٹریچر سے بے شمار قلوب نورِ ایمان سے منور ہوئے۔ فی الواقعہ وہ مجدد الدین تھا جس کے قلم سے اسلام کی بزرگی اور عظمت قائم ہوئی اور یہ علم آپ نے کہاں سے لیا؟ بیان القرآن کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں:

''بالآخر اس بات کا ظاہر کردینا ضروری ہے کہ گو قرآن شریف کی اس ناچیز خدمت میں مَیں نے سلف صالحین کی محنت سے بہت فائدہ اٹھایا ہے مگر میری زندگی میں جس شخص نے قرآن کریم کی محبت اور خدمت قرآن کا شوق پیدا کیا وہ اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں اور اس کے بعد فہم قرآن میں جس شخص نے مجھے اس راہ پر ڈالا وہ استاذی المکرّم حضرت مولوی نور الدین صاحب مرحوم ہیں۔ اگر کسی شخص کو میری اس ناچیز خدمت سے کچھ فائدہ پہنچے تو جہاں وہ میرے لئے دعا کرے ان بزرگوں کے لئے بھی دعا کرے۔ میں

محض مٹی ہوں اگر اس میں کچھ خوشبو کسی کو معلوم ہو تو وہ کسی اور کی پھونکی ہوئی رُوح ہے:

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان کتب کے علاوہ حضرت ممدوح نے سلسلہ احمدیہ کے مسائل خصوصی کے متعلق بھی کئی کتابیں لکھیں جن میں سے النبوۃ فی الاسلام، وفات مسیح، نزول مسیح، تحریک احمدیت اور ردّ تکفیر اہل قبلہ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں اور قادیانی معتقدات کی تردید میں کئی رسالے اور پمفلٹ تصنیف فرمائے۔

آپ کی یہ عظیم الشان قلمی خدمات اس روحانی قلم کا نتیجہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی معرفت رویا میں آپ کو مرحمت فرمایا گیا جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں فرمایا ہے:

''میں نے دیکھا کہ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم آرہے ہیں۔ان کے ساتھ مصافحہ کیا اور السلام علیکم کہا۔مولوی صاحب مرحوم نے ایک چیز نکال کر مجھے بطور تحفہ دی اور کہا کہ بشپ جو پادریوں کا افسر ہے وہ بھی اسی سے کام چلاتا ہے۔وہ چیز اس طرح سے ہے جیسا کہ خرگوش ہوتا ہے۔بادامی رنگ اس کے آگے ایک بڑی نالی لگی ہوئی ہے اور نالی کے آگے قلم لگا ہوا ہے۔اس نالی میں ہوا بھر جاتی ہے جس سے وہ قلم بغیر محنت کے بآسانی چلنے لگتا ہے۔میں نے کہا میں نے یہ قلم نہیں منگوایا۔مولوی صاحب نے فرمایا کہ مولوی محمد علی صاحب نے منگوایا ہوگا۔میں نے کہا اچھا میں مولوی صاحب کو دے دوں گا۔اس کے بعد بیداری ہوگئی فرمایا:

''کہ قلم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں ایسی طاقت پیدا کردے کہ وہ مخالفوں کے ردّ میں اعلیٰ مضامین لکھیں۔واللہ اعلم بالصواب۔'' (تذکرہ صفحہ ۶۵۵)

قارئین نے دیکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ رویا کس قدر سچا ثابت ہوا اور مولانا محمد علی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مخالفین کے رد اور تائید اسلام میں کس قدر اعلیٰ مضامین لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔

یہ تو ہیں آپ کی قلمی خدمات جن پر جماعت احمدیہ لاہور جس قدر فخر کرے بجا ہے۔جہاں تک آپ کے زہد و تقویٰ اور عبادت گذاری کا تعلق ہے اس کا حال آپ کے برادر نسبتی میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کی زبان سے سن لیجئے وہ لکھتے ہیں:

''ڈلہوزی میں جس حصہ مکان میں میں نچلی منزل پر سوتا تھا اس کے اوپر وہ جگہ تھی، جہاں حضرت مولانا پچھلی رات تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔میں نوجوانی کی نیند میں بے ہوش سوتا تھا مگر پھر بھی جب کبھی پچھلی رات آنکھ کھلتی تو پہاڑ کی رات کی خاموشی اور اس جنگل میں جہاں یہ کوٹھی تھی بالکل سناٹا ہوتا تھا اور حضرت کی گریہ و زاری کی آواز لکڑی کی چھت سے گذر کر میرے کانوں تک پہنچتی تھی اور میں حیران ہوتا تھا کہ یہ شخص جو دن کو اس اطمینان کا مالک ہے اور ہر وقت ہنستا اور مسکراتا رہتا ہے اس کے دل میں اشاعت اسلام اور اس کی مشکلات کے احساس نے کیا آگ لگا رکھی ہے کہ راتوں کی نینداس پر حرام ہے اور وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتا ہے اور مصیبت زدہ کی طرح گریہ وزاری کرتا ہے۔بعد میں جب کوئی بیس سال اور گذر گئے اور حضرت مولانا کی روحانیت ترقی۔۔۔کرتی کرتی نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تو وفات سے ایک دوسال پہلے حضرت مولانا کے موسم گرما کے قیام میرے مکان واقع کراچی میں ہوئے۔گرمیوں کی راتوں میں اندر حبس ہوتا تھا اس لئے پچھلی رات کی خاموشی میں حضرت باہر چبوترے پر نماز تہجد ادا کرتے تھے۔اوپر کی منزل میں میں سوتا تھا۔پچھلی رات کبھی آنکھ کھلتی تو حضرت کے تہجد پڑھنے کی آواز کان میں آئی۔اب رنگ کچھ اور ہو چکا تھا گریہ وزاری بجائے عام طرز کے اب ایک عجیب طرز اختیار کر چکی تھی، اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کسی اور عالم اور کسی اور دنیا میں ہے۔اور جنت کے پرندے کی طرح الاپ رہا ہے۔کیا الفاظ تھے یا کیا دعائیں تھیں یہ میری سمجھ میں نہ آئیں مگر جس طرح باغ میں ایک پرند سریلی آواز میں الاپ رہا ہوتا ہے اس طرح دنیا و مافیہا سے غافل یہ انسان ایک اور عالم کی جنت میں ایک خوبصورت پرند کی طرح خدا کی حمد و تسبیح میں لگا ہوتا تھا''۔

''حضرت مولانا کی نماز ایسی خوبصورت ہوتی تھی یعنی ہاتھ باندھنا سر جھکانا اور رکوع و سجود کو ادا کرنا ایسا خوبصورت، پُر ادب اور پُر اثر ہوتا تھا کہ انسان کا دل چاہتا تھا کہ دیکھتا چلا جائے۔آخری دوسالوں میں حضرت مولانا میرے ہاں رہے اور سجدے سے جب سر اٹھاتے تو چہرہ پر ایک روشنی اور نور جھلک رہا ہوتا تھا جس کا

ذکر قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہے:

''سیما ھم فی وجوھم من اثر السجود (ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہیں)

حضرت مولانا کے عشق قرآن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک عرصہ لاہور میں اور پہاڑوں پر خود درس قرآن کئی کئی رنگ میں دیتے تھے۔ گھر میں بچوں اور مستورات کو قرآن کی تعلیم اور درس دیتے تھے۔ انگریزی اُردو تراجم اور تفاسیر کے پروف تک خود پڑھتے تھے اور تصحیح کرتے تھے۔ سفر میں جاتے ہوئے تو میں نے خود دیکھا ہے کہ اور لوگ جہاں دوسری کتابیں ساتھ رکھتے ہیں حضرت مولانا کے اٹیچی کیس میں قرآن کریم ہوتا تھا جسے ریل میں فراغت کا وقت پاکر پڑھتے رہتے تھے غرضیکہ قرآن کے پڑھنے اور پڑھانے سے تھکتے نہ تھے۔ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو دل کے درد کی وجہ سے ڈاکٹر نے مارفیا کا ٹیکہ لگا دیا تھا مگر مارفیا کی بے ہوشی بھی اس تہجد گذار و شب بیدار انسان کو سُلا نہ سکی، پچھلی رات مجھے طلب فرمایا اور کہا مجھے قرآن سناؤ۔ بجلی کی بتی ہم نے اس لئے نہ جلائی کہ شاید سو جائیں اس لئے ٹارچ کی روشنی میں میں قرآن پڑھتا رہا۔ پڑھنے میں کبھی غلطی ہو جائے تو اس بے ہوشی کی حالت میں بھی میری اصلاح فرما دیتے تھے۔ تیسرے پہر کو مجھے دفتر کے کام کاج سے فراغت ہوتی اور میں آپ کے پاس جاتا تو فرماتے کہ کچھ قرآن سنا دو، غرض اس شخص کو قرآن سے عشق تھا۔

۲۹ ستمبر ۱۹۵۰ء کو حالت بہت خراب ہوگئی، نبض فیل ہو رہی تھی، ڈاکٹر نے مجھے کہا کہ آج آپ دفتر نہ جائیں کیونکہ معلوم نہیں کب حرکت قلب بند ہو جائے۔ حضرت ایک بے ہوشی کی حالت میں تھے اس میں ہی مجھے طلب کیا اور کچھ کہا، مگر آواز اس قدر کمزور تھی کہ مجھے سنائی نہ دیا تو میں نے بالآخر اپنا کان حضرت کے منہ سے لگا دیا تو مہین و کمزور آواز کان میں پڑی اور وہ کیا تھی۔ انہیں علم تھا کہ ان کی حالت خطرناک ہے مگر کیا اپنے بیوی بچوں کی فکر تھی؟ کسی جائیداد یا روپے کا ذکر کیا؟ یا کسی اور دنیا کے فکر کا اظہار کیا؟ نہیں! کہا تو یہ کہا کہ:

''ہمارا کام قرآن کو دنیا میں پہنچا دینا ہے آگے قرآن اپنا کام خود کرے گا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک سال اور دے دیا اور اگلے سال ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق ۱۰ محرم الحرام کو اس مجاہد فی سبیل اللہ نے کراچی میں میاں نصیر احمد صاحب فاروقی کے مکان پر خدمت قرآن میں ہی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ اناللہ و انا الیہ راجعون

آپ کا جنازہ دوسرے دن لاہور لایا گیا۔ جماعت کے کثیر افراد دور و نزدیک سے جنازہ میں شرکت کے لئے لاہور آئے، مسجد احمدیہ بلڈنگ میں مولانا عزیز بخش صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور نہایت غم و الم کے ساتھ انجمن کے قبرستان واقعہ میانی صاحب میں آپ کے جسم اطہر کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اس مقدس انسان کے مراتب زیادہ سے زیادہ بلند کرے اور اس کی پاک خواہشات کو تکمیل تک پہنچائے۔

آخر میں آپ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اور الہامی ارشاد بھی قابل اندراج ہے، رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے لئے تحریک کرتے ہوئے آپ نے لکھا تھا کہ:

''جو کوئی میری موجودگی میں اور میری زندگی میں میری منشاء کے مطابق میری اغراض میں مدد دے گا میں امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت میں بھی میرے ساتھ ہوگا''۔

حضرت مولانا نے نہ صرف آپ کی موجودگی میں اور آپ کی زندگی میں آپ کی منشاء کے مطابق آپ کی اغراض میں امداد کی بلکہ آپ کے بعد بھی آپ کی منشاء اور مشن پورا کیا اور حضرت کو پیشتر سے ایک رؤیا دکھایا گیا جس کا ذکر آپ نے یوں فرمایا ہے:

''مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں دیکھا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادہ رکھتے تھے، آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ''۔ (اخبار ''بدر'' جلد ۳ نمبر ۲۹)

یہ عالم آخرت کا نظارہ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کو عالم آخرت میں خدا کے اس مسیح کی معیت حاصل ہے۔ جس کے مشن کو پورا کرنے کے لئے زندگی بھر آپ کام کرتے رہے۔

☆☆☆☆

ترتیب وتدوین: ناصراحمد

حضرت مولانا محمد علی صاحب

کے انگریزی اور اُردو ترجمۃ القرآن کے بارے میں مزید تبصرے

پروفیسر محمد اقبال انصاری

اگرچہ ہندوستان و پاکستان کے متعدد علماء نے قرآن مجید کے ترجمے کئے ہیں۔ اس پر حواشی لکھے ہیں اور اس کی تفسیریں بھی لکھی ہیں مگر یہ امتیاز، محمد علی، صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے بعد سے اب تک صرف مولانا عبدالماجد دریابادی (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۷۷ء) ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ بھی کیا اور مکمل تفسیر بھی لکھی۔۔۔

محمد علی لاہوری نے جو انگریزی ترجمہ قرآن مجید حواشی کے ساتھ کیا تھا وہ ایک زمانہ میں کافی مقبول رہا کیونکہ اس وقت ہندوستانی مسلمان کا کیا ہوا کوئی اور قابل ذکر ترجمہ موجود نہ تھا بجز مرزا ابوالفضل کے ایک ترجمہ کے جو بغیر اصلی عربی عبارت کے تھا اور نہ صرف یہ کہ گمنام رہا بلکہ عقائد اسلام کی عجیب اور دور از کار تشریحوں کی بنا پر کافی بدنام بھی رہا۔ مولانا (عبدالماجد دریابادی) نے اپنے دور الحاد میں محمد علی لاہوری کے ترجمہ کا بغور مطالعہ کیا اور اس سے ان کو کافی نفع بھی پہنچا اور جن کتابوں کا مطالعہ ان کو الحاد سے اسلام کی طرف لایا اس میں اس ترجمہ کو بھی خاص دخل تھا۔ مترجم کے اس احسان کو مولانا نے ہمیشہ یاد رکھا اور اپنی تحریروں میں متعدد بار اس کا ذکر بھی کیا'' (پروفیسر محمد اقبال انصاری، سابق صدر شعبہ اسلامیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، (علی گڑھ: ماہنامہ، فاران، لاہور جنوری ۱۹۹۰ء)

مولانا محمد علی جوہر

میرے پیارے مرزا یعقوب بیگ

السلام علیکم

اس خط کو دلی معذرت کے ساتھ شروع کرتا ہوں کہ میرے اور شوکت (علی) دونوں کے لیے آپ کے مرسلہ گراں بہا تحائف کی وصولی کی اطلاع دینے میں خاصی تاخیر ہوئی ہے۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں ہمارے لئے اس بیش بہا انگریزی ترجمۃ القرآن سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مترجم اور مفسر میرے نہایت ہی لائق احترام (میرے ہم نام) مولانا محمد علی صاحب ہیں۔

''اسلامک ریویو'' جس سے ہمارے خواجہ کمال الدین کے یورپ میں تبلیغ اسلام کی حسین یادیں وابستہ ہیں، میں میں نے اس انگریزی ترجمے کے نمونے کے صفحات دیکھے تو جی بے اختیار چاہا کہ یہ اعلان بھی نظر پڑے کہ یہ گوہر ہائے تابدار ہندوستان بلکہ انگلستان میں بھی دستیاب ہے۔

چنانچہ جونہی ملکی اخباروں میں وہ اعلان ہوا جس کی مجھے بیتابی سے انتظار چلی آرہی تھی میں نے شوکت کو تاکیداً کہا کہ آپ کو فوراً خط بھیجے کہ ہمارے لئے دو جلدیں بذریعہ وی پی بجھوا دیں۔ وہ خط لکھنے ہی کو تھا کہ جمعہ کے دن دیدہ زیب طبع اور مجلد سے مزین دو نسخہ وفا ہمیں مل گئے۔ شوکت تھوڑی ہی دیر پہلے مسجد جا چکا تھا۔ اس لئے اسے اور دیگر مسلمانوں کو دکھلانے کے لئے اپنے ساتھ مسجد لے گیا۔ یقین جانئے کہ جو مسرت اور راحت آپ کے مرسلہ تحفہ سے ہوئی وہ اور کسی طرح ممکن نہ تھی۔ شکرگذاری کا خط تو میں اسی دن لکھ دیتا مگر چونکہ آپ ہی کا اصرار ہے کہ آپ کو اپنا تبصرہ بھی بجھوائیں اس لئے میں نے رسیدگی کی اطلاع کسی اور دن پر اٹھا رکھا۔ بدقسمتی سے میں ایک بار پھر تپ میں مبتلا ہوں۔ اگر میں صحت یابی کا انتظار کرتا ہوں کہ آپ کی فرمائش پوری کروں تو آپ کو ایک لمبی مدت انتظار کرنا پڑے گا کیونکہ مجھے ترجمہ اور حواشی کو پڑھنا ہوگا۔ مگر چونکہ میں اس وقت پھر ایک دفعہ بخار کی وجہ سے بستر پر ہوں اور اب اگر میں اس انتظار میں رہوں کہ سارا ترجمہ اور حواشی پڑھ لوں تو شاید آپ کو بہت لمبا انتظار کرنا پڑے۔ سو اس خط کو ان کتابوں کی وصول یابی کی اطلاع میں تاخیر کا معذرت نامہ سمجھ لیں اور کچھ ہمارے دلی جذبات تشکر کے اظہار کا ذریعہ بھی۔

بایں ہمہ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں اس حقیقت کا اظہار کردوں جو میں نے

اس کتاب کی ظاہری شکل، خوبصورت چھپائی، نہایت عمدہ انڈیا پیپر، سبز دبیز مرا کو بائنڈنگ اور متعدد خوبصورت طغروں کو دیکھ کر قائم کی ہے اور یہ سب کچھ ان لوگوں کی محبت اور عقیدت کا مظہر ہیں جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور جو احترام ہر زمانے اور ہر ملک میں اس عظیم ترین کتاب کے لئے وہ محسوس کرتے ہیں۔

ان معاملات میں کسی حد تک میں ایک مبصر اور نقاد کا درجہ رکھنے پر فخر محسوس کرتا ہوں (جیسا کہ شاید آپ جانتے ہوں) اور ساتھ ہی بلاشبہ مجھے اس عظیم کتاب سے بے پناہ محبت اور عقیدت بھی ہے۔ اس لئے میں نے اس ایڈیشن کو گہری تنقیدی بلکہ حاسدانہ نظر سے پرکھا ہے۔ آپ کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ مجھے اس سے تسلی ہوئی ہے۔ یہ ایک خالی خولی تعریف نہیں بلکہ یہ ایک بہت ہی ناقد شخص کا کسی کی محبت اور چاہت کا کھلے دل سے اعتراف ہے جس کے متعلق خود اس کے دل میں بے پناہ محبت اور عقیدت ہے ترجمہ زیادہ موٹے کاغذ اور زیادہ سخت گتے اور چمڑہ سے مجلد ہے اور وہ بھی بہت ہی اچھا ہے۔ دونوں کی ضرورت تھی۔

جہاں تک مندرجات کا تعلق ہے تو میں نے دیباچہ کو اور کہیں کہیں سے متعدد سورتوں کے شروع کے تعارفی حواشی کو پڑھا ہے اور مختلف رکوعوں کے عنوانوں پر اور انڈکس پر بھی طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ میں نے کتاب کے مندرجات کی ترتیب کو بے حد قابل تعریف پایا ہے۔ جہاں تک انگریزی ترجمہ کا تعلق ہے اور جہاں تک میں نے پڑھا ہے مجھے اس کے دل نشیں اسلوب، صحت، اور عربی عبارت سے مطابقت نے بہت متاثر کیا ہے اور یہ ایک سچے مومن کے دل میں خدا کے کلام کی تعظیم کی علامت ہے۔ میں ایسی عظیم المرتبت کتابوں کو آرام آرام سے پڑھنے کا عادی ہوں اور مجھے مکمل طور پر اس کتاب کو پڑھنے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔ مگر میں عربی کے عالم یا ماہر دینیات کا دعوے دار نہیں ہوں اور میں جس رائے کا بھی اظہار کروں گا یہ ایک عام آدمی کی رائے ہوگی۔ چاہے جو بھی اس کی وقعت و قیمت ہو۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ یہ عظیم کارنامہ انجام پا چکا ہے اور اب کم از کم ایک یورپین زبان میں ایک سچے مومن کا کیا ہوا ترجمہ وجود میں آ گیا ہے نہ کہ کسی تمسخر و استہزا کرنے والے کا۔ ایسا مومن جو کہ اس کتاب کے ہر لفظ کو خدا کے منہ سے نکلا ہوا کلام سمجھتا ہے۔ ہر لفظ کو حق اور نور سے بھرا ہوا، ہر لفظ کو گذشتہ اور بعد میں آنے والے واقعات کا مصدق، ہر لفظ کو آسانی سے دل میں اترنے والا سمجھتا ہے اور یہ ان لوگوں کی طرح کا ترجمہ نہیں جن کا واحد مقصد یورپ کے سامنے اس مقدس کتاب کو ایک جھوٹے نبی کے کلام کا لبادہ اوڑھے ایک جاہل رجز خواں کے افترا کے طور پر پیش کرنا ہوتا ہے۔ اور جو کوشش کرتے ہیں کہ ایسے نبی کو ایک عیاش، ترغیبات کا دلدادہ، مہم جو، طالع ثابت کریں۔ دونوں میں فرق ہر صفحہ پر ظاہر ہے اور مجھے امید ہے کہ یورپ اس بات کا نوٹس لینے میں دیر نہیں کرے گا۔ یقین جانیئے کہ اس جنگ کے بعد یورپ ایک بدلا ہوا یورپ ہوگا۔ اور ان لوگوں کو جو اس کے طور طریقوں، رجحانات اور سوچ کے انداز کو سمجھتے ہیں، اس بات کی علامتیں اب ظاہر ہو رہی ہیں کہ ایک بہت بڑے پیمانے پر اس کے ماضی کے مذہبی خیالات اور تصورات کے بارے میں بیزاری منصۂ شہود پر آئے گی۔ عیسائیت یا اس کی وہ تعبیر جو کہ مختلف نام نہاد قومی چرچ کرتے ہیں اس قیامت خیز جنگ کو نہیں روک سکی اور نہ ہی مسیحؑ کا ''پہاڑی وعظ'' ان سختیوں اور تلخیوں کو کم کر سکا جو کہ عام طور پر جنگ سے جدا نہیں کی جاسکتیں۔ اور زیادہ معنی خیز بات یہ ہے کہ جنگ میں شریک عیسائی ملک کے چرچ نے اپنے اپنے قومی جھنڈے کو دعا کے ذریعہ برکت دی اور یسوع مسیحؑ سے درخواست کی کہ وہ ملک کو ''اس نیک مقصد'' کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں کامیابی حاصل کرنے میں مدد فرماویں۔

یہ باتیں انسان کے دل کو ہلا دیتی ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ عیسائیت کا حصہ ہے۔ کیا یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم ہے؟ کیا کروڑوں تعلیم یافتہ یورپین ایک ایسے مذہب سے جس کی اتنی مختلف اور بظاہر مبہم تعبیریں رہیں ہیں مطمئن رہ سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں مجھے ایسی ہزاروں علامتیں نظر آ رہی ہیں کہ عیسائی یورپ جنگ کے معاً بعد دوبارہ اپنے چرچوں، ان کے مسالک اور سوچ پر نظر ثانی کرے گا اور اس کے نتیجہ میں ایسی زبردست روحانی تبدیلی آئے گی جس کے نتیجہ میں ایسی گھمبیر سیاسی تغیرات ہوں گے جو اس کے مقابلہ میں غیر اہم نظر آئیں گے۔ ''کامریڈ'' کی ایک اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے میں کہوں گا کہ یورپ کی روحانی سوچ پہلے ہی ''بندرگاہ کی طرف بہتی بہتی'' آ رہی ہے۔ اگر ہم مسلمانوں کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے (جیسا کہ قرآن میں متعدد بار ہمیں بتایا گیا ہے) تو ہمیں یورپ کی اس کشتی کی رہنمائی کر کے اسلام کی محفوظ گودی میں پہنچانا ہوگا جہاں مختلف قوموں کے

اپنے اپنے کلیساؤں کا وجود اسی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا جیسا کہ پرانے زمانے کے غیر متمدن قبیلوں کے جداگانہ خداؤں کا اور جہاں پر کالے گورے اور رنگ کی کوئی تفریق نہ ہوگی۔۔۔۔ بلکہ ایک ہی ملت ہوگی جو کہ خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کرے گی۔ جہاں نہ نواب ہوں گے نہ اشراف نہ سرمایہ دار نہ مزدور بلکہ ہر کوئی ایک خدا کا خادم ہوگا۔ جہاں نہ بادشاہت ہوگی نہ اشرافیت حتیٰ کہ جمہوریت بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ ایک ہمہ جہت ''تھیوکریسی'' (مذہبی حکومت) جہاں نہ تو محصولات کے تعین پر لڑائیاں ہوں گی نہ ہی سیاسی حلقہ ہائے اثر و مفادات ہوں گے اور نہ ہی لیگ آف نیشنز کے زیر انتظام علاقے۔۔۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی عالمگیر بادشاہی ہوگی۔۔۔ ایک عالمگیر سلطنت جہاں پروہی شہنشاہ اور پوپ اور پارلیمنٹ اور سب کچھ ہوگا۔ جہاں اسلام کا سرمدی امن ہوگا یعنی آزاد روحوں کے ایک مقدس مقصد کے آگے سرنگوں ہو جانا اور جاگتے، سوتے، بیٹھے، کھڑے، لیٹے، صرف خدا کی ابدی ورضا کارانہ خدمت۔

یقین جانئے کہ یہ کسی ایسے شخص کا ہزیانی اظہار نہیں ہے جس کا ذہن مسلسل دین سال ایک ویرانے میں قید کی وجہ سے توازن کھو بیٹھا ہو۔ اس کے نتیجے میں میرا ذہن رغبت اور نفرت سے آزاد ہو چکا ہے اور اس لئے میرا ذہن اس وقت اس تنہائی میں خود اپنے وسائل پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔ مسلسل غور و خوض کی اپنی جولانیاں ہوتی ہیں۔۔۔ ایک تماشائی کی طرح۔۔۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ کھیل کا بیشتر نظارہ کر سکتا ہے۔۔۔ میں نے یورپ اور ایشیاء کا تماشا غیر جانبدار ہو کر دیکھا ہے جو صحیح رائے قائم کرنے کے لئے ایسا ہونا ضروری ہے۔ بغیر کسی رجائی تعصب کے میں صاف صاف دیکھتا ہوں کہ دنیا کے مستقبل کے ہجے ''اس ل ام'' ہونگے۔ اقبال نے دس سال پہلے غالباً یہ نظارہ دیکھ لیا تھا ابھی پانچ سال بھی نہیں ہوئے کہ اس کے آثار نظر آنے شروع ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے منفرد انداز میں اس کو یوں بیان کیا تھا:۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

خوب! یہ انگریزی ترجمۃ القرآن جو کائنات کے واحد و یگانہ خالق کی خدمت بجالانے کا ہدایت نامہ ہے، یہ تیاری ہے اس زبردست انقلاب کے لئے جو مابعد جنگ دنیا میں آنے والا ہے۔۔۔ اگر میں موجودہ حالت سے زندہ بچ نکلا تو میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بطور ایک حقیر خادم کے طور پر قبول فرمائے اور میں دنیا میں گھوم پھر کر اسلام کے قیمتی اثاثے کو اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل کر بانٹوں اور دنیا میں پکاروں کہ اگر ہم اپنے تن من دھن الغرض جو کچھ بھی ہمارا ہے خدا کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ پیارے خواجہ صاحب تو پہلے ہی سابقون الاولون میں شامل ہو چکے ہیں۔ اب میرے لئے یہ شرف کا مقام ہے کہ میں ان کے نقش قدم پر چل سکوں۔ اس عظیم امنگ نے دوسری چھوٹی موٹی اُمنگوں اور تمناؤں کو نگل لیا ہے۔۔۔ اب تو مجھے صرف موقع کا انتظار ہے۔ اب بھی میں یہاں محدود طریق پر اپنا واضح فرض ادا کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتا اور گذشتہ دو سال سے ربیع الاوّل کے مقدس ماہ میں حضور صلعم کی زندگی اور تعلیمات پر مقامی مجلسوں میں لیکچر دیتا چلا آرہا ہوں۔ مگر ایک ''پابرکاب واعظ'' کا ''والہانہ جوش'' (ایک ایسی اصطلاح جو کہ شاعر سے زیادہ سچے واعظ پر صادق آتی ہے) کو ایک وسیع تر میدان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگرچہ مجھے صرف مہذب حاضرین ہی نہیں چاہئیں۔۔۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے ایک ''مشنری تنظیم'' کے رکھ رکھاؤ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

اسلام انہی لوگوں کے ذریعہ پھیلا تھا جن میں ''باطنی جذبہ'' انگڑائیاں لیتا تھا نہ کہ کسی باقاعدہ تنظیم کے سہارے! میں نہیں جانتا کہ میں حیات و ممات کی جنگ سے بچ نکلوں گا۔ کیونکہ میری بیماری نے میری قوت کو نہایت کمزوری کی حالت تک پہنچا دیا ہے چنانچہ اب بیماری بار بار لوٹ کر حملہ آور ہو رہی ہے اور یہ سب انجام کو قریب لانے کے آثار ہیں! مگر خواہ میں بچ نکلوں یا نہ، خدا جو ہمیں ہماری نیتوں سے پرکھتا ہے۔ نیتیں جو ہم اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں باندھتے ہیں اور ان اعمال سے بھی پرکھتا ہے جو لوگوں کی نظروں کے سامنے کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ میرے اس محکم اور پرخلوص ارادے کی صحیح قدر و منزلت کرے گا۔

میری دعا ہے کہ اس کا اجر کم از کم ایک دن کے گناہوں کی تلافی کر سکے گی۔ ویسے تو میری زندگی کے روز و شب زیادہ ہی گناہوں اور اسراف میں ضائع ہوئے۔ اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا! اگر آپ مولوی محمد علی سے ملیں تو میرا شکریہ ادا کر دیں، ایک ایسے مسلمان کا شکریہ جو ان کی مخلص اور بار آور کاوشوں

کو فخریہ نظر سے دیکھتا ہے اور جسے یہ عزت و شرف بھی حاصل ہے کہ وہ ایک ایسے مشترکہ نام (محمد علی) کا حامل ہے جو کہ تمام دنیا کے سب سے محبوب ناموں میں سے ہے۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است!

اگر ہمارے مجاہد بھائی خواجہ (کمال الدین) کو خط لکھیں تو میری طرف سے ان کی الجھی ہوئی داڑھی پر بوسے برسائیں۔ میری اور شوکت کی طرف سے آپ کو بہت بہت سلام!

آپ کا مخلص اور مشکور

محمد علی (جوہر)

چندواڑہ۔ سی پی، انڈیا۔ ۲۴ فروری ۱۹۱۸ء

نوٹ:۔ ضمناً مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو میری طرف سے ایک تجویز پیش کریں کہ اگلے ایڈیشن میں انہیں چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ابتدائی دور کی جامع لیکن مختصر تاریخ جو خالصتاً قرآن کریم کی آیات سے اخذ کی گئی ہو شامل کریں۔ اس کے علاوہ قرآن میں بیان کردہ قصوں کا خلاصہ اور ان سے متعلق جغرافیائی پس منظر پر حواشی بھی شامل کریں۔

ماہنامہ ’’ڈائجسٹ کراچی‘‘ مارچ 1996ء

ماہنامہ ’’اسلامی ڈائجسٹ‘‘ کراچی نے اپنے شمارہ مارچ ۹۶ء میں ’’تشریح القرآن‘‘ کے عنوان سے قرآن مجید کے بارے میں نہایت علمی مضامین اور قرآن مجید کے اردو اور انگریزی ترجمہ کا سلسلہ شروع کیا ہے جو ایک قابل قدر کوشش ہے۔ اس میں قدیم اور جدید معروف قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا غیر جانبدارانہ تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر ’’بیان القرآن‘‘ کے متعلق اس میں جو تبصرہ کیا گیا ہے اس کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

’’مولوی محمد علی صاحب کی یہ تفسیر علامہ عبداللہ یوسف علی کی تفسیر سے سترہ سال قبل ۱۹۱۷ء میں شائع ہو چکی تھی۔ اسی لئے علامہ صاحب نے اپنی تفسیر کے دیباچے میں انگریزی زبان کی دوسری تفاسیر کے علاوہ اس تفسیر کا بھی تعریفی انداز میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: ’’انجمن احمدیہ لاہور نے مولوی محمد علی کی تفسیر مع ترجمہ شائع کی ہے، جو اتنی مقبول ہوئی ہے کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ یہ ایک محققانہ اور فاضلانہ کام ہے۔ تفسیری و تشریحی مواد بہت مناسب و کافی ہے اور آخر میں جو اشاریہ شامل کیا ہے، وہ بہت جامع ہے۔‘‘ مولوی صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں خلاصہ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تعلق کن سورتوں اور آیتوں سے ہے، اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخ نزول اور ترتیب نزول آیات پر بحث کرتے ہیں۔

ربط و تعلق کے ضمن میں تین قسم کے ربط و تعلق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اول آیات کا باہمی تعلق، دوم رکوعوں کا باہمی تعلق اور سوم سورتوں کا باہمی تعلق۔ انگریزی تفسیر و ترجمہ کے پانچ سال بعد اردو تفسیر و ترجمہ بھی ’’بیان القرآن‘‘ کے نام سے شائع ہوا لیکن چونکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر کا بھی یہی نام ہے اور شہرت عام بھی اس کے حصے میں آئی، اس لئے یہ تفسیر مولوی محمد علی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صالحہ اس تفسیر و ترجمہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں: ’’ترجمہ سلیس ہوتے ہوئے بھی ادبی متانت لئے ہوئے ہے۔ لسانی حیثیت سے فصاحت اور شستگی ہے۔ معنوی لحاظ سے کئی لوگوں کو ان کے عقائد اور خیالات کی وجہ سے ان کے ترجمہ و تفسیر پر اعتراض ہے۔ دراصل وہ جماعت احمدیہ، لاہوری گروپ کے امیر تھے، اس کے باوجود ہمارے خیال میں ان کا ترجمہ و تفسیر ’’غلط عقائد‘‘ کی ترجمانی سے تقریباً خالی ہے۔ انہوں نے بہت محتاط ہو کر، بڑے خلوص سے اور رائے عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ لکھا ہے۔ نص قرآن اور ترتیب الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود ترجمے میں روانی اور تسلسل قائم ہے‘‘ (یاد رہے کہ ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان کے فیصلے کے تحت قادیانی گروپ کے ساتھ ہی لاہوری گروپ کے لوگ بھی غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں)۔‘‘

صفدر حسن صدیقی

’’قرآن اور انسان‘‘ کے نام سے محترم صفدر حسن صدیقی صاحب نے ایک نہایت خوبصورت کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مصنف نے نہایت قابلیت سے قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ زندگی کے مختلف مسائل اور نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس تصنیف کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ

قرآن مجید کی آیات کی ترتیب اس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مسئلہ پر گویا ایک مسلسل مضمون ہے۔

قرآن مجید کی آیات کا اردو ترجمہ جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کے اردو ترجمۃ القرآن سے لیا گیا ہے۔ مصنف نے دیباچہ میں حضرت مولانا کے اردو ترجمہ کے متعلق ذیل کی رائے کا اظہار کیا ہے:

''آیات کا ترجمہ زیادہ تر مولانا محمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن سے حاصل کیا گیا ہے کیوں کہ وہ قرآن مجید کا بڑی حد تک لفظی ہے، ترجمانی نہیں اور اس وجہ سے یہ مشیت ایزدی کو اردو زبان میں زیادہ بہتر طور پر بیان کرتا ہے'' (ص ۲۹)۔ قیمت ۴۰۰ روپے کتاب فیروز سنز، مال روڈ، لاہور نے شائع کی ہے۔ کتاب کی جس خوبی کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کی وضاحت ذیل کے چند عنوان، قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور مصنف کے تشریحی نوٹ سے لگایا جا سکتا ہے:

محمدؐ خاتم النبیین (آخری نبی):

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے (سلسلے کے) ختم کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے'' (۳۳:۴۰) یعنی ان کے بعد سلسلہ نبوت ورسالت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے اور آپ اللہ کی طرف سے آخری نبی ہیں۔

(یہ خیال جو لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نبی اللہ آنحضرت صلعم کے بعد واپس آئیں گے یہ قرآن کی اس نص صریح کے خلاف ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ایک روشن چراغ تھے جنہوں نے ایک ضرورت کے وقت صرف بنی اسرائیل کے ایک گھرانے کو روشن کیا۔ (ص ص ۱۹۳، ۱۹۴)۔

معراج

''وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو پاک مسجد سے دور والی مسجد کی طرف لے گیا جس کے اردگرد ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے'' (۱۷:۱) (معراج نبوی جسد عنصری سے نہیں بلکہ ان کی اپنی روح کے ساتھ تھا۔ اس حالت میں معراج ہوا جبکہ آپ کا قلب دیکھتا تھا۔ انسان کا مادی جسم تو فانی ہے مگر اس کی روح اور جان لافانی ہے۔)

قرآن کا ہر حصہ گواہ ہے جب وہ اترتا ہے۔ تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ وہ بہکا ہے۔ اور نہ وہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔ یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ اسے مضبوط قوتوں والے نے سکھایا ہے۔ حکمت والے نے سو وہ اعتدال پر قائم ہوا۔ اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے۔ پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ کمانوں کا اندازہ ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب۔ سو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں کہا۔ تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے۔ اور یقیناً اس نے اپنے آپ کو ایک اور نزول میں دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس جنت ہے جو اصل ٹھکانا ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی آیات (نشانیوں) کو دیکھا۔''

(۵۳:۱-۱۸)

(سدرہ سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کر سکتا۔ اور آپ کا علم ایسا کامل ہوا کہ قیامت تک اب کوئی ترقی عملی اس کو باطل نہیں کر سکتی۔ اور یوں علم اور عمل دونوں کے لحاظ سے آنحضرتؐ کی وہ تکمیل کی گئی جس سے آگے انسان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ آپ کو وہ کمال حاصل ہوا جو دوسرے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا) (ص ص ۱۳۵، ۱۳۶)

جہاد فی سبیل اللہ

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کی طرح ٹھہرایا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں وہ مردار نہیں۔ اور اللہ ظالم قوم (لوگوں) کو ہدایت نہیں دیتا (یعنی مذہبی رسوم اور ظواہر کی پیروی جہاد کے جاں گسل عمل کے برابر نہیں ہو سکتی)۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی بامراد ہوں گے۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت کی اور رضا کی اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے۔ ان کے لئے ان میں ہمیشہ رہنے والی

نعمتیں ہوں گی۔ انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ (یعنی اللہ کے نزدیک اصل قدر و قیمت ایمان اور اللہ کی راہ میں قربانیوں کی ہے۔ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان سے بڑھ کر کفر سے محبت رکھیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست بنائے گا تو یہی ظالم ہیں۔ کہو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے ماند پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ اور اللہ (کا مقرر کردہ قانون ہے کہ وہ) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (یعنی ان پر کامیابی اور سعادت کی راہ نہیں کھولتا)۔" (۹:۲۰-۲۴)

"جب کوئی صورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے خوشحال لوگ تجھ سے اجازت مانگتے ہیں، کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دو ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی سو وہ سمجھتے نہیں۔ لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔ اور انہی کے لئے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے باغ تیار کئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں رہیں گے۔ یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔" (۹:۸۶-۸۹)

"اللہ کی راہ میں کوشش کرو جو اس کی (راہ میں) کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے کام کے لئے چن لیا ہے) (یعنی تمہاری زندگی کو ان تمام بے جا قیود سے آزاد کر دیا گیا ہے جو سابقہ امتوں کے فقیہوں اور پادریوں نے عائد کر دی تھیں) اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا تھا کہ رسول تمہارا پیش رو ہو اور تم لوگوں کے پیش رو بنو۔ سو صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑو۔ وہ تمہارا آقا ہے۔ سو کیا ہی اچھا آقا ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے"۔ (۲۲:۷۸)

(جہاد کا لفظ جدوجہد اور کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ سے بغاوت کرنے والی تمام استحصالی قوتوں کے خلاف دل اور دماغ اور جسم اور مال کی ساری قوتوں کے ساتھ جدوجہد کرنا وہ حق جہاد ہے جسے ادا کرنے کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں پر یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سچے ایمان اور اپنی جان اور مال کیساتھ جہاد کئے بغیر محض صلوٰۃ، روزہ، حج اور انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کر دینے سے ایمان کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اخلاقی و روحانی بلندی نصیب ہو سکتی ہے۔

"جہاد" سے مراد عدل و انصاف کے نظام کے قیام کے لئے نصیحت، یقین اور انفاق کے ذریعے پرامن جدوجہد کرنا بھی ہے۔ اور ایک ایسے نظام کو ضعف پہنچانے کی غرض سے حملہ آور ہونے والی قوتوں سے تحفظ کے لئے جنگ (قتال) کرنا اور اسکے لئے مالی و جانی قربانی دینا بھی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مذہبی پیشواؤں نے جہاد کو اسلام کے دوسرے ارکان صلوٰۃ، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے علیحدہ کر کے اسے ثانوی حیثیت دے دی ہے۔ حالانکہ جہاد کو اسلام کی رو سے اولیت حاصل ہے۔)

"کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ مصائب (فتنوں) میں نہ ڈالے جائیں اور یقیناً ہم نے انہیں مصائب میں ڈالا جو ان سے پہلے تھے۔ پس ضرور اللہ انہیں دیکھ لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور دیکھ لے گا کیا وہ لوگ جو بدیاں کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہم سے آگے نکل جائیں گے۔ برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں جو کوئی اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے۔ اور وہ سننے جاننے والا ہے اور جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کی بھلائی کے لئے جہاد کرتا ہے۔ اللہ یقیناً جہانوں سے بے نیاز ہے (ان آیات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو لوگ اعمال کی جوابدہی کے قائل ہیں انہیں چاہئے کہ عاقبت کی بھلائی کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں کر لیں کیونکہ عمل کی مہلت کسی بھی وقت کم ہو سکتی ہے۔" (۲۹:۲-۶)

"جہاد" کے معنی کسی مخالف طاقت کے مقابلہ میں کشمکش اور جدوجہد کرنے کے ہیں، ہمہ گیر اور ہمہ جہتی کشمکش۔ ایک مومن کو اس دنیا میں اسی نوعیت کی کشمکش کرنی ہوتی ہے۔ اسے شیطان سے بھی نبرد آزما ہونا ہے۔ جو ہر آن اسے نیکی کے

نقصانات سے ڈراتا اور بدی کے فائدوں کا لالچ دیتا رہتا ہے۔ اسے اپنے نفس سے بھی لڑنا ہے جو اسے ہر وقت اپنی خواہشات کا غلام بنانے کے لئے زور لگا تا رہتا ہے۔ اسے اپنے گھر سے لے کر دوسرے ان تمام انسانوں سے بھی لڑنا ہے جن کے نظریات، رحجانات، اصول، اخلاق، رسم ورواج، طرز تمدن اور قوانین معیشت و معاشرت وسیاست دین حق سے متصادم ہوں اور اسے اس ریاست سے بھی لڑنا ہے جو اللہ کی فرمانبرداری سے آزاد ہو کر اپنا حکم چلائے اور نیکی کی بجائے بدی کو فروغ دینے میں اپنی قوت صرف کرے۔ یہ مجاہدہ ایک دو دن کا نہیں عمر بھر کا اور ہر لحہ کا ہے، اور زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ اس کے متعلق حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ''آدمی جہاد کرتا ہے خواہ کبھی ایک دفعہ بھی وہ تلوار نہ چلائے۔''

اللہ تعالیٰ کی اہل زمین والوں سے بے نیازی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ، انسان کو اس کشمکش میں پڑنے کی اس لئے ہدایت کرتا ہے کہ یہی اس کی ترقی کا راستہ ہے۔ اس سے اس میں یہ طاقت پیدا ہوسکتی ہے کہ دنیا میں خیر وصلاح کا علمبردار اور آخرت میں اللہ کی جنت کا حقدار ہو۔ وہ یہ لڑائی لڑ کر اللہ پر احسان نہیں کرے گا بلکہ خود اپنا ہی بھلا کرے گا۔)

''جو لوگ ہمارے لئے جہاد کرتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے راستوں پر چلائیں گے۔ اور اللہ یقیناً نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے (۶۹:۲۹)۔۔۔ (ص ص ۵۹۰ تا ۵۹۳)۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی

ذیل میں پروفیسر ڈاکٹر محمد نسیم عثمانی کی کتاب ''اردو میں تفسیری ادب، ایک تاریخی اور تجزیاتی جائزہ'' میں سے حضرت مولانا محمد علی مرحوم ومغفور کے اردو ترجمہ اور تفسیر قرآن ''بیان القرآن'' کے متعلق تبصرہ کو من وعن نقل کیا جا رہا ہے۔ اس کو عثمانیہ اکیڈمک ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ایس ٹی ۵/۱۰ گلشن اقبال، کراچی نے شائع کی ہے۔ صفحات ۴۴۸ قیمت ۱۰۰ روپے سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء۔ ایڈیٹر)۔

''یہ ترجمہ وتفسیر، مولانا اشرف علی تھانوی'' کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' سے مختلف ہے۔ اس کے لکھنے والے لاہوری احمدیہ جماعت کے سرخیل مولانا محمد علی لاہوری ہیں اور اس کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے شائع کی ہے۔

مولانا محمد علی نے ابتداً قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر انگریزی زبان میں کیا تھا لیکن پھر اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی غرض سے اس کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ چونکہ اُردو میں تفسیر کو زیادہ پھیلا کر بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کی ضخامت کافی بڑھ گئی ہے۔ پہلی مرتبہ سہولت کے خیال سے اس کو تین جلدوں میں چھاپا گیا تھا۔ یہ ایڈیشن ۱۹۲۴ء تک کے عرصہ میں شائع ہوا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد اس کے تین ایڈیشن ایک ایک جلد میں شائع ہوئے ہیں۔ یعنی ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۰ء میں اس کو نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ مترجم ومفسر خود تمہید میں فرماتے ہیں:

''وہ مقدس پیغام (قرآن کریم) ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا جنہوں نے دنیا میں اس کے حامل بننا تھا۔ مگر آج اس عالم کے مختلف اطراف واکناف میں رہنے والے مسلمان اس زبان سے نا آشنا ہیں اور بہت ہیں کہ اس پیغام کو پڑھتے ہیں مگر انہیں علم نہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس پیغام کی غرض یہ تھی کہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں اور غلط راہوں کو چھوڑ کر اپنی دینی اور دنیوی فلاح کا صحیح راستہ اختیار کریں تو اس کا مطلب سمجھے بغیر وہ غرض حاصل نہیں ہوسکتی۔ میں نے جب تبلیغ اسلام کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریزی میں اس پاک کلام کے ترجمہ اور مطلب کو بیان کیا تو بہت سے احباب نے یہ اصرار کیا کہ اردو زبان میں بھی اپنے اہل ملک کے فائدہ کے لئے اس شائع کیا جائے۔ مگر یہاں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ازسرنو یہ کام کرنا پڑا۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان قرآن کریم کو پڑھے اور اس کے مطلب پر آگاہ ہو کر اپنی روزمرہ زندگی میں اور مشکلات پیش آمدہ میں اپنا ہادی اور رہنما بنائے۔ اس راہ کو اختیار کئے بغیر مسلمان کبھی موجودہ مشکلات سے باہر نہیں نکل سکتے۔''

آگے چل کر مترجم ومفسر جناب محمد علی فرماتے ہیں:

''اس ترجمہ اور ان حواشی میں ایک بات کی طرف بالخصوص توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ قرآن کریم سے اجنبیت نے جن دلوں میں یہ خیال پیدا کیا ہے کہ اس پاک کتاب کے مضامین میں کوئی ترتیب نہیں انہوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے۔ موجودہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہے اور یہ ایک ابلغ اور محکم ترتیب ہے۔ مخالفین میں غور وخوض کی کمی نے بے ترتیبی کا خیال پیدا کیا یہاں تک کہ اس زمانہ میں ایک مسلمان نے بھی ان خیالات سے متاثر ہو کر ایک ترتیب نزول اپنے پاس سے بنا

کر قرآن شریف کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے۔۔۔۔‘‘

غرض مترجم و مفسر نے سطور بالا میں جو خیالات پیش کئے ہیں وہ مسلمانوں کے سواد اعظم سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بلکہ دیکھا جائے تو اس میں مرزا بشیر الدین محمود کی ’’تفسیر صغیر‘‘ سے نمایاں فرق نظر آئے گا۔ اس فرق کو جاننے کے لئے مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ اور تفسیر ملاحظہ کیجئے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا o ۔ (۴۰:۳۳)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

تفسیر: خاتم النبیین کی تفسیر احادیث نبوی سے:

خاتم النبیین کے معنی لغت سے اوپر بیان ہو چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں اور کسی قوم کا خاتم یا خاتم ہونا صرف ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ یعنی ان میں سے آخری ہونا۔ پس نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں۔ یہاں ان سب احادیث کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں جن میں خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے یا جن میں آنحضرت صلعم کے بعد نبی کا نہ آنا بیان کیا گیا ہے اور یہ احادیث متواترہ ہیں جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی نہیں۔‘‘

(’’اردو میں تفسیری ادب‘‘ ص ص ۴۱۶۔۴۱۸)

نوٹ

یہ کتاب درحقیقت ڈاکٹر نسیم عثمانی صاحب کے اس تحقیقی مقالہ پر مشتمل ہے جس پر انہیں جامعہ کراچی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔ اس کا پیش لفظ پروفیسر ایمریطس ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب نے لکھا ہے اور ابوسلمان شاہجہان پوری نے ’’حرفے چند‘‘ کے عنوان کے تحت اس مقالہ کی ادبی اور تحقیقی خوبیوں کو مختصر انداز میں سراہا ہے۔

☆☆☆☆

جلسہ سالانہ کے متعلق حضرت امیر مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے تاکیدی ارشادات

’’میں اپنے جماعت کے بہت سے دوستوں کو جلسہ سالانہ کے متعلق بڑی بھاری غلطی کا مرتکب خیال کرتا ہوں کہ اسے وہ اہمیت نہیں دیتے جو دینی چاہیے۔ کسی جماعت میں سے ایک شخص آجاتا ہے اور کسی میں سے دو آجاتے ہیں حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک وقت مقرر کر دیا جب تمام مخلصین جمع ہو جائیں تاکہ ہر ایک شخص کو بالمواجہ دینی فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے اور ان کی دینی معلومات وسیع ہوں۔ اور معرفت ترقی پذیر ہو، جس سے تبلیغ اسلام کی بنیاد مضبوط ہو، اور آپ نے فرمایا کہ آئندہ بھی ہمیشہ اس جلسہ کے یہی مقصد رہیں گے کہ اشاعت اسلام اور ہمدردی نومسلمین امریکہ اور یورپ کے لئے احسن تجاویز سوچی جائیں تو ان مقاصد کو حاصل کرنے کا ذریعہ یہ جلسہ سالانہ تھا۔ سو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ سالانہ جلسہ حضرت مسیح موعودؑ کا قائم کردہ ایک طریق ہے جس کے بغیر کامیابی مشکل ہے‘‘۔

اسی سلسلہ میں قوی مانع کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

’’قوی مانع وہ ہو سکتا ہے جب انسان کے دل میں تڑپ موجود ہو مگر ظاہری حالات ایسے پیش آجاتے ہیں کہ وہ اسے مجبور کر دیتے ہیں۔ ایسے انسان کی وہ حالت ہوگی جو ایسے غیر مستطیع لوگوں کی ہے جن کا ذکر قرآن شریف کی اس آیت میں ہے **تولو او اعینهم تفیض من الدمع حزنا الا یجدو امایںفقون**۔ وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم سے کہ وہ مال نہیں پاتے جسے خرچ کریں۔ سو اگر حالت ایسی ہو کہ اس قسم کا مانع پیش آجائے کہ اس سالانہ جلسہ میں غیر حاضری کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور دل میں غم ہو تو بے شک قوی مانع ہے۔ لیکن جب اپنی ضروریات کے لئے کسی کی موت کی وجہ سے یا کسی شادی کی وجہ سے گھرانوں کے گھرانے نکل پڑتے ہیں تو اپنے آپ کو ادنے ادنے عذروں پر سے محروم کر لینا جسے خدا کے مامور نے اس قدر اہمیت دی ہے، پرلے درجہ کی بدقسمتی ہے‘‘۔

☆☆☆☆

''اختلاف سلسلہ احمدیہ کی حقیقت اور

حضرت مولانا محمد علی صاحب کی قادیان سے ہجرت''

اس اختلاف کی اصل ابتداء مولانا نورالدین کے دورِ خلافت میں ہی شروع ہو چکی تھی۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء تک پیچھے جانا پڑتا ہے، جب حضرت مسیح موعودؑ نے ''الوصیت'' لکھی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کو قائم کیا۔

الوصیت اور صدر انجمن احمدیہ کا قیام اور اس کے نتائج

حضرت مسیح موعودؑ نے ۱۹۰۵ء میں ''الوصیت'' کے ذریعے سے اپنی جماعت کے نظام کو اسلامی جمہوریت کی بنیادوں پر کھڑا کر کے تجدید دین کا یہ عظیم الشان کارنامہ بھی دنیا کے آگے پیش کر دیا پھر اپنی زندگی میں ہی اس نظام کو قائم کر کے برابر سلسلہ کو انہی جمہوریت کے اصولوں پر چلایا۔ یعنی ۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کو قائم کر کے اس کے سپرد سب کاروبار کر دیا۔ اور اپنے بعد اس انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا۔ یہ بات میاں محمود احمد صاحب کو اندر ہی اندر ناگوار گذری اور اسی وقت سے ان کے دل میں خاص طور پر مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کے خلاف بغض اور حسد کے خیالات پیدا ہو گئے اور ان کے وقت کا بڑا حصہ صدر انجمن کو کالعدم کرنے کی فکر میں گذرا۔

ان لوگوں کے متعلق جن کے سپرد حضرت مسیح موعودؑ نے اموال سلسلہ کی حفاظت کو کیا تھا، میاں صاحب کے دل میں جس قسم کے خیالات بیٹھ گئے تھے ان کا اظہار حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی کے آخری حصے میں میاں صاحب کی کسی قدر کشیدگی کی صورت میں نظر آتا تھا۔ حضرت صاحب کے منشاء کے مطابق ہر سال سیکرٹری شپ کی ذمہ داری مولوی محمد علی صاحب کو سونپی جاتی تھی۔ مولوی صاحب نے اس بات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہ شاید اس طرح اصلاح ہو جائے۔ ۱۹۰۷ء کے آخر میں تین ماہ کی رخصت لے کر میاں صاحب کو اپنی جگہ سیکرٹری تجویز کیا۔ اور جب سالانہ انتخاب عہدیداران کا وقت آیا تو چونکہ انتخاب ہمیشہ حضرت مسیح موعود کے استصواب سے کیا جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے حضرت مسیح موعودؑ سے عرض کیا کہ بہتر ہے کہ سال آئندہ کے لئے میاں صاحب کو سیکرٹری بنا دیا جائے۔ جس کے جواب میں حضرت صاحب نے فرمایا کہ اس کی رائے میں خامی ہے یا کچا پن ہے اور سیکرٹری کے عہدے کے لئے پھر مولانا محمد علی صاحب کا نام ہی تجویز کیا۔ اس کے بعد مولانا نورالدین صاحب کے وقت میں بھی انتخاب ان کے استصواب سے ہی ہوتا رہا اور مولانا محمد علی صاحب کو ہی سیکرٹری مقرر کیا جاتا رہا۔ اس دوران میں یعنی ۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۳ء تک کے عرصہ میں انجمن کی سالانہ آمد و خرچ کا بجٹ تیس ہزار سے ترقی کر کے قریباً دو لاکھ تک پہنچ گیا اور قریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کی ایک عظیم الشان عمارت تیار ہو گئی۔

حضرت صاحب کی وفات اور مولانا نورالدینؓ کی بیعت

جب حضرت مسیح موعودؑ اپنی وفات سے قریباً ایک ماہ پیشتر قادیان سے لاہور تشریف لے گئے تو اپنی غیر حاضری میں سب کاروبار کا انتظام مولانا محمد علی صاحب کے سپرد کر گئے۔ وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک جب قادیان پہنچی تو باغ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے مولانا سے ذکر کیا کہ یہ تجویز ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے جانشین مولانا نورالدین صاحب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد خواجہ صاحب نے کہا کہ یہ بھی تجویز ہوئی ہے کہ سب احمدی اُن کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے، جو نئے لوگ سلسلہ میں داخل ہوں انہیں بیعت کی ضرورت ہے اور یہی ''الوصیت'' کا منشاء ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ چونکہ وقت بڑا نازک ہے۔ ایسا نہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ پڑ جائے اور احمدیوں کا مولانا نورالدین صاحب کے ہاتھ پر

دوبارہ بیعت کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تب مولانا محمد علی صاحب نے اسے تسلیم کر لیا چنانچہ مولانا نورالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

فتنہ کی ابتدا اور مولانا نورالدین صاحب کو بدظن کرنے کی کوششیں

مولانا نورالدین صاحب اور مولانا محمد علی صاحب کے تعلقات بہت گہری محبت کے تھے۔ اور مولانا نورالدین جو کام کرتے تھے وہ آپ کے مشورہ سے کرتے تھے اور جو کچھ اعلان وغیرہ کرنا ہوتا تھا وہ آپ کے قلم سے لکھواتے۔ یہ گہرا تعلق لوگوں کے لئے مزید حسد کا باعث ہوا۔ حاسدوں نے اس رنگ میں برباد کرنے کے لئے پورا زور لگایا کہ مولوی نورالدین صاحب کو ہر وقت یہ کہا جائے کہ مولوی محمد علی صاحب آپ کو خلیفہ نہیں مانتے اور ایک وقت کے لئے یہ لوگ کچھ کامیاب بھی ہو گئے۔ اس سال کی سالانہ رپورٹ میں جلسہ سالانہ پر مولانا محمد علی صاحب نے تیار کی اور ۲۶ دسمبر کو پڑھی، حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے ذکر میں انجمن کا ذکر بھی تھا کہ آپ کے بعد نظم ونسق اس انجمن کے سپرد ہوا جو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے قائم کی۔ اور مولانا نے حضرت صاحب کی وہ تحریر بھی جلسہ میں پڑھ کر سنائی کہ میرے بعد صدر انجمن احمدیہ کا ہر فیصلہ قطعی ہوگا۔ آپ کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نے جو تقریر کی اس میں بھی یہ ذکر تھا کہ حضرت صاحب اب انجمن کو اپنا جانشین کر گئے ہیں۔ اس بات کو بہانہ بنا کر میاں محمود احمد صاحب کے ماموں میر محمد اسحٰق صاحب نے ایک فتنہ کی بنیاد ڈالی اور سات سوالات تیار کئے کہ آیا انجمن خلیفہ کے ماتحت ہے یا خلیفہ انجمن کے ماتحت ہے۔ اور انجمن خلیفہ کو برطرف کر سکتی ہے یا خلیفہ انجمن کو توڑ سکتا ہے۔ اور انجمن کے انتظامات میں خلیفہ کس حد تک دخل دے سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف مولوی نورالدینؓ صاحب کے کان بھرے جانے لگے کہ مولوی محمد علی صاحب اور آپ کے ساتھی ان کو خلافت سے برطرف کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب کا جواب جو انہوں نے ان سات سوالات کا دیا تھا مولانا نورالدینؓ صاحب نے سائل کو بھیج دیا لیکن اس پر بھی ان لوگوں کی تسلی نہ ہوئی۔ اور مزید سوالات لکھ کر ان لوگوں نے مولانا نورالدین صاحب کو دیئے۔ ان کا جواب جو مولوی محمد علی صاحب نے دیا وہ مکمل آپ کی کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں درج ہے۔ مختصراً آپ نے اس بات کو دہرایا کہ حضرت صاحب نے انجمن کو ہی اپنا جانشین بنایا ہے۔ مگر اس وقت مولانا نورالدین صاحب کو سب نے باتفاق اپنا مطاع مانا ہے اور ان کے اور انجمن کے درمیان کوئی تنازعہ نہیں۔ اسی لئے یہ سب سوالات فرضی اور پیش از وقت ہیں۔ اور انجمن کو توڑنے کی ایک کوشش ہے لیکن آپ نے یہ بھی لکھا کہ بہتر ہے ان سوالات کا جواب انجمن دے۔ اس جواب کے پہنچنے پر مولانا نورالدین صاحب نے فرمایا کہ ان سوالات کو جواب کے لئے چالیس آدمیوں کے پاس بھیجا جائے اور ان کی رائے سے انہیں اطلاع دی جائے اور ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو وہ سب قادیان میں جمع ہوں۔

ان سوالات کے لاہور پہنچنے پر خواجہ کمال الدین صاحب نے احباب لاہور کا ایک جلسہ کر کے (یعنی خواجہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ان کی متفقہ رائے لکھ کر بھیج دی جو وہی تھی جو مولانا محمد علی صاحب لکھ چکے تھے۔ یعنی یہ کہ حضرت صاحب کی اصل اور حقیقی جانشین انجمن ہے۔ انجمن نے بالاتفاق مولانا نورالدین صاحب کو اپنا مطاع مانا ہے یہ اس کا اپنا ذاتی فعل ہے۔ بہرحال مولانا کی ذات پر سب کو اتفاق ہے۔ دوسری طرف قادیان میں شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے مکان پر جلسہ کر کے جو کچھ چاہا کہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ بڑھ گیا۔ ۳۱ جنوری کو اجتماع کے دن مولانا نورالدین صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ خلیفہ کا کام محض نماز پڑھا دینا نہیں۔ مگر صاف الفاظ میں کوئی فیصلہ نہ دیا۔ بلکہ آخر پر آ کر وہی بات کہی جو مولانا محمد علی صاحب نے اپنے جواب میں لکھی تھی کہ یہ سوالات قبل از وقت ہیں۔ ان میں پڑنا صحیح نہیں اور آخری فیصلہ کے طور پر کہا کہ مجھ پر دونوں فریق کا اعتماد ہے۔ اس لئے میری زندگی میں اس سوال کو نہ اٹھایا جائے۔ اور اپنی تقریر ختم کر کے پہلے میاں محمود احمد صاحب اور میر ناصر نواب سے یہ اقرار لیا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ پھر مولانا محمد علی صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب سے ایک طرف اور شیخ یعقوب علی اور میر محمد اسحٰق سے دوسری طرف بیعت لی اور اس کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ میری زندگی میں میری اطاعت

انڈونیشیاء: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ انڈونیشیاء

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ انڈونیشیاء میں جماعت احمدیہ کے سکول ''پیری سکول'' کی 66 سالانہ تقریبات میں اپنے وفد کے ہمراہ

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی انڈونیشیاء دورہ جات کی متفرق تصاویر

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے دورہ انڈونیشیاء کے دوران جماعت احمدیہ کی مختلف مساجد کے مناظر
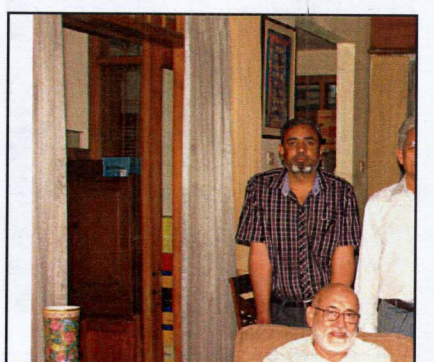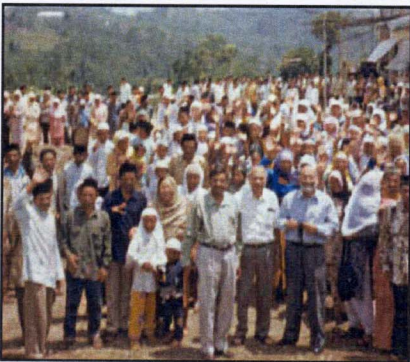
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ انڈنیشیاء کے دوران مختلف تقریبات میں شمولیت کے مناظر

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی بین الاقوامی مذہب (IN TERFAITH) کی تقریبات میں شمولیت

interfide
INDONESIA
3RD ASSEMBLY OF THE UNIVERSAL PEACE FEDERATION
Religious Perspectives
September 10 - 14, 2006
LOTTEHOTEL
Religious Perspectives
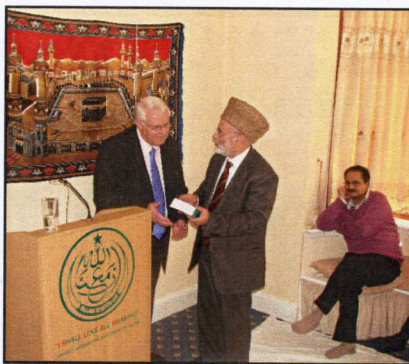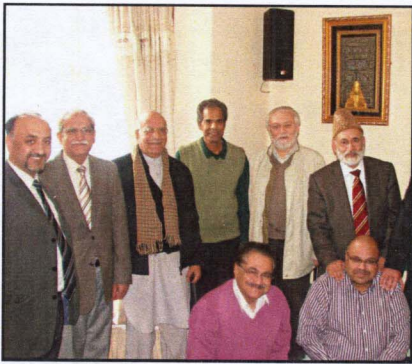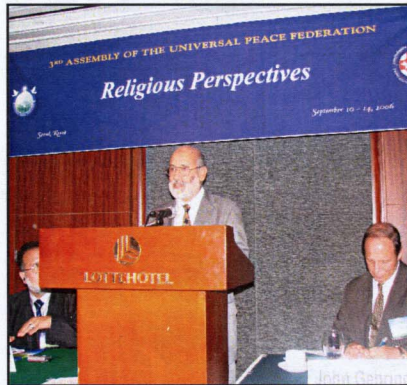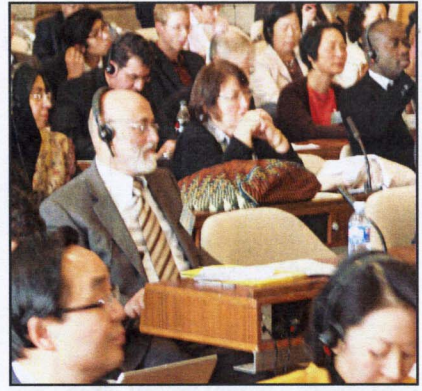
سرینام: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی سرینام جماعت میں مصروفیت کے متفرق مناظر

83 YEARS
SURINAAMSE
November 17th
1929 - 2012
International Islamic
"My Perception
Religion of
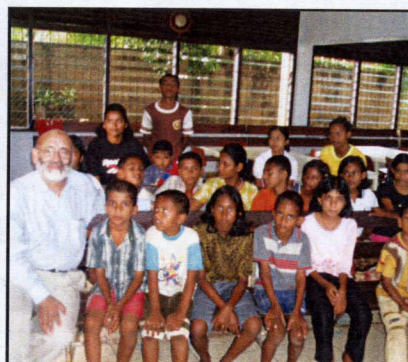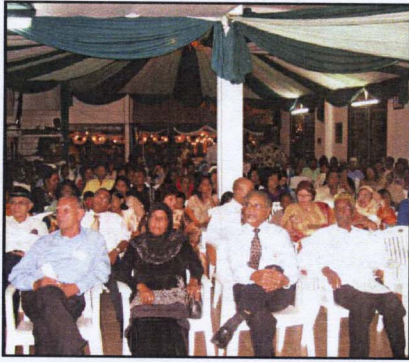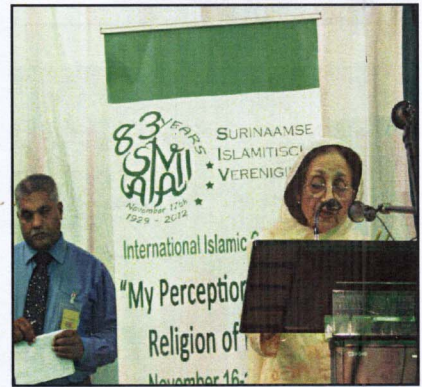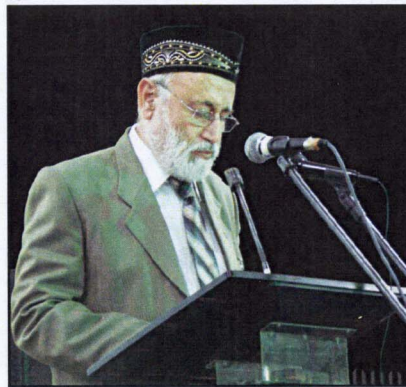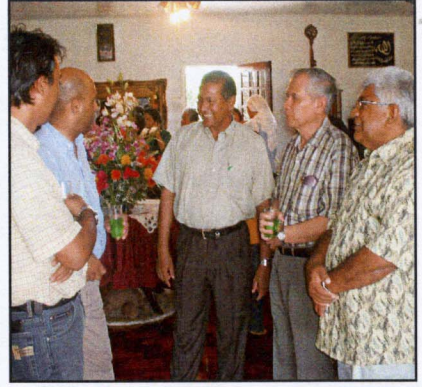
ٹرینیڈاڈ: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ٹرینیڈاڈ میں احباب جماعت کے ساتھ
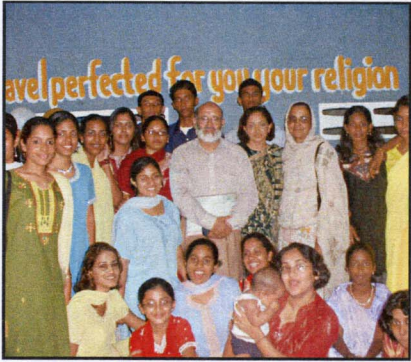
انگلینڈ: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ انگلینڈ

دارالسلام ویمبلے میں خطبہ جمعہ کے مناظر

ووکنگ کی چند تصویری جھلکیاں
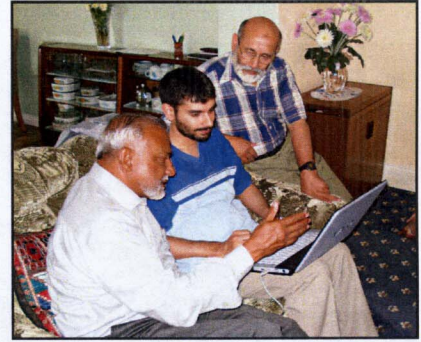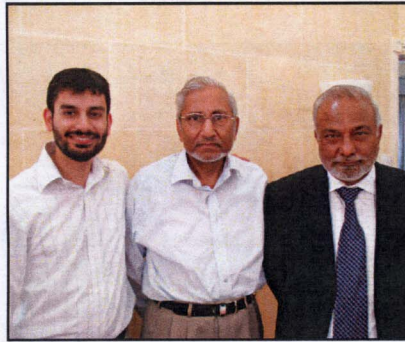
انجمن کی ویب سائٹ www.aaiil.org کی اہم میٹنگ کے موقع پر لی گئی تصاویر

امریکہ: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ جماعت امریکہ
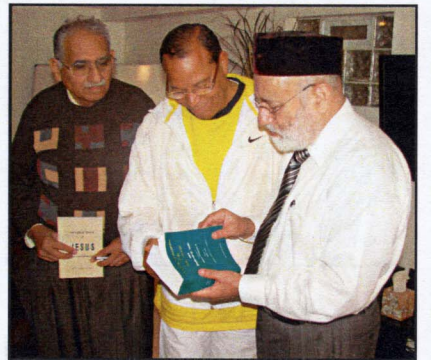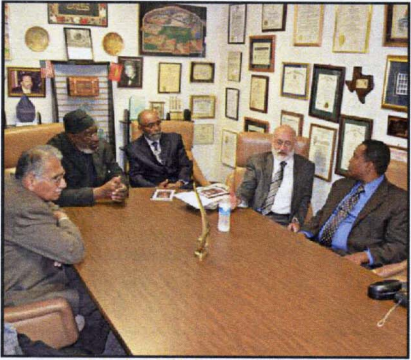
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی امریکہ جماعت کی اہم شخصیات سے ملاقات
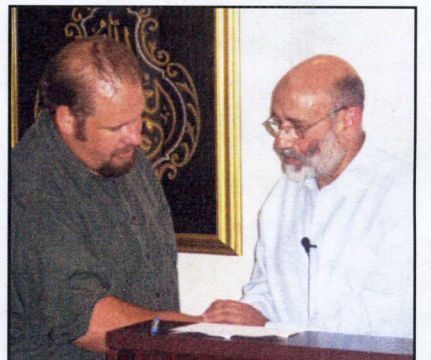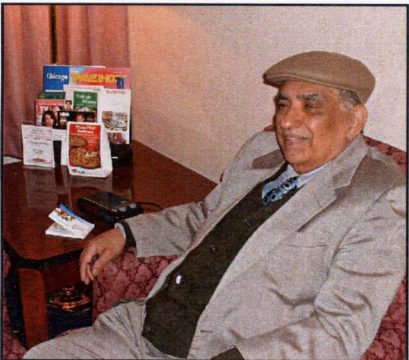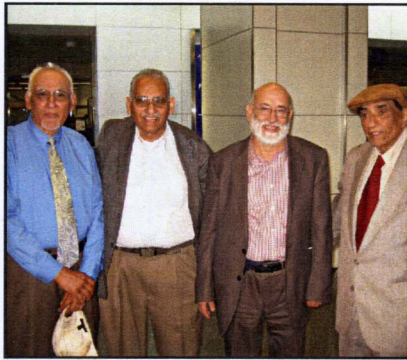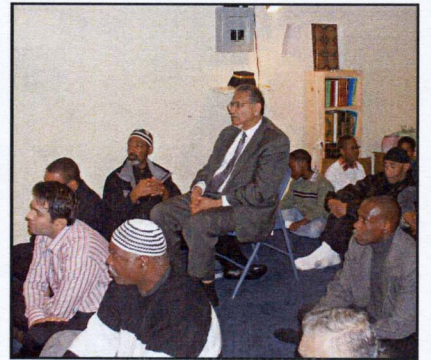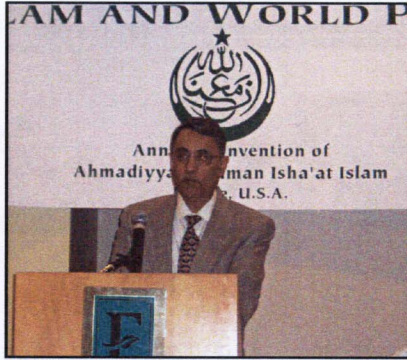
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی امریکہ جماعت کے دورہ جات کی چند جھلکیاں
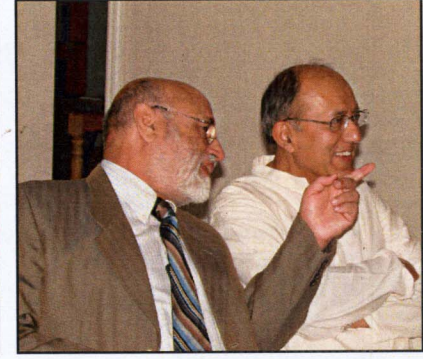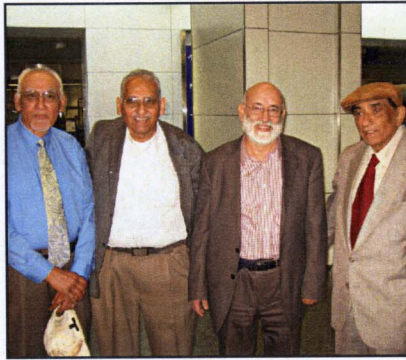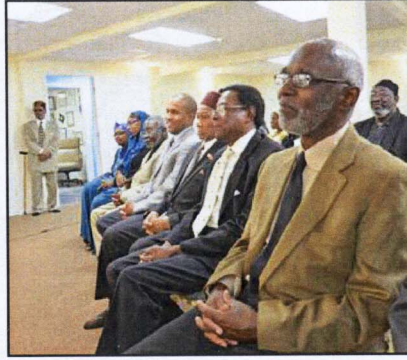
پاکستان: وہ نادرِ روزگار جو ہم سے بچھڑ گئے (میاں فضل احمد صاحب، ملک سعید احمد صاحب، قاضی عبدالاحد صاحب، فیض الرحمٰن صاحب، چوہدری محمد حیات صاحب، انور علی صاحب)
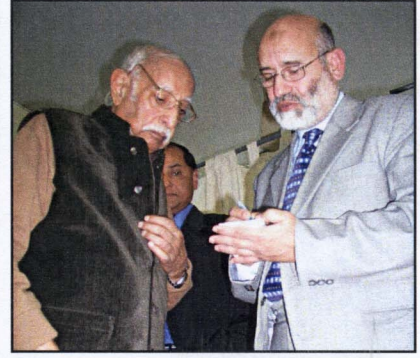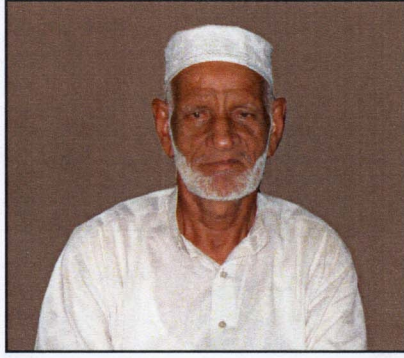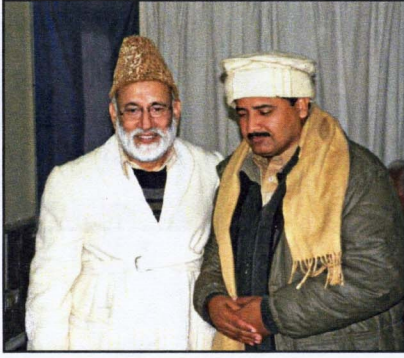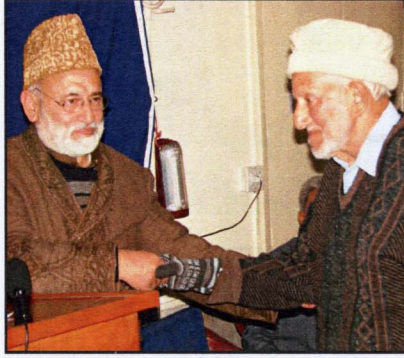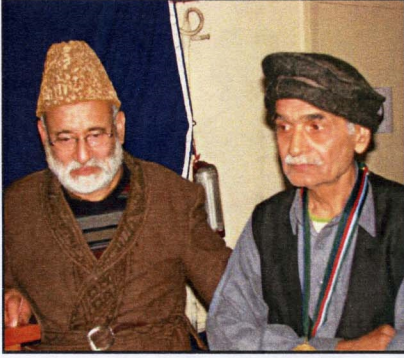
متفرق سالانہ دعائیہ کے مناظر

دارالسلام: تقریبات کے مناظر

شبان الاحمدیہ مرکزیہ کی سرگرمیاں

یوم پاکستان کی تقریبات

سالانہ تربیتی کورس صاحبزادہ عبداللطیف شہید شیلڈ اور آصف حمید گولڈ میڈل جیتنے والے طلباء وطالبات
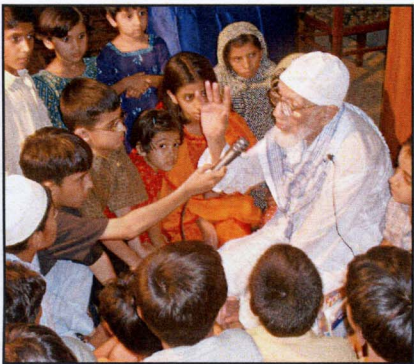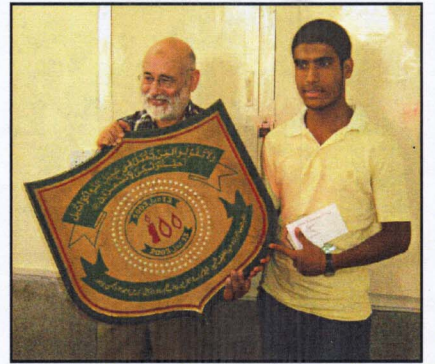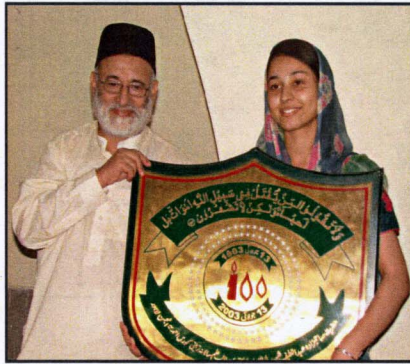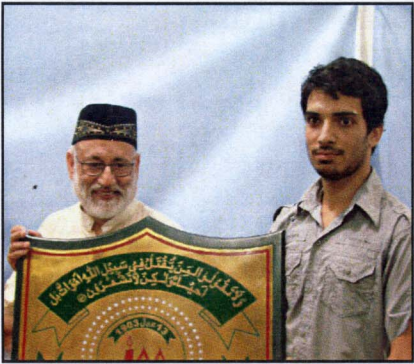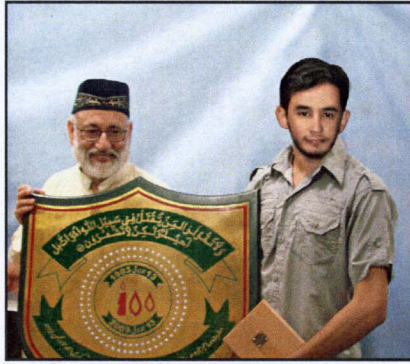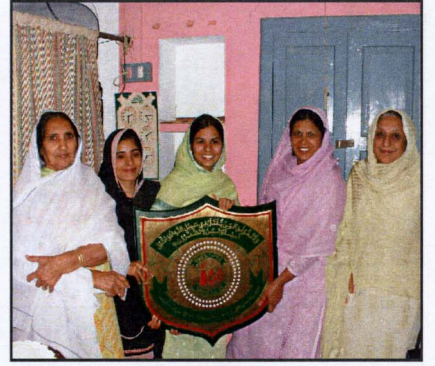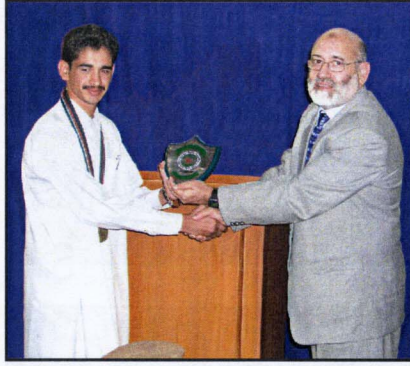
تربیتی کورس کی جھلکیاں

آسٹریلیا: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ آسٹریلیا جماعت
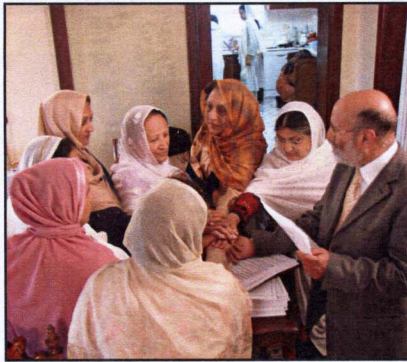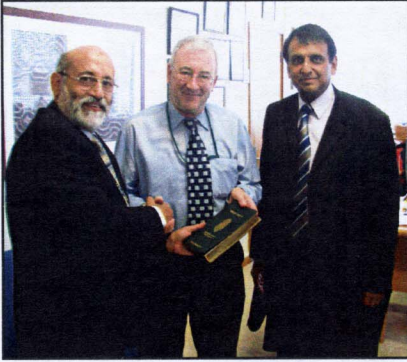
بیعت کے مناظر

بیعت کے مناظر

برلن: حضرت امیرایدہ اللہ تعالیٰ کی برلن میں مصروفیات کے مختلف مناظر
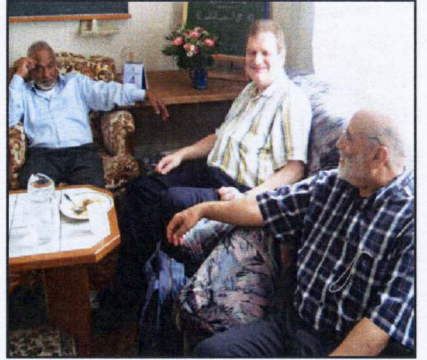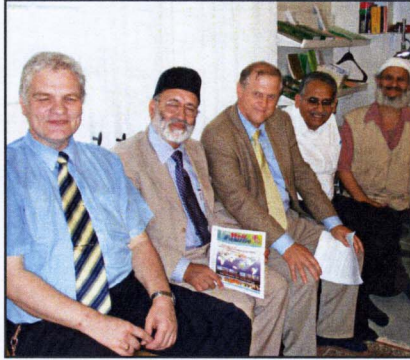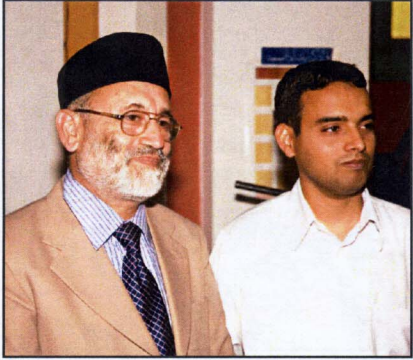
کینیڈا: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ کینیڈا کی تصویری جھلکیاں
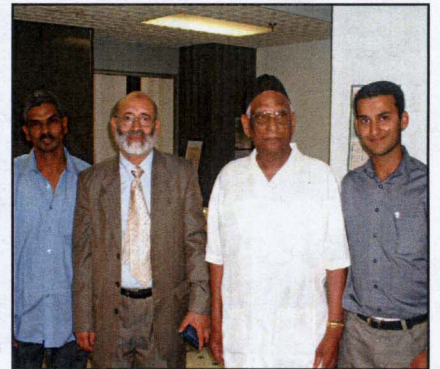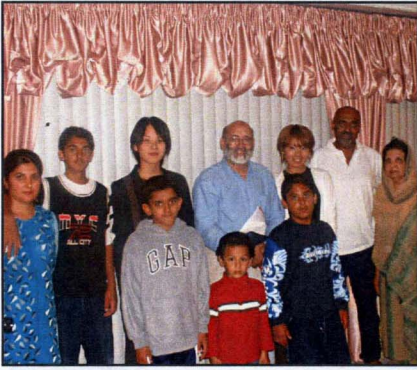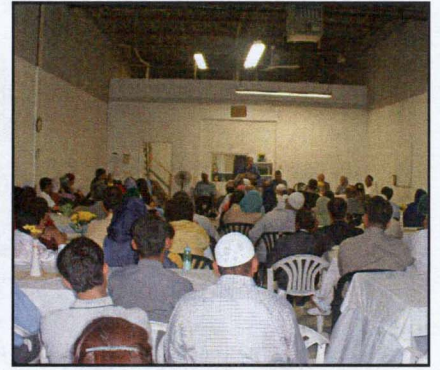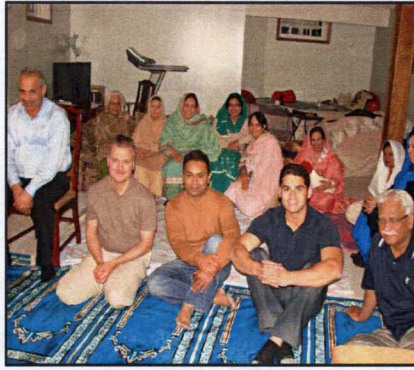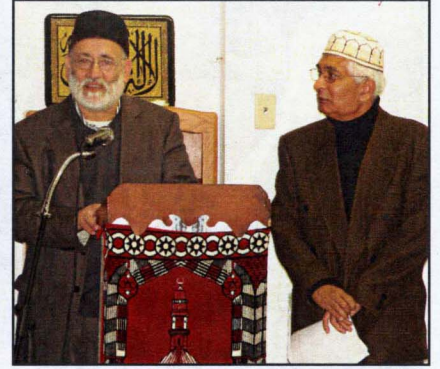
فجی: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا دورہ جماعت فجی

فجی جماعت کی اہم شخصیات سے ملاقات کا منظر

فجی جماعت میں ''مسجد نور'' کی افتتاحی تقریب کا تاریخی منظر
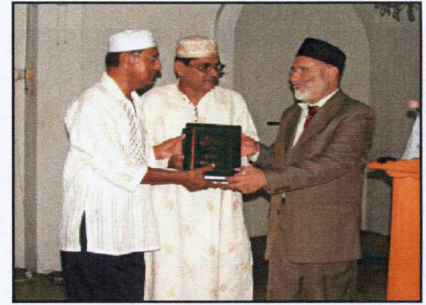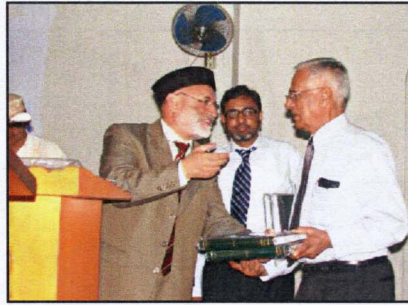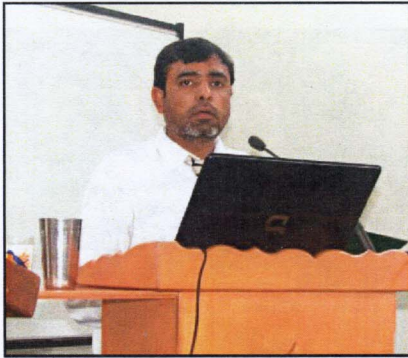
حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ ''بیان القرآن'' کا نیا ایڈیشن احباب جماعت کو دیتے ہوئے

بیعت کے مناظر

گیانا: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ گیانا کی تصویری جھلکیاں
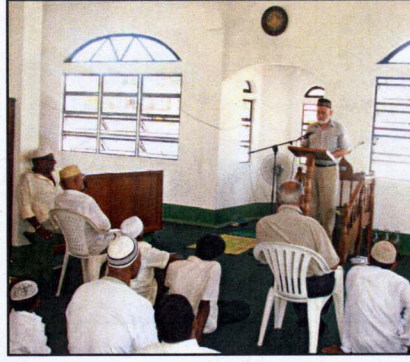
ہالینڈ: حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ ہالینڈ میں مصروفیات
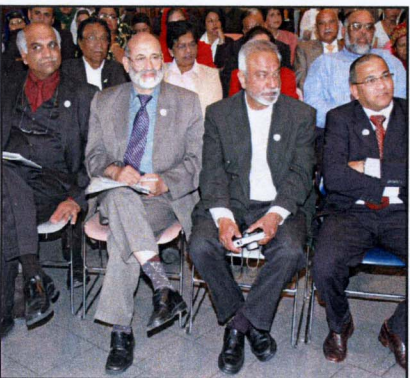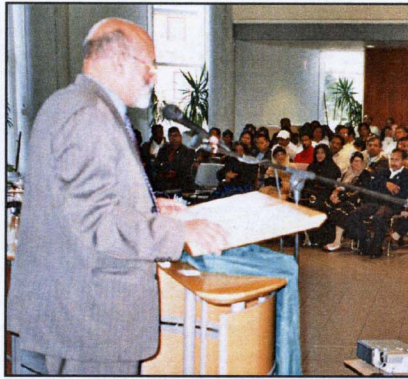
کی جائے کیونکہ دونوں فریق یہ کہہ چکے تھے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اس کی اطاعت کریں گے۔

اس واقعہ کو عجیب عجیب رنگ آمیزیوں کے ساتھ بعد میں میاں محمود احمد صاحب اوران کی جماعت کی طرف سے بیان کیا جاتا رہا۔ حالانکہ حقیقت صرف اتنی تھی اور مولانا نورالدین صاحب کا طرزِ عمل بھی یہی تھا کہ انہوں نے کبھی اپنے آپ کو ان معنوں میں خلیفہ نہیں منوایا جن معنوں میں میاں محمود احمد صاحب نے بعد میں منوایا۔ اور نہ کبھی انجمن کے فیصلوں کو توڑا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انجمن کے قواعد وضوابط وہی رہے جو حضرت صاحب نے بنائے تھے (اور جن کو میاں محمود احمد صاحب کو خود خلیفہ بنتے ہی بدلنے کی ضرورت پیش آئی)۔

مولانا محمد علی صاحب اور احباب لاہور کو جماعت سے نکلوانے کی کوشش

بظاہر اس فتنہ کا یہاں خاتمہ ہو جانا چاہیے تھا مگر چونکہ میاں محمود احمد صاحب اوران کے ہم خیالوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے اس فتنہ کو بار بار جگانے کی کوششیں ہوتی رہیں اور مولوی نورالدین صاحب کو یہ کہا جاتا رہا کہ یہ لوگ اندرونی طور پر آپ کی اب بھی مخالفت کرتے ہیں۔ خود میاں محمود احمد صاحب ایسا کہنے والوں میں اوّل نمبر پر تھے۔ جیسا کہ ان کے اس خط سے ثابت ہوتا ہے جو انہوں نے مولانا نورالدین صاحب کو لکھا۔ اور جس کی نقل کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس لمبے چوڑے خط میں اپنا ایک رؤیا بیان کر کے مولانا نورالدین صاحب کو ہر ممکن طریق پر بھڑکانے کی کوششیں کی گئیں اور مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے ہم خیال احباب کو جماعت سے نکال دینے کی تحریک کی۔ مولانا نورالدین صاحب کو اس خط میں یہاں تک بدظن کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ لکھا ہے کہ یہ لوگ حضرت صاحب کے وقت میں بھی اندر ہی اندر تیاری کر رہے تھے اور حضرت صاحب سے حساب لینا چاہتے تھے اور ایک غلط بات بھی بنا کر مولانا محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف منسوب کی ہے کہ یہ دونوں اصحاب حضرت صاحب کی وفات کے قریب یہ کہتے تھے کہ حضرت صاحب قوم کا روپیہ کھا جاتے ہیں اور میاں صاحب لکھتے ہیں:

''جس قدر پیپ پھوڑے میں بھری رہے وہ اسی قدر خراب ہوتا ہے۔ میرا اب تک یہ خیال تھا کہ جس قدر ہو سکے اس بات کو دبایا جائے۔۔۔۔ مگر اب اس دعا کے بعد میری طبیعت اور رائے نے بالکل پلٹا کھایا ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ اب وقت ہے کہ اس کا علاج کیا جائے''۔

یہ خط اس طرح ختم ہوتا ہے:

''۔۔۔۔غرضیکہ میری رائے تو یہ ہے کہ حضور کا ابھی شرح صدر خدا تعالیٰ اس پر فرمائے تو خواہ کسی رنگ میں ہو اب اس بات کا فیصلہ ہو جائے۔ کیونکہ ابتلاء تو ضرور آنا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ اس کا بیج نکالا جائے نہ کہ جب درخت بن جائے۔'' (خاکسار۔محمود)

اس کے ساتھ ہی ایک واقعہ پیش آیا یعنی حکیم فضل دین کی حویلی کی فروخت کا واقعہ۔ اس پر بھی بڑھا چڑھا کر پراپیگنڈہ کا ایک طوفان کھڑا کیا گیا جس میں علاوہ اور باتوں کے لاہور سے بھی مولانا نورالدین صاحب کو خطوط لکھے گئے کہ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب یوں کہتے ہیں۔ ڈاکٹر مرزا صاحب یوں کہتے ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب آخر خدا تعالیٰ کے مامور نہ تھے۔ بتقاضائے بشریت ان کے دل پر غبار آ گیا۔ اور انہوں نے فرمایا کہ میں عید کے دن ایک اعلان کروں گا، چونکہ اعلان کا لفظ واضح نہ تھا اس لئے بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ حضرت مولوی صاحب شاید کوئی ایسا اعلان نہ کر دیں جس سے انجمن کالعدم ہو جائے اور سلسلہ میں فساد پیدا ہو۔

عید سے ایک دن پہلے شیخ رحمت اللہ صاحب حسب معمول لاہور سے قادیان آئے۔ اور مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ جا کر مولانا نورالدین صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحبان آپ کے فرمانبردار ہیں۔ مولانا اٹھ کر اندر گئے اور ایک بستہ خطوط کا اٹھا کر لائے کہ میرے پاس اس قدر خطوط ان لوگوں کے خلاف آئے ہیں۔ اس پر ان دونوں حضرات نے کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ ہم سب آپ کے فرمانبردار ہیں۔ اس پر مولانا صاحب راضی ہو گئے۔ اور آپ نے کوئی بھی اعلان نہ کیا۔ اور جس عید کے دن پر بعض لوگ امیدیں لگائے بیٹھے تھے وہ ان کے لئے بجائے خوشی کے غم کا دن ہو گیا۔

اس کے فوراً بعد ہی ان احباب لاہور کی طرف سے جو تحریر شائع ہوئی وہ حسب ذیل ہے:

''عید الفطر کے مبارک موقع پر ہم حسب معمول قادیان دارُ لامان میں حاضر ہوئے۔تو معلوم ہوا کہ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بعض لوگوں نے ایسے خطوط لکھ کر بھیجے ہیں جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بعض ممبران مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ گویا حضرت خلیفۃ المسیح کی مخالفت کرتے ہیں۔ان خطوط سے ہمیں بہت رنج ہوا۔اور حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی ہمارے خیال میں ضرور رنج ہوا ہوگا۔ہم اپنے بھائیوں پر کوئی بدظنی نہیں کرتے۔ہم نے ان کے لئے دعا بھی کی ہے کہ وہ ہمارے متعلق حسنِ ظنی سے (اس کا حکم قرآن و حدیث میں بڑی تاکید سے ہے) کام لیا کریں۔ہم اپنے دل پھاڑ کر کسی کو نہیں دکھا سکتے۔لیکن بذریعہ اعلان ہذا ہم سب احباب کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم نے جو بیعت حضرت خلیفۃ المسیح کی کی وہ کسی جبر اور اکراہ سے نہیں بلکہ شرح صدر سے کی ہے اور ہم اس وقت تک اس عہد بیعت پر قائم ہیں۔اور حضرت خلیفۃ المسیح کی اطاعت کرتے ہیں۔یہ تو ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں وحدتِ قہری کوئی نہیں بلکہ وحدتِ ارادی ہے اور اسی وحدتِ ارادی کے ماتحت ہم سب نے حضرت خلیفۃ المسیح کی بیعت کی ہے۔اور آئندہ کے متعلق ہم اللہ تعالیٰ سے ہی یہ توفیق طلب کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس عہد پر قائم رکھے۔جیسا کہ حضرت نوح نے یہ دعا کی تھی۔ **انــی اعــوذبک ان اسئلک مالیس لی به علم** کیونکہ سب توفیق اور طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہی میں ہے۔(خاکساران: مرزا یعقوب بیگ بقلم خود رحمت اللہ بقلم خود ممبران مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۹ء)

اعلان بالا کے حرف حرف سے میرا اتفاق ہے اور میں حضرت خلیفۃ المسیح کی فرمانبرداری کو اپنا فخر سمجھتا ہوں۔خاکسار: محمد علی از قادیان'' (اخبار ''بدر'' مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۹ء)

مولانا محمد علی صاحب اور بعض دوسرے احباب کو جماعت سے نکلوانے کی جو فکر میاں محمود احمد صاحب کے دل میں تھی اس کی ایک جھلک ان کے اس خواب میں نظر آتی ہے جو انہوں نے اخبار ''بدر'' مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء میں چھپوایا۔لکھتے ہیں:

''صبح کے قریب میں نے دیکھا کہ ایک بڑا محل ہے اور اس کا ایک حصہ گرا رہے ہیں اور اس محل کے پاس ایک میدان ہے اور اس میں ہزاروں آدمی پتھروں کا کام کر رہے ہیں۔۔۔۔۔

میں نے پوچھا۔یہ کیسا مکان ہے اور یہ کون لوگ ہیں،اور اس کو کیوں گرا رہے ہیں؟ تو ایک شخص نے جواب دیا کہ یہ جماعت احمدیہ ہے اور اس کا ایک حصہ اس لئے گرا رہے ہیں تا پرانی اینٹیں خارج کی جائیں (اللہ رحم کرے) اور بعض کچی اینٹیں پکی کی جائیں''۔

مولانا نورالدین صاحب کو بدظن کرنے کی مزید کوششیں

اس طرح کے اور بعض واقعات ہوتے رہے۔جن میں میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے پوری کوششیں جاری رہیں کہ کس طرح مولوی نورالدین صاحب کو مولوی محمد علی صاحب،خواجہ صاحب،ڈاکٹر شاہ صاحب و ڈاکٹر مرزا صاحب سے زیادہ سے زیادہ بدظن کیا جائے۔ان واقعات کی تفصیلات کتاب ''حقیقت اختلاف'' میں درج ہیں۔چنانچہ نومبر ۱۹۱۳ء میں جبکہ میاں صاحب کی انصار اللہ پارٹی مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف بعض باتیں منسوب کر کے پروپیگنڈہ کر رہی تھیں تو اس پر مولانا محمد علی صاحب نے مولانا نور الدین صاحب کی خدمت میں لکھ کر احتجاج کیا۔ان کے خط میں سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔جن سے اس وقت کے ماحول کا پتہ چلتا ہے:

''حضور نے کل فرمایا تھا کہ لوگ تمہارا اور خواجہ صاحب کا نام لیتے ہیں۔مگر یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ کس امر کے متعلق۔اگر حضور کو یہ اطلاع پہنچائی گئی ہے کہ ہم دونوں حضور کی اطاعت نہیں کرتے۔یا ہم دونوں میں سے کسی کا تعلق کسی قسم کا اس گمنام ٹریکٹ لکھوانے سے ہے یا ہم دونوں میں سے کوئی ایک دعویدار خلافت بنتا ہے۔تو اپنی نسبت پورے یقین کے ساتھ اور خواجہ صاحب کی نسبت اس گمان غالب کے ساتھ جو سالہا سال کے بے تکلف دوستانہ تعلقات سے یقین کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ تینوں باتیں بالکل جھوٹ ہیں۔اگر کوئی شخص یہ بھی کہہ دے کہ اس کے ساتھ ہم نے کبھی کوئی ایسی بات کی تو کم سے کم اس سے میرے سامنے حلف لی جاوے۔اس سے بڑھ کر یہ کہ میں خود ان

تمام لوگوں سے جن سے میرے تعلقات ہیں ۔حلفیہ شہادت دلا سکتا ہوں کہ کبھی ان سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔۔۔‘‘ (والسلام خاکسار محمد علی ۲۳ نومبر ۱۹۱۳ء)

مولانا نورالدین صاحب کے دلی خیالات:

مولانا نورالدین صاحب نے یہ خط میاں محمود احمد صاحب کو بھیج دیا۔اس پر انہوں نے جواباً لکھ کر واپس کیا کہ وہ آئندہ انصار کو (یعنی اپنی پارٹی انصار اللہ کو) تاکید کر دیں گے کہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کریں۔اور یہ بھی لکھا کہ انہوں نے خود مولوی محمد علی صاحب سے ایسی کوئی بات نہیں سنی ۔ یہ جواب مولانا نورالدین صاحب نے مولانا محمد علی صاحب کو بھیج دیا اور اپنی قلم سے مزید لکھا کہ:

’’واللہ الذی لا الہ الا ھو ونفسی بیدہ میرے وہم وگمان میں ایک آن کے لئے بھی کبھی نہیں آیا کہ آپ کا یا خواجہ صاحب کا ایسا خیال ہے ۔ یہ میرا یقین ہے کہ دونوں کے دل میں نہیں۔۔۔۔لایحکمان علیکما۔۔۔۔‘‘

یہ ۲۳ نومبر ۱۹۱۳ء کی تحریر ہے جبکہ مولانا کی آخری بیماری شروع ہو چکی تھی ۔ اس سے پہلے ۱۹۱۲ء میں جب مولانا نورالدین صاحب لاہور تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس میں تقریر فرمائی تو فرمایا:

’’تیسری بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور وہ میرے دوست کہلاتے ہیں اور میرے دوست ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ خلافت کے کام میں روک لاہور کے لوگ ڈالتے ہیں۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ بدظنی سے ہٹ جاؤ۔ یہ بدکار کر دے گی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدظن بڑا جھوٹا ہوتا ہے۔پس تم بدظنی نہ کرو۔۔۔۔اب بھی میرے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے ۔ وہ لکھتا ہے کہ لاہور کی جماعت خلافت میں روک ہے ۔ میں ایسا اعتراض کرنے والوں کو کہتا ہوں کہ یہ بدظنی ہے۔اس کو چھوڑ دو۔تم پہلے ان جیسے اپنے آپ کو مخلص بناؤ۔ لاہور کے لوگ مخلص ہیں ۔حضرت صاحب سے اُن کو محبت ہے۔۔۔۔یہ خیال چھوڑ دو کہ لاہور کے لوگ خلافت کے امر میں روک ہیں۔اگر ایسا نہ کرو گے تو پھر خدا مسیلمہ کا سا معاملہ کرے گا‘‘۔(اخبار ’’بدر‘‘ مورخہ ۴، ۱۱ جولائی ۱۹۱۲ء)

جیسا کہ مولوی نورالدین صاحب کی ان تحریرات وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اُن پر خوب واضح ہو چکا تھا کہ یہ سب فتنہ بعض لوگوں کا کھڑا کیا ہوا ہے۔اور اس میں حقیقت کچھ نہیں ۔ان لوگوں سے تنگ آ کر خواجہ کمال الدین صاحب کو ۱۳ مئی ۱۹۱۳ء میں (جبکہ وہ انگلستان میں تھے) ایک خط میں مولوی نورالدین صاحب نے اپنے دردِ دل کا اظہار بھی کیا ہے۔اس کا ایک فقرہ یہ ہے:

’’نواب ۔ میر ناصر ۔محمود نالائق بے وجہ جوشیلے ہیں ۔ یہ بلا اب تک لگی ہے۔یا اللہ نجات دے۔آمین۔۔۔۔‘‘

اس کے علاوہ مولانا محمد علی صاحب سے جو محبت آپ کو تھی اس کا اظہار آپ کی بیماری کے ان واقعات سے بخوبی ہوتا ہے جو ڈائری کی صورت میں چھپ چکے ہیں ۔اور جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

افتراق اور بدگمانیوں پر مولانا محمد علی صاحب کا ایک اعلان:

افتراق اور بدگمانیوں کی جو فضاء ایک خاص گروہ نے قادیان میں پیدا کر دی تھی ۔اس کے متعلق مولانا محمد علی صاحب نے دسمبر ۱۹۱۳ء میں جلسہ سالانہ سے کچھ دن پہلے اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات سے تین ماہ پیشتر اخبار ’’بدر‘‘ میں ایک خط احباب جماعت کے نام شائع کروایا تھا۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ کس قسم کے حالات قادیان میں پیدا ہو چکے تھے۔اور آپ کے دل میں ان کے متعلق کیا درد تھا۔ یہ خط حسب ذیل ہے:

’’برادران ۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میں اسے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت ہی بڑا فضل سمجھتا ہوں کہ اس نے حضرت مسیح موعود کی وفات پر سب جماعت کو ایک شخص کے ہاتھ پر اکٹھا کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک فضل تھا کہ سب دلوں کو اس کی اطاعت پر مائل کر دیا اور اپنے فضل سے ایسے صدمے کے وقت ایک سکینت نازل کر دی۔میری آپ سب کی خدمت میں یہ التجا ہے کہ اس فضل کی قدر کرو۔اور اس کی قدر یہ ہے کہ تم ایسے امور سے بچو جن سے فتنہ پیدا ہو کر جماعت میں اختلاف پیدا ہو۔تم اپنے بھائیوں پر حسن ظنی سے کام لو۔ اور ان کے ایمان کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔ ہر ایک بھائی یہ کوشش کرے کہ وہ دوسرے میرے بھائی کی بدگوئی سے بچے۔اور اگر ایک کی نسبت یہ سنتا ہے کہ کسی دوسرے نے اس کی بدگوئی کی ہے تو بہر حال اس کا بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات کچھ ہوتی ہے اور وہ کچھ اور رنگ اختیار کر کے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ جب کوئی فتنہ پیدا ہوتا دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ خاموشی کا طریق اختیار کرو۔ تقویٰ کی راہ دراصل احتیاط کی ہی راہ ہے۔ اور فتنوں کے وقت اس سے بڑھ چڑھ کر احتیاط کی کوئی راہ نہیں کہ خاموشی اختیار کی جائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ملامت فرماتا ہے جو فتنہ کی باتوں کو لے کر ان کو پھیلاتے ہیں۔ **واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذا عوابہ** یعنی جب کوئی امن یا خوف کی بات ہوتی ہے تو اسے لے اڑتے ہیں۔ اور فرماتا ہے کہ اس بات کو پھیلانے کی بجائے رسول یا اولی الامر کی طرف لے جانا چاہیے۔ اس بات کو بھی مدّنظر رکھو کہ اختلاف کا پیدا کر لینا کوئی بہادری کی بات نہیں ہے۔ لیکن اتفاق بدوں اللہ تعالیٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہوتا۔۔۔

لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ماالفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم ۔ یہ اتفاق کی دولت اگر ایک دفعہ کھو دو گے تو پھر سب کچھ خرچ کر کے بھی نہ پاؤ گے۔ اور تمہارے سب کام ناقص اور ادھورے رہ جائیں گے۔ بجائے بغض اور کینہ کے اپنے بھائیوں کے لئے اپنے دلوں کے اندر درد اور محبت پیدا کرو۔ اور اگر وہ نہیں کر سکتے تو بغض اور کینہ تو نکال دو۔ اگر ایک شخص تمہارا کام کر رہا ہے یا دین کی کوئی خدمت کر رہا ہے اور اس میں کوئی کمزوری بھی نظر آئے تو اس کمزوری کے بالمقابل اس کی خدمت اور اس کے کام کا بھی خیال کر لو۔ اپنے بھائیوں کو اپنے اندر سے نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اوروں کو ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔ اگر تم نے سارا زور اپنے بھائیوں کے نکالنے پر لگا دیا تو پھر دوسری طرف لگانے کے لئے تمہارے پاس کوئی طاقت نہ ہوگی۔

میں پھر بمنت التجا کرتا ہوں کہ ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ اتفاق کی طاقت کو ضائع مت کرو۔ اور خدا کے فضلوں کے جاذب بنو۔ جو اقرار پہلے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر کیا اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر کیا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ اس کو اپنے پیش نظر رکھو۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرو۔ اگر کوئی امر خلاف طبیعت پیش آ جائے تو اسے برداشت کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو کشتی نوح میں یہاں تک تعلیم دی ہے کہ تم سچے ہو کر جھوٹے بنو۔ خدا کے لئے غور کرو۔ کیا تمہاری کوشش جھوٹے ہو کر سچے بننے کے لئے ہو رہی ہے یا سچے ہو کر جھوٹے بننے کے لئے۔ اگر یہ تعلیم تمہارے لئے نہیں تو کس قوم کے لئے ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تمہارے اندر ایک آدمی کھڑا کر دیا۔ جس نے ساری قوم کو سنبھال لیا۔ اور اس کی اطاعت کے لئے سب دلوں کو جھکا دیا۔ اس فضل کو اپنے ہاتھ سے نہ گنواؤ اور باہمی جھگڑوں کو چھوڑ کر اتفاق کی باتوں کی طرف آؤ۔ دنیا کی طرف مت جھکو۔ دین کو مقدم کرو۔ تمہارے دنیا میں قائم کئے جانے کی غرض دین کی اشاعت اور دین کی قوت ہے۔ اگر تم دین کی طاقت کو گنوانے کے پیچھے پڑ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کس طرح تمہاری نصرت کرے گا۔

والسلام خاکسار محمد علی۔ ایڈیٹر ’ریویو آف ریلیجنز‘ قادیان۔ یکم دسمبر ۱۹۱۳ء‘‘۔

(اخبار ’’بدر‘‘ مورخہ ۴ دسمبر ۱۹۱۳ء)

دوسرا حربہ:

مذکورہ بالا ایک حربہ تھا جو میاں محمود احمد صاحب اور آپ کی پارٹی نے مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے ہم خیال احباب کو جماعت سے نکالنے یا مولانا نورالدین صاحب کو ان احباب سے بدظن کرنے کے لئے استعمال کیا۔ دوسرا حربہ جو میاں محمود احمد صاحب کی خلافت کی بنیاد ڈالنے کے لئے استعمال کرنا شروع کیا گیا۔ وہ یہ تھا کہ جماعت میں میاں صاحب کے علم اور تقویٰ کا ایک پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا تا کہ مولوی نورالدین صاحب کے بعد قوم کی نظر انتخاب کسی اور شخص پر نہ پڑے۔ میاں صاحب کے نانا میر ناصر نواب صاحب ’’دارالضعفاء‘‘ کے چندے کے بہانے شہر بہ شہر دورے کرتے رہے اور مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ اور اسی طرح میاں صاحب کے تیار کردہ دیگر مبلغین بھی یہی کام کرتے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان کے مسلمان عوام پیر پرستی کی لعنت میں بُری طرح جکڑے ہوئے تھے اور رسوم اور توہمات کے مرید تھے۔ اور حضرت مسیح موعود کے کارناموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے پیری مریدی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان کے بعد مولانا نورالدین صاحب کا بھی یہی رنگ تھا اور یہ اس جماعت کی ایک ایسی خصوصیت تھی جو غیر احمدی مسلمانوں پر بہت اثر ڈالتی تھی۔ لیکن میاں

محموداحمد صاحب کے لئے جوخلافت تیار کی جارہی تھی وہ اس سے مختلف تھی۔اس کا ثبوت ایک باہر کے غیر جانبدار شخص کی زبانی سنیئے۔امرتسر کے ایک صاحب محمد اسلم جواحمدی نہ تھے۔قادیان دیکھنے کے لئے آتے ہیں اور کیا اثر لے کر جاتے ہیں۔ مولانا نورالدین صاحب کے متعلق تو لکھتے ہیں:

''جہاں تک میں نے دودن ان کی مجالس وعظ اور درس قرآن شریف میں رہ کران کے کام کے متعلق غور کیا مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور خالصتہً للہ اصول پر نظر آیا۔مولوی صاحب کا طرزِعمل ریا اور منافقت سے پاک ہے اوران کے آئینہ دل میں صداقت اسلام کا ایک ایک زبردست جوش ہے۔۔۔اگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہےتو قرآن مجید کی صادقانہ محبت جیسی مولوی صاحب میں مَیں نے دیکھی۔اور کسی میں نہیں دیکھی۔ یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے۔اور نہایت زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔۔۔مجھے حیرت اس بات کی ہوئی ہے کہ ایک اسّی (80) سالہ بوڑھا آدمی صبح سے شام تک لگاتار کام کرتا ہے۔۔۔مولوی صاحب کی تمام حرکات وسکنات میں صحابہ رضی اللہ عنہ کی سادگی اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔''

پھر یہ صاحب لکھتے ہیں کہ پیر پرستی کی لعنت مولانا نورالدین صاحب کی مجالس میں کسی جگہ نہیں تھی۔لیکن دوسرا رُخ بھی انہی کی زبانی سنیئے:

''ہاں ایک بات کسی حد تک پیر پرستی کی بنیاد آئندہ قادیان میں قائم ہوجانے کے متعلق مجھے نظر آئی وہ''الحکم'' کے ایڈیٹر کا مطبوعہ اشتہار تھا جو قادیان میں بہت جگہ چسپاں پایا گیا۔جو صاحبزادہ محمود احمد صاحب کے سفر حج سے بخیریت واپس آنے کی مبارکبادی کے لئے شائع کیا گیا۔جس کا مفہوم۔۔۔۔سیاق عبارت سے پیر پرستی کے خدوخال نمایاں کررہا تھا۔مجھے افسوس ہے کہ کیوں ایسے اشتہار کی اشاعت اس حد تک جائز رکھی گئی کہ وہ بہت دنوں سے خدا پرست قادیان کی دیواروں کو چمٹا ہوا ہے۔۔۔اس کو دیکھ کر مجھے خوف پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں یہ پیر پرستی کی خاموش چنگاری بڑھتے بڑھتے سارے قادیان کو بھسم نہ کرڈالے۔جو غالباً مولوی نورالدین صاحب کے اس دنیا سے رحلت فرمانے کے انتظار میں ہے۔۔۔''(اخبار''بدر''مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء)

غرضیکہ ایک غیر جانبدار دیکھنے والے کو بھی صاف نظر آرہا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کو کیا مقام دلانے کی تیاریاں ہورہی تھیں۔۔۔۔

تکفیر مسلمین کا فتنہ اور انصار اللہ پارٹی کا قیام:

ان دنوں میں جبکہ خواجہ کمال الدین صاحب پنجاب و ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لیکچر دیا کرتے تھے تو اس سے ان کی شہرت ملک بھر میں پھیل چکی تھی۔جھنگ کے ایک عام جلسہ میں خواجہ کمال الدین صاحب نے جو اعلان کیا کہ ہم ہر کلمہ گو کو مسلمان کہتے ہیں تو میاں محمود احمد صاحب نے اس کی تردید میں رسالہ'' تشحیذ الاذہان''میں اپریل ۱۹۱۱ء میں وہ مضمون تکفیر مسلمانان پر لکھا جس کے ذریعے تمام دنیا کے مسلمانوں کو خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہ سنا ہو یا آپ کو دل سے مانتے بھی ہوں مگر بیعت نہ کی ہو۔کافر خارج از اسلام قرار دے دیا۔سچ پوچھو تو یہی مضمون تھا جس نے جماعت کی جڑ پر کلہاڑا رکھ دیا اور اس کو دو حصوں میں منقسم کردیا۔مگر خلافت کے حصول کے لئے ایک مضمون لکھ دینا کافی نہ تھا۔میاں صاحب نے فوراً ایک پارٹی بنائی جس کا نام''انصار اللہ''رکھا۔اور جس کے لیڈر خود بنے۔اور پروپیگنڈہ جاری رکھا۔اس فتنہ نے یہاں تک زور پکڑا کہ مولانا نورالدین صاحب نے بستر علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو میاں محمود احمد صاحب نے نہیں سمجھا۔اور اس مسئلہ کو صاف کرنے کی خدمت مولانا محمد علی صاحب کو تفویض فرمائی۔تو میاں صاحب نے غضب ناک ہوکر ۲۵ فروری ۱۹۱۴ء کے''الفضل''میں ایک مضمون لکھا کہ خلیفہ کا فتویٰ کیا چیز ہے۔جس کو فتوے کی ضرورت ہو ہمیں ایک پیسہ کا کارڈ لکھ دے۔ہم حضرت مسیح موعود کی کتب سے اسے فتویٰ نکال کر بھیج دیا کریں گے۔یہی انصار اللہ پارٹی تھی جسے حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات سے پہلے قادیان میں جمع کیا گیا تاکہ خلافت کے حصول کے لئے ان سے پوری پوری مدد لی جائے۔چنانچہ جو خطوط حافظ روشن علی کی طرف سے انصار اللہ پارٹی کو مختلف شہروں میں لکھے گئے ان میں سے ایک خط کی نقل اخبار''پیغام صلح''مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء میں چھپی جس میں ذکر تھا کہ مولانا نورالدین صاحب کی عمر کا انداز اب دنوں کی بجائے گھنٹوں

میں کیا جاتا ہے اور آپ سب فوراً قادیان میں جمع ہو جائیں۔

مسئلہ تکفیر اور خلافت پر دو ٹریکٹ:

جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنے بسترِ علالت پر بہت سے لوگوں کے سامنے فرمایا تھا کہ مسئلہ کفر و اسلام کو ''ہمارے میاں نے بھی نہیں سمجھا'' اور مولانا محمد علی صاحب کو اس کی وضاحت کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا چنانچہ مولانا محمد علی صاحب نے اس پر ایک مضمون تصنیف فرمایا جو کہ ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء کو قادیان میں ہی چھپ کر شائع ہوا۔ اس میں میاں محمود احمد صاحب کے غلط عقیدہ کی تردید کی گئی ہے اور مولانا فرماتے ہیں؛

''مضمون لکھنے کے بعد میں نے اسے حضرت خلیفۃ المسیح کو سنا بھی دیا۔ چونکہ آپ ان دنوں میں بیمار تھے۔ آپ کے صاحبزادہ عبدالحیٔ نے یہ خیال کر کے شاید آپ پوری توجہ سے مضمون نہ سن سکتے ہوں عرض کیا کہ حضور سنتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں خوب سنتا ہوں اور مجھے مخالفت ہو تو میں کہہ نہ دوں؟ آخر مضمون پر آپ نے صحیح مسلم کی ایک حدیث درج کرنے کو فرمایا۔ چنانچہ وہ بھی درج کر دی گئی ہے''۔ (مسئلہ کفر و اسلام مطابق ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح)

اس کے ساتھ ہی مولانا محمد علی صاحب نے ایک ٹریکٹ بعنوان ''ایک نہایت ضروری اعلان'' شائع فرمایا جس میں جماعت کو پانچ باتوں کی طرف توجہ دلائی۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے ہاتھ پر چالیس آدمی بیعت کرلیں وہ خلیفہ بن گیا۔ بلکہ حضرت صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ نئے لوگوں کو سلسلے میں داخل کرنے کے لئے ایسے آدمی بیعت لینے کے مجاز ہوں گے جن کے نام پر چالیس آدمیوں کو اتفاق ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت صاحب کا کوئی حکم ہرگز ایسا نہیں کہ احمدیوں کو دوبارہ کسی شخص کی بیعت کی ضرورت ہو۔ تیسری بات یہ کہ مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ ہی حضرت مسیح موعود کی صحیح جانشین ہے۔ چوتھی بات یہ کہ مسئلہ کفر و اسلام میں خدا سے ڈر کر منہ سے لفظ نکالو۔ اور حضرت صاحب کے صحیح عقیدہ کو پہنچانو۔ جنہوں نے اپنے دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو بھی کافر نہیں ٹھہرایا۔ اور پانچویں بات یہ کہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی جانشینی کے مسئلہ کو سوچ سمجھ کر قومی مشورہ سے طے کرو۔ اس ٹریکٹ میں ان تمام باتوں کو اور انجمن کی صحیح پوزیشن کو نہایت صفائی اور تفصیل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ مگر یہ لاہور سے چھپ کر اس وقت قادیان پہنچا جب کہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کی وفات ہو چکی تھی اور قادیان کے حالات بگڑ چکے تھے۔

مولانا نور الدین صاحب کی وفات اور اس کے بعد کے واقعات:

حضرت مولانا نور الدین صاحب نے ۱۳ مارچ ۱۹۱۴ء جمعہ کے دن نماز جمعہ کے وقت جبکہ وہ باوجود ضعف کے حالت نماز میں تھے، وفات پائی۔ اس کے بعد جو واقعات ہوئے وہ مولانا محمد علی صاحب کی زبانی سنیے (جو کہ کتاب حقیقت اختلاف میں چھپ چکے ہیں):

''اسی دن بعد از نماز عصر ہم پانچ احباب جو وہاں موجود تھے۔ نواب صاحب کے مکان کی طرف گئے تا کہ آئندہ جو سلسلہ کی حالت ہوگی۔ اس کے متعلق گفتگو کی جائے۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے پیشتر میاں صاحب اکیلے سیر کے لئے موضع کھارا کی طرف نکل گئے تھے۔ میں نے بھی احباب سے یہی کہا کہ بہتر ہے میں تنہا ہی ان سے گفتگو کروں۔ چنانچہ میں ان کے پیچھے گیا۔ اور ان سے کہا کہ اس وقت جماعت میں مسئلہ کفر و اسلام کی وجہ سے دو فریق علی الاعلان ہو چکے ہیں۔ اس لئے آئندہ کے لئے جو نظام ہوگا وہ غور طلب ہے۔ کوئی ایسی صورت سوچنی چاہیے کہ جماعت کا اتحاد قائم رہے۔ میاں صاحب نے میری باتوں کا جواب یہ دیا کہ ایک خلیفہ منتخب کرلیا جائے۔ جس کے ہاتھ پر دونوں فریق بیعت کرلیں اور جو وہ کہے وہ مانیں۔ اسی صورت میں اتحاد رہ سکتا ہے۔ جواباً میں نے کہا کہ یہی تو وقت ہے کہ دونوں فریق ایک آدمی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ میں کم از کم ایسے شخص کو اپنا مرشد نہیں مان سکتا جو اہلِ اسلام کی تکفیر کا فتویٰ دیتا ہو۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرا فریق کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر کس طرح بیعت کر سکتا ہے جو ان کے نزدیک اتنے اہم معاملہ میں غلطی پر ہے۔ باتوں باتوں میں مَیں نے میاں صاحب کو کہا کہ اس مشکل کا حل دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ اس وقت ایک امیر کا انتخاب کرلیا جائے اور بیعت کو لازمی قرار نہ دیا جائے۔ جو شخص چاہے بیعت کرے۔ جو نہ چاہے نہ کرے۔ جب اس واقعہ پر کچھ وقت گذر جائے تو مسئلہ

کفر و اسلام پر فریقین اپنی اپنی دلیلیں پیش کریں۔ اس طرح سے ممکن ہے کہ دلائل کا غلبہ ایک طرف دیکھ کر ساری جماعت ایک ہی مسلک اختیار کرے۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ جو شخص خلیفہ کی بیعت نہ کرے وہ سلسلہ میں نہیں رہ سکتا۔ اس لئے یہ ناممکن العمل ہے۔ دوسری تجویز میں نے یہ پیش کی کہ سردست کوئی انتخاب نہ کیا جائے۔ چودہ دن کی کم سے کم مہلت دی جائے اور جماعت کے اہل الرائے احباب کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا جائے کہ اس وقت کا کیا علاج ہو۔ اس کا جواب میاں صاحب نے یہ دیا کہ اتنے دن انتظار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک دوسرے خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے پہلا خلیفہ دفن نہیں ہو سکتا۔ اور اتنے دن لاش نہیں رہ سکتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حل مشکلات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔

اگلے دن پھر ہم پانچوں احباب نواب صاحب کے مکان پر پہنچے اور اس معاملے میں کچھ گفتگو کرنی چاہیے مگر یہ کوشش بھی بے کار ثابت ہوئی۔ آخر نماز عصر کے بعد جلسہ لگا۔ نواب صاحب نے اُٹھ کر وصیت پڑھی۔ مولانا محمد احسن صاحب نے میاں محمود احمد صاحب کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا۔ میں نے کھڑے ہو کر چاہا کہ ان باتوں کا ذکر کروں جو مجھ میں اور میاں صاحب میں ہوئی تھیں مگر چند آدمیوں نے اُٹھ کر شور مچا دیا کہ ہم ہرگز نہیں سنیں گے اور ادھر تختِ خلافت مبارک کے آوازے شروع ہو گئے۔ میاں صاحب نے خاموشی سے ان باتوں کو سنا اور اس قدر بھی لب نہ ہلا سکے کہ ان کی بات تو سُن لو۔ ہم وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے‘‘۔

یہ اجتماع جس کا ذکر مولوی محمد علی صاحب نے کیا ہے مسجد نور میں ہوا تھا۔ اور جب مولوی محمد علی صاحب نے کچھ بولنے کی کوشش کی تو حافظ روشن علی سیکرٹری انصار اللہ پارٹی اور شیخ یعقوب علی تراب نے جو اس موقع کے منتظر تھے چلا کر کہنا شروع کیا کہ ہم نہیں سننا چاہتے۔ یہ ایک سگنل تھا جس پر تمام انصار اللہ پارٹی ایک دم کھڑے ہو کر چلانے لگ گئے کہ ہم نہیں سننا چاہتے اور ایک دم میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور ساتھ اس قدر اُچھل کود مچی کہ الامان اور ’’تختِ خلافت مبارک‘‘ اور ’’ایوان خلافت مبارک‘‘ کے نعرے لگنے لگے۔

اس کے بعد گورنمنٹ اور باہر کی جماعتوں کو غلط تاریں دی گئیں کہ میاں محمود احمد صاحب بالاتفاق خلیفہ چن لئے گئے ہیں اور تمام اطراف میں کثرت سے آدمی بھیج دیئے گئے جنہوں نے دور افتادہ ناواقف احمدیوں سے تحریری بیعت پر دستخط کروا کے قادیان کو روانہ کیا۔ اور جس غلط پروپیگنڈے سے جماعت کو مغالطے میں ڈال ڈال کر سمیٹا گیا وہ ایک لمبی داستان ہے۔

جب مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے ساتھ کچھ لوگ مسجد نور سے اُٹھ کر آپ کے مکان پر چلے آئے تو ڈاکٹر بشارت احمد صاحب بھی اُن کے ساتھ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ابھی مسجد سے نعروں کی آوازیں آ رہی تھیں جو مرزا سلطان احمد مرحوم (فرزند حضرت مسیح موعود) مولوی محمد علی صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے۔ اتفاق سے وہ بھی مسجد میں موجود تھے۔ انہوں نے آتے ہی مولانا محمد علی صاحب سے کہا کہ میرے بھائی نے جو بدسلوکی اپنے باپ کے پرانے دوستوں سے آج روا رکھی ہے میں اس کی معافی مانگنے آیا ہوں۔ اس بدتہذیبی کو دیکھ کر جو ابھی مسجد میں روا رکھی گئی ہے۔ میں ندامت سے زمین پر گڑھ گیا۔ (پیغام صلح مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۷ء)

پیغام صلح مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۴ء میں مولانا محمد علی صاحب کا ایک مضمون ’’حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت‘‘ کے عنوان سے شائع ہوا جس میں ان غلط عقائد کی تردید کی گئی ہے جو میاں محمود احمد صاحب کی طرف سے حضرت صاحب کی طرف اب منسوب کئے جا رہے تھے۔ اور ۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء کے اخبار میں مسئلہ اسلام و کفر پر جو مضمون شائع ہوا وہ ’’حسب ارشاد حسب مولوی نور الدین صاحب مرحوم‘‘ لکھا گیا تھا۔ اسی اخبار میں ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا قادیان سے لکھا ہوا ایک خط شائع ہوا جس سے اس وقت کے حالات پر مزید روشنی پڑتی ہے اور جس کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں:

’’خاکسار اور لاہور کے بہت سے احباب ۱۴ مارچ کی صبح کو قادیان پہنچ گئے۔ یہاں پر جس خطرہ سے حضرت مولوی محمد علی صاحب نے نہایت عاقبت اندیشی سے پہلے سے ہی قوم کو مطلع کر دیا ہوا تھا حرف بحرف سچا پایا۔ ہر طرف سکول کے طلباء پرجوش انصار اللہ اور شیخ یعقوب علی صاحب اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ اِدھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ کوشش یہ ہو رہی تھی کہ جہلاء کو بھڑکایا جائے اور میاں صاحب کے خلیفہ مقرر کرنے پر اکسایا جائے۔ مستری موسیٰ صاحب کو

قادیان کے راہ میں نہر کے پل پر کھڑا کیا گیا تھا۔ جہاں وہ جماعت کے نووارد احباب سے یہ کہہ کر دستخط کرواتے تھے کہ آیا تم جماعت کے لئے خلیفہ مقرر کرنا پسند کرتے ہو یا نہیں لیکن جس کاغذ پر دستخط کروائے جاتے تھے اس پر لکھا تھا کہ خلیفہ مقرر ہو۔ خلیفہ چاہے انجمن کو توڑ دے یا رکھے۔ جس ممبر کو چاہے نکالے وغیرہ۔ اسی طرح دوپہر ہوگئی مگر ان اہل الرائے احباب کو جو باہر سے آئے ہوئے تھے کسی نے نہیں پوچھا۔ مسجد نور میں میاں صاحب نے تقریر کی اور اس کے بعد میں مولوی محمد علی صاحب نے فرمایا کہ جو کچھ کرو مشورہ سے کرو۔ جلدی ہی کام خراب نہ کرو۔ دوپہر کے وقت ہم نے خلیفہ رجب دین صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھیجا تا کہ سمجھا دیں کہ جو کچھ ہو جماعت کے مشورہ سے کیا جائے۔ جلدی کرنے کی کوشش کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں کوئی ملکی انتظام خراب نہیں ہو رہا۔ اس لئے پہلے تجہیز و تکفین ہو۔ بعد میں اہل الرائے احباب کو بلا کر دس پندرہ دن کے اندر مشورہ کیا جائے۔ کیوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح کے وقت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ آج ہمارے درمیان بڑا بھاری اختلاف ہے۔ ایک گروہ وہ سب مسلمانوں کو جو حضرت صاحب کو نہیں مانتے کافر سمجھتا ہے۔ دوسرا گروہ ہر ایک کلمہ گو کو مسلمان کہتا ہے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم انتظار نہیں کر سکتے جو کچھ ہونا ہے آج ہونا چاہیے۔ اور اس سے پہلے کہ جنازہ دفن ہو خلیفہ مقرر ہونا چاہیے۔۔۔۔''

نماز عصر کے بعد مسجد نور میں جو واقعہ ہوا اس کے متعلق لکھتے ہیں:

''نواب صاحب نے کھڑے ہو کر حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت پڑھی۔ اور کہا کہ آپ کا جانشین کوئی پسند کرنا چاہیے۔ اس پر جیسا کہ پہلے سے انتظام کیا ہوا تھا۔ مختلف اطراف سے آوازیں آئیں کہ ''میاں صاحب'' اس کے بعد مولوی محمد احسن صاحب نے بھی میاں صاحب کو تجویز کیا لیکن جب مولوی محمد علی صاحب کچھ کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو شیخ یعقوب علی صاحب، حافظ روشن علی اور دوسرے لوگوں نے شور ڈال دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ اور کچھ کہنے نہ دیا۔ چنانچہ میاں صاحب نے خود بھی کہا کہ مولوی محمد احسن صاحب کے بعد کسی کو تقریر نہ کرنے دو۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح کی وصیت کے خلاف جس میں ارشاد تھا کہ میرا جانشین پرانے احباب سے درگذر، چشم پوشی اور نیک سلوک کرے، عمل شروع کیا اور خلافت کی خوشی میں اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اس کے بعد حالانکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نعش پڑی تھی۔ 'مبارک! مبارک! میاں صاحب کو تختِ خلافت مبارک! ایوان خلافت مبارک!' کے نعرے بلند ہوئے اور بازاری گروہ کی طرح شور ہو گیا۔۔۔۔ اس کے بعد خلافت کے ایجنٹ کچھ اڈے پر کھڑے ہو گئے اور کچھ شہر میں پھرنے لگے۔ اور ہر شخص کو مجبور کروا کر دستخط کرانے لگے''۔

مولانا محمد علی صاحب کے ساتھ مسجد نور میں جو افسوس ناک سلوک ہوا اُس پر خود قادیان کے اپنے ایک اخبار ''نور'' میں اس طرح اظہار افسوس کیا گیا:

''ایک رنجیدہ امر''

میرے اس اظہار پر بعض دوستوں کو رنج پہنچے۔ مگر جس شخص نے سچائی کی خاطر اپنے والدین تک کے عزیز رشتہ کو چھوڑ دیا تو دوستو بتاؤ اب اسے سچائی کے اظہار کے لئے کونسی بات مانع ہو سکتی ہے۔ حضرت سید محمد احسن صاحب کی تقریر کے بعد جناب مولوی محمد علی صاحب نے کچھ بولنے کی خواہش کی مگر افسوس بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے جناب مولوی صاحب کو سختی سے بولنے کے لئے منع کر دیا۔ ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ ہونا وہی تھا جو کچھ ہوا تو پھر کیا وجہ تھی کہ مولوی محمد علی صاحب کو بولنے کے لئے موقع نہ دیا گیا۔ ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ان کی زبان سے ایسے ہی لفظ نکال دیتا جو ہمارے ہی حق میں ہوتے۔ اپنے دوستوں کے لئے ہمارے دل میں وسعت ہونی چاہیے۔ آہ آج ایک چھوٹا بچہ جسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے وہ بھی ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ہم اس امر سے انکاری نہیں ہیں کہ مولوی محمد علی صاحب کے دل میں اشاعتِ دین کے لئے ایک خاص ولولہ ہے۔ اور خدمتِ دین کے لئے آپ کے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ ہے اور دینی خدمت کے لئے اپنی جان اور صحت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ قادیان کے رہنے والوں کے لئے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ خاکسار ایڈیٹر نور کی سکول سے علیحدگی صرف جناب مولوی محمد علی صاحب کے ذریعہ ظہور میں آئی۔ مگر یہ میرا نہایت ہی کمینہ پن ہوگا کہ آج میں اپنی ذاتی کدورت کی وجہ سے ایک معزز بھائی کے مسلمہ قابلیت سے انکار کر دوں۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کے ساتھ جو

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح کی محبت اور پیار تھا۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔'' (از اخبار ''نور'' قادیان مورخہ ۱۴۔۱۷ مارچ ۱۹۱۴ء)

اس کے علاوہ متعدد خطوط اس وقت جماعت کے ان لوگوں نے لکھے جو اس وقت مسجد میں موجود تھے اور جن میں اس وقت کے واقعات پر اظہار رنج و افسوس کیا ہے۔ ان میں سے کئی خطوط اخبار ''پیغام صلح'' میں چھپے اور ان سب میں اس بات پر انتہائی رنج کا اظہار کیا گیا ہے کہ میاں محمود احمد صاحب کے سامنے ایسے آدمیوں نے جن کی مولانا محمد علی صاحب کے مقابل میں کوئی ہستی بھی نہ تھی گستاخی سے ان کو ڈانٹ کر بٹھا دیا۔ اور میاں صاحب چپ کر کے سب کچھ دیکھتے رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے مولانا نور الدین صاحب کی وصیت پڑھی جا چکی تھی کہ میرا جانشین حضرت صاحب کے پرانے اور نئے احباب سے نیک سلوک کرنے والا ہو۔ یہ سب خطوط ماہ مارچ کے اس وقت کے لکھے ہوئے ہیں جبکہ ابھی مولانا محمد علی صاحب قادیان میں ہی تھے۔

قادیان میں مزید قیام اور وہاں سے ہجرت:

ان حالات کے بعد مولانا محمد علی صاحب مزید کچھ عرصہ قادیان میں ہی رہے۔ ۷ مارچ کو آپ نے ''پیغام صلح'' میں اعلان شائع فرمایا کہ جس میں یہی فرمایا کہ دین ایمان کا معاملہ ایسا نہیں کہ جس میں جلد بازی سے کام لیا جائے لیکن ہمارا سلسلہ مسلمانوں کی تکفیر پر جمع نہیں ہو سکتا۔ حضرت مرزا صاحب نے کبھی اپنے نہ ماننے والوں کو اپنے دعویٰ کے انکار کی وجہ سے کافر قرار نہیں دیا۔ اور یہی مذہب مولانا نور الدین صاحب کا تھا۔ جنہوں نے اپنے آخری ایام میں میاں محمود احمد صاحب کو صاف کہہ دیا کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں سمجھتے۔ اس کی تطبیق کے لئے مجھے مامور فرمایا۔ اس لئے ہم ایسے کسی شخص کی بیعت نہیں کر سکتے جو مسلمانوں کو کافر کہتا ہو۔ ہاں سلسلہ کے کام میں ہم اکٹھا رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۹ مارچ کے اخبار میں بھی آپ نے بعض واقعات دُہرا کر اسی بات پر زور دیا اور منجملہ اور باتوں کے فرمایا:

''جو کارروائی کی گئی اس کو اور نہیں تو قابلِ افسوس ضرور کہوں گا۔۔۔۔ اگر ہماری جماعت نری دھڑابندی پر ہے تو میں ضروری غلطی پر ہوں۔ لیکن اگر حق اور صداقت کوئی چیز ہے اور کسی قسم کی زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت کرنا خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو قرآن کریم کی رُو سے گناہ ہے۔ تو میں نے اس حق کو ظاہر کرنے میں پہلے بھی اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اور آئندہ بھی کروں گا۔ خواہ مجھ پر کوئی فتویٰ جاری کیا جائے۔ میں اپنے لئے اگر کسی بات کا مدعی ہوں یا خواہشمند ہوں تو مجھ سے بڑھ کر لعنتی کوئی نہیں کہ حق کی آڑ میں فساد پھیلاتا ہوں لیکن میرے دل میں ایک درد ہے، اور وہی مجھے مجبور کرتا ہے کہ سب مصیبتوں کو قبول کر کے بھی اس کا اظہار کروں۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر وہ امر ہے جس کے لئے حضرت مرزا صاحب نے اپنے مخالف مولویوں کو سخت ملزم قرار دیا ہے۔ آہ! آج وہ بات جس کے لئے دوسروں کو ملزم قرار دیا گیا تھا اس کا ارتکاب ہم خود کر رہے ہیں۔ میرا تو دل کانپ جاتا ہے کہ **لاالہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** کہنے والے کو کافر خارج از اسلام قرار دیا جائے۔۔۔۔

اگر درحقیقت سب کلمہ گو جب تک وہ مسیح موعود پر ایمان نہ لائیں کافر ہیں تو پھر ہماری اشاعتِ اسلام کی کوشش بے سُود ہے۔ کسی ہندو یا عیسائی کو کلمہ پڑھا لینا ایک عبث بات ہے۔۔۔ ان حالات میں امیر یا خلیفہ کا انتخاب ایک مشکل سوال ہو جاتا ہے۔ ایسی مشکل کو حل کرنے کے لئے قوم کو بہت سے تدبر، بہت سے مشوروں اور بہت سی دعاؤں کی ضرورت تھی اور اب بھی ہے۔ ایسے اہم امور کا منٹوں میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔۔۔۔

جو کچھ بھی نتائج مجھے بھگتنے پڑیں ان کے لئے تیار ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور توفیق چاہتا ہوں کہ وہ مجھے حق پر استقامت دے اور مصائب میں صبر عطا فرمائے۔ آخر میں عرض یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کام کرنے میں ویسا ہی مل کر رہنا چاہیے جیسا کہ پہلے رہے ہیں اور کسی حالت میں ہمارے ان کاموں میں فرق نہ آنا چاہیے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے سپرد کئے ہیں اور انہی کاموں میں اپنے مکرم دوست خواجہ کمال الدین صاحب کے کاموں کو شامل سمجھتا ہوں۔۔۔ اور جو کوئی اس کو ضعف پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ بھی ایک تفرقہ کی بنیاد ڈالے گا۔''

ان دونوں میں جبکہ مولانا نور الدین صاحب کی وفات کے بعد مولانا محمد علی

صاحب قادیان میں مقیم تھے آپ کا وہاں رہنا مشکل کر دیا گیا۔ سوقیانہ نعروں اور طعن و تشنیع کے آوازوں کا نشانہ آپ کو بنایا جانے لگا۔ جب حالات بد سے بدتر ہو گئے تو آپ ۲۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو قادیان چھوڑ کر لاہور آ گئے۔

مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کے دوسرے دور کا اختتام:

اس واقعہ کے ساتھ اپریل ۱۹۱۴ء میں مولانا محمد علی صاحب کی زندگی کا دوسرا دور ختم ہوتا ہے۔ جو قادیان کی زندگی کے پندرہ سالوں پر مشتمل تھا۔ اس دور کا آغاز مولانا کی اس زبردست قربانی سے ہوتا ہے جو آپ نے پچیس سال کی عمر میں اپنے دنیاوی مستقبل کو چھوڑ کر اور حضرت صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر پیش کی اور ۲۵ سال کی عمر سے لے کر ۴۰ سال کی عمر تک اپنی جوانی کا بہترین زمانہ قادیان میں گذارا۔ ان پندرہ سالوں میں آپ کو پہلے آٹھ سال حضرت مسیح موعود کا وہ قرب اور صحبت میسر آئی جو کم کسی کو آئی ہوگی۔ حضرت صاحب نے نہ صرف آپ کو اپنے گھر میں جگہ دی اور اس طرح سے ان کا مسلسل جسمانی قرب آپ کو میسر آیا بلکہ مولانا محمد علی صاحب نے حقیقی معنوں میں حضرت صاحب سے روحانی نسبت حاصل کی اور حضرت صاحب سے آپ نے دین اسلام کی اشاعت کا درد اور قرآن کا عشق اور اس کو دنیا میں پھیلانے کی تڑپ اپنے دل میں لی۔ اور حضرت صاحب نے بھی آپ کو وہ سب کام سپرد کئے جن کو آپ نے اپنے آنے کا مقصد ٹھہرایا۔ پھر حضرت صاحب سے اور مولانا نورالدین صاحب سے آپ نے قرآن سیکھا اور اس دور کے دوسرے چھ سالوں میں مولانا نورالدین صاحب کے منشاء کے مطابق انگریزی ترجمہ قرآن اور اُردو ترجمہ کے اس کام کا آغاز کیا جو حضرت مسیح موعود کے ارشاد کے مطابق آپ کا اپنا تھا یا اس کا جو آپ کی شاخ ہے اور آپ میں ہی داخل ہے۔ ان پندرہ سالوں میں سے تیرہ سال تک آپ نے ریویو آف ریلیجنز کو جاری کر کے چلایا اور اس شان کے ساتھ چلایا کہ اس زمانے میں اس رسالے کی شہرت ہندوستان سے نکل کر غیر ممالک میں پھیل گئی۔ اور اپنے اور بیگانے سبھی کو اعتراف کرنا پڑا کہ مجددِ وقت نے جو اسلام کا خوبصورت چہرہ پیش کیا ہے وہ اور کہیں نظر نہیں آتا۔ پھر جب حضرت صاحب نے اپنی جانشین صدر انجمن احمدیہ قادیان قائم کی تو قریباً آٹھ سال تک اس کے سیکرٹری اور رُوح رواں مولانا محمد علی صاحب رہے اور جگہ جگہ جماعتوں کا قیام اور تنظیم ہوئی اور اس انجمن کا بجٹ اس زمانے کے دو لاکھ روپے تک پہنچا۔ اور اس کی جائیداد میں معتدبہ اضافہ ہوا جس میں ڈیڑھ لاکھ روپے کی ایک عمارت مدرسہ تعلیم الاسلام اور اس کے بورڈنگ کی تھی جس کی تعمیر آپ نے اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی۔ لیکن اس سب بنے بنائے کارخانے کو، اس محبوب مقام کو جہاں آپ کو امام زماں کی صحبت میسر آئی اور جہاں آپ نے ان سے اور دیگر بزرگان سے وہ فیوض حاصل کئے جنہوں نے آپ کی زندگی کو بدل دیا۔ ۱۹۱۴ء میں ایک اصول کی خاطر آپ نے چھوڑا اور خالی ہاتھ لاہور کو ہجرت فرمائی۔ ہاں ایک چیز آپ کے پاس تھی اور وہ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ تھا۔ جس کو آپ قادیان سے اپنے ساتھ لاہور لائے۔

دورسوم

لاہور کی زندگی۔اپریل ۱۹۱۴ء تا اکتوبر ۱۹۵۱ء

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور کی ابتدا

احمدیہ بلڈنگس کی مختصر تاریخ:

قادیان سے ہجرت کرنے کے بعد مولانا محمد علی صاحب نے لاہور میں احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرمایا۔ جہاں لاہور کے ممبران یعنی خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکانات تھے۔ یہیں پر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔

اخبار پیغام صلح کا اجراء:

مولانا محمد علی صاحب کے لاہور تشریف لانے سے پہلے اخبار ''پیغام صلح'' کا اجرا ہو چکا تھا۔ جولائی ۱۹۱۳ء میں جماعت میں اندرونی طور پر بہت خلفشار پیدا ہو چکا تھا۔ اور میاں محمود احمد صاحب اور ان کی پارٹی کے افراد لاہور کے ممبروں کے متعلق جماعت میں چہ میگوئیاں کرتے پھرتے تھے۔ اس وقت قادیان کے اخبارات ''الحکم'' اور ''بدر'' زیادہ تر میاں صاحب کے ہی زیراثر تھے اور مولوی نورالدین صاحب کو مولانا محمد علی صاحب، خواجہ صاحب اور لاہور کے ممبروں سے

بدظن کرنے کی کوششیں بڑے زور وشور سے جاری تھیں۔ دوسری طرف خواجہ کمال الدین صاحب کو انگلستان گئے ایک ہی سال ہوا تھا اور وہاں سے رسالہ ''مسلم انڈیا اینڈ اسلامک ریویو'' جاری ہو چکا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس رسالہ کے چیدہ چیدہ مضامین کا اردو ترجمہ اور ووکنگ مشن کی ضروری خبریں ہندوستان کے لوگوں کو پہنچائی جائیں۔ ان ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے ''پیغام صلح سوسائٹی'' کے نام سے مشترک سرمائے کی ایک کمپنی بنائی۔ اور اس کے ماتحت اخبار ''پیغام صلح'' جولائی ۱۹۱۳ء میں جاری ہوا۔ مولانا نور الدین صاحب نے بھی اس اخبار کے نکلنے کو منظور فرمایا اور ایک حصہ پانچ روپے کا تبرکاً خود خریدا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر ایک صاحب احمد حسین فرید آبادی تھے۔ جن کا تعلق میاں صاحب کی انصار پارٹی سے تھا اور چند ایک اشاعتوں میں انہوں نے ''پیغام صلح'' کو بھی انہی عقائد کا ذریعہ بنانا چاہا۔ چنانچہ ان کو بعض خود ساختہ بیانات کی اشاعت کرنے پر نومبر ۱۹۱۳ء میں برطرف کر دیا گیا اور مولوی دوست محمد صاحب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ان ابتدائی ایام میں جن اصحاب نے خاص طور پر اس اخبار کی ترقی میں حصہ لیا ان میں ایک تو خود ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب تھے۔ دوسرے بابو منظور الٰہی صاحب اور تیسرے مولانا عبد الحق ودیارتھی۔

جب مارچ ۱۹۱۴ء میں مولانا نور الدین صاحب کی وفات ہوئی اور میاں محمود احمد صاحب نے اپنے پہلے سے تیار کئے ہوئے معاونین کی مدد سے خلافت کی گدی پر متمکن ہو کر ان بزرگان کو جو ان کے عقائد سے اختلاف رکھتے تھے فاسق کہنا شروع کیا اور صدر انجمن کے قواعد بدل کر مختارِ کل خلیفہ بن گئے تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد پڑی اور اس وقت سے ''پیغام صلح'' کو بھی اسی انجمن کی ملکیت اور اس کا آرگن قرار دے دیا گیا اور ''پیغام صلح سوسائٹی'' کا وجود ختم ہو گیا۔

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا قیام:

قادیان میں ان افسوسناک حالات کے بعد جن کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ مولانا محمد علی صاحب نے ۲۲ مارچ ۱۹۱۴ء کو لاہور میں احمدی احباب کی ایک مجلسِ شوریٰ بلائی۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر چند احباب جمع ہوئے اور صورت حال پر غور کرنے کے بعد جو فیصلے ہوئے ان کا ماحصل یہ تھا:

(۱): حسب وصیت حضرت مسیح موعود، صدر انجمن احمدیہ قادیان کے فیصلے قطعی سمجھے جائیں اور کسی ایک شخص کو ان کے مسترد کرنے کا حق حاصل نہ ہو۔

(۲): جس بزرگ کو احمدی قوم کا امیر سمجھا جائے اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کی بیعت لازمی نہ ہو جو پہلے سے احمدی ہیں۔

(۳): چونکہ میاں محمود احمد صاحب کے ہاتھ پر چالیس آدمیوں سے زائد نے بیعت کر لی ہے اس لئے ان کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے بیعت لینے کا اختیار ہوگا۔

(۴): اگر میاں محمود احمد صاحب انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دیں اور پرانے احمدیوں سے دوبارہ بیعت لینا لازم تصور نہ کریں تو ان کو صدر انجمن احمدیہ کا پریذیڈنٹ اور کل جماعت کا امیر تسلیم کیا جائے۔

یہ فیصلے حضرت مسیح موعود کے ان ارشادات کے عین مطابق تھے کہ ''میرے بعد سب مل کر کام کرو'' اور یہ کہ آپ کے بعد انجمن کے فیصلے قطعی ہوں گے اور کسی ایک شخص کو ان میں ردّ و بدل کا اختیار نہ ہوگا۔ اور یہ کہ انجمن ہی آپ کی جانشین ہوگی اور یہ بھی کہ نئے احباب کو سلسلہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے ایسے بزرگ جن کے ناموں پر چالیس آدمی اتفاق کر لیں وہ حضرت مسیح موعود کے نام پر بیعت لیا کریں۔ اگرچہ ان تمام احباب کو جو اس مجلس میں تھے۔ میاں صاحب کے عقیدہ تکفیر اہل اسلام سے اصولی اختلاف تھا۔ مگر جماعت کی سالمیت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اس بات پر تیار تھے کہ اگر میاں صاحب الوصیت کے ماتحت کام کریں تو ان کو امیر مان لیا جائے۔ ان احباب کا خیال تھا کہ وہ مسئلہ تکفیر کو جماعت کے آگے واضح کر دیں گے اور جماعت ضرور حق کو تسلیم کر لے گی۔

چنانچہ ان فیصلوں کی نقول میاں محمود احمد صاحب کو قادیان بھیجی گئیں اور اخبار ''پیغام صلح'' مورخہ ۲۴، ۲۶ مارچ ۱۹۱۴ء میں شائع کی گئیں۔ پندرہ آدمیوں کا ایک وفد تجویز ہوا تا کہ وہ ۲۸ مارچ کو میاں محمود احمد صاحب سے ملاقات کرے۔ اور ان تجاویز کے منظور کروانے کی کوشش کرے لیکن میاں صاحب نے اپنے جواب میں اس وفد سے ان تجاویز پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۸ مارچ کو احباب پھر لاہور میں جمع ہوئے اور مولانا محمد علی صاحب نے ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ اب ہم کیا کریں۔ آپ نے ایک مدلّل اور جامع تقریر

کی۔ ہمارے سامنے اب یہ سوال ہے کہ حضرت صاحب کی تحریرات اور الوصیت کو مقدم رکھا جائے یا نہ۔ اور آپ نے حضرت صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی وہ تحریر مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۷ء پیش کی جس میں صریح الفاظ میں انجمن کو اپنا جانشین اور اس کے فیصلوں کو قطعی قرار دیا تھا۔ اور آپ نے ثابت کیا کہ حضرت صاحب نے کسی ایسے خلیفہ کو اپنا جانشین تصور ہی نہیں کیا جو انجمن کا مطاع ہو۔ آپ نے اور بھی سب واقعات سنائے (جن کا ذکر پہلے آچکا ہے) کہ کسی طرح مولوی نورالدین صاحب کے زمانے سے ہی آپ کو اور احباب لاہور کو انجمن سے نکالنے کی کوششیں ہوئیں اور کس طرح وہ ناکام ثابت ہوئیں۔ اس کے بعد اور احباب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے قادیان کے حالات سنائے کہ مولانا محمد علی صاحب کا وہاں رہ کر کام کرنا اب ناممکن ہو گیا ہے چنانچہ مشورہ کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:

(۱): چونکہ میاں صاحب نے ان فیصلوں کے متعلق جو ۲۲ مارچ کو طے ہوئے تھے۔ وفد سے ملنے سے انکار کر دیا ہے اس لئے اب وفد کو قادیان جانے کی ضرورت نہیں۔

(۲): ریزولیوشن جو پچھلے جلسہ میں پاس کئے گئے تھے ان کو بحال رکھا جائے۔

(۳): چونکہ حسب وصیت حضرت مسیح موعود، اشاعت اسلام اس سلسلہ کی اصل غرض ہے اور اس خدمت کا حتی الوسع بجالانا ضروری ہے اور بوجہ اختلاف کے قادیان میں بیٹھ کر ان خدمات کا انجام دینا موجب فتنہ ہے۔ اس لئے بامر مجبوری مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک انجمن بنام اشاعت اسلام قائم کی جائے جس کا صدر مقام لاہور ہو۔

(۴): اس انجمن کے کم از کم چالیس معتمدین ہوں۔

مندرجہ ذیل عہدیداران باتفاق رائے منظور ہوئے:

صدر: مولانا محمد علی صاحب۔ ایڈیٹر ''ریویو آف ریلیجنز''

نائب صدر: مولوی غلام حسن خان صاحب (پشاور)۔

شیخ نیاز احمد صاحب، (وزیر آباد)

خان عجب خان صاحب، صوبہ سرحد۔

سیکرٹری: ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب،

محاسب: شیخ رحمت اللہ صاحب

اسسٹنٹ سیکرٹری: حکم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ

قواعد تجویز کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے ممبر مولانا محمد علی صاحب، مولوی عالم دین صاحب وکیل، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، چشتی عبدالرحمٰن صاحب اور خلیفہ رجب دین صاحب تھے۔ چندہ کے لئے اپیل کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اُس وقت موقع پر جو چندہ ہوا وہ کل ۳۲۵ روپے تھا۔ اس مجلس میں ۱۲۹ احباب شامل ہوئے جن میں سے کچھ کے نام یہ ہیں۔ مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، شیخ نیاز احمد صاحب (وزیر آباد) شیخ محمد جان صاحب (وزیر آباد)، سید حامد شاہ صاحب، حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ، چوہدری محمد سرفراز صاحب (بدوملہی)، مولوی عالم دین صاحب، وکیل (شیخوپورہ)، چشتی عبد الرحمٰن صاحب، ماسٹر غلام محمد صاحب (سیالکوٹ)، شیخ فیض الرحمٰن صاحب (امرتسر)، صوفی احمد دین صاحب، عبد الحنان خان صاحب (پشاور) اور مرزا عبدالغنی صاحب۔

اس وقت تک پوزیشن یہ تھی کہ یہ سب لوگ صدر انجمن احمدیہ قادیان سے علیحدہ نہ ہوئے تھے۔ مگر چونکہ مولانا محمد علی صاحب اور ان کے رفقاء کا قادیان میں رہ کر خدمت دین کا کام کرنا مشکل کر دیا گیا تھا اس لئے وہ لاہور رہ کر اس کام کو ایک انجمن کے ذریعے چلانا چاہتے تھے۔ جماعت کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا ایک ایسا قدم تھا جس پر ان بزرگان نے بعد میں بہت سوچ سمجھ کر اور جبراً قدم اٹھایا۔ اس وقت تک ان کی پہلی پیشکش قائم تھی یعنی یہ کہ میاں محمود احمد صاحب حضرت مسیح موعود کی مقرر کردہ حدود کے اندر بے شک امیر جماعت ہوں۔

میاں محمود احمد صاحب نے فوراً اپنی جماعت کو سختی سے حکم دیا کہ وہ لاہور کے احباب کی کوئی تحریر نہ پڑھیں۔ ان احباب لاہور کے پاس اپنے نظریہ کی اشاعت کے لئے اخبار ''پیغام صلح'' کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اور وہ بھی جماعت کے سب افراد کو نہ جاتا تھا۔ بہر حال مولانا محمد علی صاحب نے اسی اخبار کے ذریعہ جماعت کے سامنے اصل حقائق کو رکھنا شروع کیا۔ آپ کا ایک طویل مضمون بعنوان ''چند کھلی

کھلی باتیں'' ۱۲اپریل ۱۹۱۴ء کو بطور ضمیمہ اخبار ''پیغام صلح'' شائع ہوا۔ جس میں حضرت صاحب کی تحریر مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء بھی چھاپی گئی۔ اور مولانا نورالدین صاحب کے وقت کا عملی نمونہ بھی پیش کیا گیا۔ پھر ۲۲ مارچ کے جلسہ شوریٰ کی تجاویز اور میاں صاحب کا ان کو رد کر دینے کا ذکر کر کے مولانا محمد علی صاحب نے لکھا:

''اس خیال سے تا قوم کی طاقت کو اپنے اصل مقصد کی طرف لگایا جائے اور اس خیال سے کہ اہلِ قبلہ کے کفر کا مسئلہ اشاعتِ اسلام اور سلسلہ کی ترقی میں خطرہ ہے'' اور جو کام اشاعت اسلام کا اس وقت یورپ میں شروع کیا گیا ہے اس میں حرج واقعہ نہ ہو۔ یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ علاوہ اس کام کے جو صدر انجمن احمدیہ کے تحت مل کر افراد سلسلہ کر رہے ہیں۔ ایک انجمن لاہور میں اشاعت اسلام کی غرض سے بنائی جائے جس کا مقصد سلسلہ کی اصل غرض کو، جو اشاعت اسلام ہے، قوت دینا ہو، اور اس کام کو ایک مستحکم بنیاد پر رکھ کر نئے جوش کے ساتھ اس میں وہ سب احباب شریک ہوں۔ جو عام اہلِ اسلام اہل قبلہ کلمہ گوؤں کو کافر نہیں کہتے۔۔۔ چنانچہ اسی بنیاد پر توکلاً علی اللہ ایک انجمن کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔۔۔ جس صورت میں اصل غرض ہمارے سلسلہ کی جو بار بار حضرت مسیح موعود فرما چکے ہیں۔ اشاعت اسلام ہی ہے۔ اس لئے ہم جس قدر بھی زور اشاعت اسلام پر لگا سکیں اور جس قدر بھی اپنے مالوں اور جانوں کو اس کام کے لئے وقف کر سکیں تھوڑا ہے۔ میرے دوستو! اسلام سخت مصائب کے نیچے ہے۔ اس کی اشاعت کرنا یہ ایک ایسا عظیم الشان کام ہے کہ ابھی تک جو تم نے اس بارے میں کیا وہ درحقیقت ایک پہلا قدم ہے۔ اگر دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے عہد میں پکے ہو تو آؤ اور پورا زور اس رسّی کے کھینچنے میں لگاؤ۔۔۔۔ یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو۔ ہمت بکار ہے تعداد بکار نہیں۔ **کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن اللّٰه** اللہ کا اذن تبھی ہو گا جب تم اپنی طرف سے کوئی کمی نہ رکھو۔۔۔ ظاہری کوشش بھی کرو اور باطنی بھی یعنی دعاؤں میں مصروف ہو جاؤ۔ **ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم**۔''

مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۱۴ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان کا حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات کے بعد پہلا اجلاس قادیان میں ہوا۔ جس میں مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب بھی شامل ہوئے لیکن انہوں نے دیکھا کہ وہ امور جو ایجنڈا پر بھی نہ اترے اس مجلس میں تحکمانہ طور پر پاس ہونے لگے۔ اور جن ممبران نے اصرار کیا کہ ہماری رائے اس کے خلاف ہے۔ وہ لکھ لی جائے تو لکھنے سے انکار کر دیا گیا۔ منجملہ اور امور کے صدر انجمن میاں محمود احمد صاحب کی کاسٹنگ ووٹ سے یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ خواجہ کمال الدین صاحب کی مدد کے لئے مولوی شیر علی صاحب کو ولایت نہ بھیجا جائے۔ حالانکہ مولوی نورالدین صاحب کے وقت بھی یہ پکا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد مندرجہ ذیل چار ممبر وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ مولانا محمد علی صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔

اس کے دو دن ہی بعد یعنی ۱۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو میاں صاحب نے چند خاص آدمیوں کے ایک اجلاس میں صدر انجمن احمدیہ پر وہ تبر چلایا جس سے اُس کی جڑیں کٹ جاتی تھیں۔ یعنی انجمن کے قاعدہ نمبر ۱۸ میں جو کہ حسب ذیل تھا:

''ہر ایک معاملہ میں مجلس معتمدین۔۔۔ اور صدر انجمن احمدیہ اور اس کی کل شاخ ہائے کے لئے حضرت مسیح موعود کا حکم قطعی اور ناطق ہوگا''۔

یہ تجویز کی گئی کہ الفاظ ''حضرت مسیح موعود'' کی جگہ ''حضرت خلیفۃ المسیح مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ثانی'' درج کئے جائیں۔ اس بات کی اطلاع مولوی محمد علی صاحب کو پہنچی تو آپ نے ۲۱ اپریل کے پیغام صلح میں ایک کھلا اعلان شائع کیا جس کا عنوان تھا:

''صدر انجمن احمدیہ قادیان''

انا للّٰه وانا اليه راجعون''

اور بتایا کہ کس طرح اس تبدیلی سے اس انجمن کا جو حضرت صاحب نے بنائی تھی وجود ختم ہو جائے گا لیکن میاں محمود احمد صاحب نے اپنی تجویز کو ۲۶ اپریل کے اجلاس معتمدین میں اپنے بیعت کردہ ممبران کی کثرت رائے سے پاس کروالیا۔ جس پر ۵ مئی ۱۹۱۴ء کے پیغام صلح میں مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر مرزا صاحب، ڈاکٹر شاہ صاحب وغیرہ ہم کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا جس میں تمام معاملے کی پھر وضاحت کی گئی اور اس اعلان کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا:

''اب عملاً وہ انجمن ٹوٹ گئی ہے جس کے قواعد کی یہ بے حرمتی کی گئی ہے اور

ایک غیر مامور کو مامور کا رتبہ دے دیا گیا ہے۔ اور پھر زکوٰۃ اور اشاعت اسلام کے فنڈ جو حضرت مسیح موعود کی زندگی میں بھی کلیتہً انجمن کے تصرف میں تھے اب میاں محمود احمد صاحب کے تصرف میں چلے گئے ہیں۔ چونکہ ہم قانونی چارہ جوئی کر کے قوم کی طاقت اور روپیہ کو برباد کرنا نہیں چاہتے اس لئے ہم اپنی بیزاری کا اعلان شائع کرتے ہیں اور اس اعلان کے ذریعے اپنے فرض سے سبکدوش ہوتے ہیں اور خدا کے نزدیک بری الذّمہ ہیں کیونکہ کسی قانونی صورت کو اختیار کرنے میں بجائے فائدے کے نقصان زیادہ نظر آتا ہے‘‘۔

ان حالات کے اندر مورخہ ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا باقاعدہ قیام ہوا اور ۳ مئی ۱۹۱۴ء کو ہی اس کی معتمدین کا پہلا اجلاس ہوا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب نے قواعد انجمن پیش کئے جو پاس ہوئے۔ مولانا محمد علی صاحب کو امیر قوم اور پریذیڈنٹ منتخب کیا گیا اور عہدیداران وہی رہے جن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ سوائے اس کے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب کی جگہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب فنانس سیکرٹری ہوئے۔ کل ۵۹ ممبران معتمدین کے منتخب ہوئے جن میں سے چودہ دوامی تھے۔

ان تمام حالات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ اختلاف کے ڈیڑھ ماہ بعد تک مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے رفقاء کی یہی کوشش رہی کہ کسی طریق پر جماعت کی سالمیت برقرار رہے۔ حتیٰ کہ میاں محمود احمد صاحب کو امیر جماعت ماننے کی پیشکش بھی کی گئی۔ مگر اس شرط پر کہ وہ حضرت مسیح موعود کے ارشادات کے خلاف مختار کل خلیفہ نہ بن جائیں کیونکہ ایک تو یہ الوصیت کے خلاف تھا اور دوسرے میاں صاحب نے ایک خطرناک عقیدہ تمام مسلمانوں کے کفر کا گھڑ لیا تھا۔ مگر جب میاں صاحب نے انجمن کے قواعد کو بدل کر مختار کل خلیفہ کی حیثیت حاصل کی تو مجبوراً صدر انجمن احمدیہ سے علیحدہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کو قائم کیا گیا۔ باقی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ جب حضرت صاحب نے انجمن کے فیصلوں کو قطعی قرار دے دیا اور اسی انجمن نے میاں محمود احمد صاحب کو ایک مختار کل خلیفہ بنالیا تو کیا اس سے اُن کا ماننا ضروری ہو گیا۔ اس بات کا جواب ۵ مئی ۱۹۱۴ء والے اعلان میں وضاحت سے دیا جاچکا ہے۔ اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ چونکہ حضرت صاحب نے یہ حدود رکھ کر اس انجمن کو قائم کیا تھا کہ آپ کے بعد کوئی شخص واحد آپ کا جانشین نہ ہوگا اس لئے انجمن خود اپنے قواعد کے ہی مطابق حضرت مسیح موعود کے فیصلہ کے خلاف نہ کر سکتی تھی۔ اور آپ کی مقرر کردہ حدود کو توڑنے کی مجاز نہ تھی۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے رفقاء کا صدر انجمن احمدیہ قادیان سے اخراج:

۱۲ مئی ۱۹۱۶ء کو صدر انجمن احمدیہ قادیان میں ایک ریزولیوشن مولانا محمد علی صاحب اور پانچ دیگر ممبران کے اخراج کے لئے پیش کیا گیا۔ پھر ۲۲ جون ۱۹۱۶ء کو بذریعہ ریزولیوشن نمبر ۲۱۳ مندرجہ ذیل ممبران کو نوٹس دیا گیا کہ کیوں نہ ان کو صدر انجمن احمدیہ سے خارج کر دیا جائے۔ (۱): مولانا محمد علی صاحب
(۲): ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب (۳): ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب
(۴): شیخ رحمت اللہ صاحب (۵): خواجہ کمال الدین صاحب
(۶): مولانا غلام حسن خان صاحب۔

اس سلسلے میں ان چھ ممبران کی طرف سے جو جواب دیا گیا۔ اس کے کچھ حصے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

’’صدر انجمن احمدیہ قادیان بنا کردہ ۱۹۰۶ء کی بنیاد حضرت مسیح موعود کی وصیت ہے۔ جس کے قواعد خود حضرت کی زندگی میں بنے اور ان کی اجازت اور منظوری سے شائع ہوئے اور ان پر انجمن کا عملدرآمد ہوا۔ اس وصیت پر حضرت اقدس نے ایک کوڈی سل یعنی تکملہ ۱۹۰۷ء میں لکھا جو میر ناصر نواب کی خلاف ورزی انجمن مذکور پر حضرت نے تنبیہاً لکھا جس میں آپ نے قطعی فیصلہ کیا کہ انجمن کے فیصلہ جات جو کثرت رائے سے ہوں وہ قطعی ہوں گے۔ اور آپ کے بعد انجمن کے فیصلہ جات کی بحالی یا منسوخی کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہ ہوگی۔

(۲): آپ لوگوں نے اس بنیادی اصول کو چھوڑ دیا اور حضرت مسیح موعود کے وضع کردہ قاعدہ نمبر ۱۸ میں سے حضرت صاحب کا نام کاٹ کر میاں محمود احمد صاحب کا نام درج کر دیا اور حضرت اقدس کے منشاء کے خلاف انجمن پر میاں محمود احمد صاحب کو حاکم قرار دیا۔ اس طرح آپ کی اس کارروائی کے بعد یہ وہ انجمن نہیں رہی جس کی بنیاد حضرت اقدس کی وصیت اور آپ کی کوڈی سل یا تکملہ ہے۔ ہم بحیثیت احمدی ہونے کے اور حضرت اقدس کے الفاظ کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھ کر اس انجمن کی کارروائیوں میں شریک ہونا ہتکِ احمدیت سمجھتے ہیں۔

(۳): رہا یہ مغالطہ کہ میاں صاحب کو یہ اختیار انجمن احمدیہ کے ایک جلسہ نے کثرت رائے سے دیا ہے، اس طرح حضرت اقدس کی شرائط کی تکمیل ہوگئی۔ اولاً اس ساری کارروائی میں قانونی سقم ہیں۔ جن کی موجودگی میں یہ کارروائی قانوناً کالعدم ہے۔ علاوہ ازیں، کوئی وصی اغراض و اصول وصیت کو توڑ نہیں سکتا۔ اس وصیت میں جہاں وصیوں کی کثرت رائے سے اغراض وصیت نفاذ پاتے ہیں۔ وہ وصی اپنی کثرت رائے سے غرض و غایت وصیت کو کالعدم نہیں کر سکتے۔ کثرت رائے یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ آئندہ اشاعت اسلام کے کل معاملے کثرت رائے سے نہیں بلکہ ایک شخص واحد کی رائے سے سرانجام پائیں گے۔ جس صورت میں بانی انجمن حضرت مسیح موعود یہ اپنی فیصلہ کن تحریر اپنے قلم سے لکھ کر انجمن کے سپرد کر چکے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص واحد اس امر کا مجاز نہیں کہ وہ اس انجمن کے کثرت رائے کے فیصلوں کو توڑ سکے۔ تو آپ کا اپنے میں سے ایک شخص کو یہ اختیار دے دینا غرض و غایت وصیت کو ہی کالعدم کرنا ہے''۔

اس اختتامی حصہ میں جو یہ الفاظ ہیں کہ صدر انجمن کی آمد دوسری انجمن کو منتقل ہو رہی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میاں محمود احمد صاحب نے چندوں کے روپے کو ایک انجمن بنام ''ترقی اسلام'' بنا کر اس کے نام پر منگوانا شروع کر دیا تھا اور یہ غالباً قانونی مشورہ کے ماتحت تھا کہ صدر انجمن احمدیہ کے اموال پر ان اصحاب لاہور کی طرف سے قانونی چارہ جوئی نہ ہو جائے۔

لیکن انجمن قادیان کو اس جواب اور اس کے دلائل سے کوئی غرض نہ تھی۔ جو کچھ انہوں نے کرنا تھا وہی ہوا اور کچھ عرصہ بعد ان ۶ ممبران کا اخراج انجمن قادیان سے ہوا۔ یہ واضح رہے کہ ایک تو قادیان کی انجمن اس وقت صدر انجمن احمدیہ نہ رہی تھی۔ کیونکہ جس دن اس انجمن نے حضرت مسیح موعود کی مقرر کردہ حدود کو توڑ کر ایک بنیادی قاعدے کو بدل دیا۔ اُس دن سے صدر انجمن احمدیہ قادیان کا وجود ختم ہوگیا۔ دوسرے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے سب سے پہلے چودہ ممبروں میں سے جو حضرت مسیح موعود نے بنائے تھے۔ سات ممبر اختلاف کے بعد جماعت لاہور کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب مرحوم کے بعد قادیان میں جو ممبر رہ گئے وہ چھ تھے اور ان میں سے بھی تین میاں محمود احمد صاحب کے رشتہ دار تھے یعنی ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب (ماموں)، ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب (خسر) اور نواب محمد علی خان صاحب (بہنوئی)، صرف دو ممبر میر حامد شاہ صاحب اور سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراس ان کے علاوہ تھے جو کہ غیر رشتہ دار تھے۔ گویا عملی طور پر بھی حضرت مسیح موعود کی بنائی ہوئی صدر انجمن احمدیہ قادیان کی صحیح جانشین احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور بنی، جس کے قائد اور امیر مولانا محمد علی صاحب تھے۔

قادیانی عقیدہ نبوت کب بنایا گیا؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً بیان کر دیا جائے کہ قادیانی عقیدہ دوبارہ نبوت مرزا غلام احمد صاحب کب بنایا گیا۔ ان مسائل پر بہت مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اور اس مضمون پر سب سے جامع کتاب مولانا محمد علی صاحب کی ''النبوۃ فی الاسلام'' ہے جس کا کوئی جواب جماعت قادیان کی طرف سے نہیں نکلا۔ لیکن چونکہ مولانا محمد علی صاحب کی زندگی میں جماعت قادیان کے ساتھ بحث و دعوت مقابلہ وغیرہ کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس لئے ان قارئین کی اطلاع کے لئے جو سب کتابوں کو نہیں پڑھ سکتے مختصراً اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے ساتھ ہی نبوت کے دعوے سے انکار بھی کیا اور یہاں تک لفظ اپنے قلم سے لکھ دیئے کہ ''ہم مدعی نبوت پر لعنت بھیجتے ہیں۔'' آپ کی تحریروں میں بعض لفظ ایسے آئے ہیں جن سے مخالف مولویوں نے مراد دعویٰ نبوت لیا اور اس وجہ سے آپ پر کفر کے فتوے لگائے گئے۔ جن کے جوابات حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے نہایت صفائی سے اور بار بار واضح کر کے دیئے۔ اور جو جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے چند مثالیں یہ ہیں۔ ''نبوت کا دعویٰ نہیں، بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا ہے۔'' (ازالہ اوہام ص ۴۲۱)۔ ''ان لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے''۔ (حمامتہ البشریٰ ص ۸)۔ ''میرا نبوت کا کوئی دعویٰ نہیں۔ یہ آپ کی غلطی ہے''۔ (جنگ مقدس ص ۶۷)۔ ''اور اگر یہ اعتراض ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ تو بغیر اس کے کیا کہیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین المفترین'' (انوار الاسلام ص ۳۴)۔ ''افتراء کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے''۔ (کتاب البریہ ص ۱۸۱)۔ دعویٰ نبوت کی غلطی بعض مخالفین کو کیوں لگی؟ اس کا جواب خود اکابرِ قادیان کی زبانی سن

لیجئے۔جس سے یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ جب تک میاں محمود احمد صاحب نے تکفیر مسلمانوں کا عقیدہ بعض مصلحتوں کی بناء پر ایجاد نہیں کیا تھا۔تب تک جماعت احمدیہ کے کسی فرد کے دل میں حضرت مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کے متعلق کوئی وہم تک بھی نہ تھا اور حضرت صاحب کی تحریرات میں جو لفظ نبی کبھی استعمال ہوا ہے۔وہ خود حضرت صاحب کی ہی بیان کردہ توجیہہ کے مطابق لغوی معنوں میں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنے والے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اور حضرت صاحب خود فرما چکے ہیں کہ اس سے مراد محدث ہے۔۔۔

اکابرین کی گواہیاں حسب ذیل ہیں:

(۱): مفتی محمد صادق صاحب۔ایڈیٹر اخبار ''بدر'' قادیان جو کہ بعد میں میاں محمود احمد صاحب کے خاص مریدوں میں سے ہوئے،اپنے اس دورہ کا ذکر کرتے ہوئے جو کہ انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا کیا اور جس میں ان کے ساتھ مولوی سرور شاہ صاحب (میاں صاحب کے ایک اور خاص مرید) بھی تھے،اپنے اخبار ''بدر'' مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۱۰ء میں صفحہ ۹ پر مولانا شبلی کے ساتھ ملاقات کے ذکر میں لکھتے ہیں:

''مولوی شبلی صاحب کی زیارت کے واسطے ان کے مکان پر پہنچے ۔۔۔۔دریافت فرمایا کہ کیا ہم لوگ مرزا صاحب مرحوم کو نبی مانتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ ہمارا عقیدہ اس بارے میں دیگر مسلمانوں کی طرح ہے۔آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔نہ نیا نہ پُرانا۔ہاں مکالمات الہیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور وہ بھی آنحضرت صلعم کے طفیل آپ سے فیض حاصل کر کے اس امت میں ایسے آدمی ہوتے رہے جن کو الہام الٰہی سے مشرف کیا گیا اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔چونکہ حضرت مرزا صاحب بھی الہام الٰہی سے مشرف ہوئے اور الہام کے سلسلہ میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی آئندہ کی خبریں بھی بطور پیشگوئی کے بتائی جاتی تھیں۔جو پوری ہوتی رہیں۔اس واسطے مرزا صاحب ایک پیشگوئی کرنے والے تھے اور اس کو عربی لغت میں نبی کہتے ہیں اور احادیث میں بھی آنے والے مسیح موعود کا نام نبی رکھا۔

اس پر شبلی صاحب نے فرمایا کہ لغوی معنوں کے لحاظ سے یہ ہوسکتا ہے اور عربی لغت میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں لیکن عوام اس مفہوم کو نہ پانے کے سبب گھبراتے ہیں۔میں نے عرض کی کہ مرزا صاحب کی نبوت کا مسئلہ ہمارے ہاں ایسا نہیں کہ شرائط بیعت میں داخل ہو۔یا بیعت کے وقت اس کا اقرار لیا جاتا ہو یا اس کا ہم وعظ کرتے پھرتے ہوں۔۔۔۔

اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح (یعنی مولانا نورالدین صاحب) کا ایک تازہ خط اخبار میں درج کردوں جو حضور نے سردار محمد عجب خاں صاحب کے جواب میں لکھا ہے۔اور اسے موکد بحلف کیا ہے۔سردار صاحب موصوف کی گفتگو ایک شخص کے ساتھ اس معاملے میں ہوئی تھی۔انہوں نے اس کا جواب دیا۔وہ حضرت کی خدمت میں لکھ کر دریافت کیا کہ آیا میرا جواب درست ہے یا نہیں۔حضرت صاحب نے ان کے جواب کے ساتھ اتفاق کیا ہے اور اس کی زیادہ وضاحت سے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے۔جو درج ذیل ہے:

'السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

دل چیر کر دیکھنا یا دکھانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔قسم پر کوئی اعتبار کرے تو واللہ العظیم کے برابر کوئی قسم مجھے نظر نہیں آتی۔نہ آپ میرے ساتھ میری موت کے بعد ہوں گے نہ کوئی اور میرے سوائے میرے ایمان و اعمال کے ہوگا۔پس یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے والا ہے **واللّٰہ العظیم واللّٰہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض** ۔میں مرزا صاحب کو مجدد اس صدی کا یقین کرتا ہوں۔میں ان کو راستباز مانتا ہوں۔حضرت محمد الرسول اللہ النبی العربی المکی المدنی خاتم النبیین کا غلام اور اس کی شریعت کا بدل خادم مانتا ہوں۔اور مرزا خود اپنے آپ کو جان نثار غلام نبی عربی محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف کا مانتے تھے۔نبی کے معنی لغوی پیش از وقت اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر خبر دینے والا ہم لوگ یقین کرتے ہیں۔نہ شریعت لانے والا۔مرزا صاحب اور میں خود جو شخص ایک نقطہ بھی قرآن شریف کا اور شریعتِ محمدؐ رسول کا نہ مانے میں اسے کافر اور لعنتی اعتقاد کرتا ہوں۔یہ میرا اعتقاد ہے اور یہ میرے نزدیک مرزا غلام احمد کا تھا۔کوئی ردّ کرے یا نہ، مانے یا منافق کہے اس کا معاملہ حوالہ بخدا۔۔۔نورالدین بقلم خود ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء''

نوٹ: یہ خط مولانا محمد علی صاحب کے کاغذات میں محفوظ ہے۔

(۲): میاں محمود احمد صاحب کے استاد سید سرور شاہ صاحب لکھتے ہیں:

لفظ نبی کے معنی اوّل اپنے خدا سے اخبارِ غیب پانے والا۔دوئم عالی رتبہ شخص

جس کو اللہ تعالیٰ بکثرت شرفِ مکالمہ سے سرفراز کرے اور غیب کی خبروں پر مطلع کرے اس رنگ میں میرے نزدیک تمام مجددین سابق مختلف مدارج کے انبیاء گذرے ہیں"۔ ("بدر" ۱۶ فروری ۱۹۱۱ء)

(۳): خود میاں محمود احمد صاحب فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو (آنحضرت صلعم کو) خاتم النبیین کے مرتبہ پر قائم کر کے آپ پر ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ کر دیا۔ (الحکم ۱۱ مارچ ۱۹۱۱ء)

"آنحضرت صلعم کے دعوے کے بعد تیرہ سو برس گذر گئے ہیں کہ کسی نے آج تک نبوت کا دعویٰ کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔"

("تشحیذ الاذہان" اپریل ۱۹۱۰ء)

(۴): میر محمد سعید صاحب، امیر جماعت حیدر آباد دکن:

"حضرت مرزا صاحب نے صرف محدث ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ نہ نبی حقیقی ہونے کا جو خاتم النبیین کے منافی اور لا نبی بعدی کے خلاف ہے"۔

(انوار اللہ ص ۲۶۹ مطبوعہ ۱۹۰۴ء)

غرضیکہ یہ بات تو صاف ہو گئی کہ نہ مرزا غلام احمد صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا نہ کبھی ان کی جماعت کے افراد میں سے کسی کے دل میں اُن کی وفات کے کئی سال بعد تک کبھی کوئی ایسا خیال آیا۔ لفظ نبی جو آپ کے الہامات میں یا تحریرات میں کبھی آیا تو اسے واضح طور پر سب کے سب مجازی، ظلی اور لغوی معنوں پر محمول سمجھتے رہے۔

حضرت صاحب کی وفات کے بعد جو مولانا نور الدین صاحب کو "خلیفۃ المسیح" کہا جاتا رہا اور ان کی بیعت کی گئی وہ بیعت خدا کے کسی حکم کے ماتحت نہ تھی کیونکہ وہ آیت استخلاف کے ماتحت خلیفہ نہ تھے۔ آیت استخلاف حضرت محمد صلعم پر نازل ہوئی۔ اور آپ کے بعد خلفاء کا ایک سلسلہ چلا۔ انہیں میں سے ایک حضرت مسیح موعود تھے۔ دوئم۔ یہ بیعت حضرت مسیح موعود کے کسی حکم کے ماتحت نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی "الوصیت" میں احمدیوں کو آپ کے بعد کسی اور شخص کی بیعت کرنے کا حکم نہ تھا۔ پس مولانا نور الدین صاحب کی بیعت ان لوگوں کا اپنا فعل تھا۔ اور اطاعت کی بیعت تھی۔ مولانا محمد علی صاحب نے اس وقت بھی اعتراض کیا تھا کہ احمدیوں کو مولانا نور الدین صاحب کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرنے کی ضرورت نہیں لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تجدید بیعت میں کوئی حرج بھی تو نہیں۔ اس وقت جماعت کے دلوں میں انتشار ہے وہ دُور ہو جائے گا۔ مولانا نور الدین صاحب کو خلیفہ کہنا لغوی معنوں میں تھا۔ یعنی پیچھے آنے والا۔ آیت استخلاف کے ماتحت وہ خلیفہ نہ تھے۔ اور اُن کی زندگی اور ان کے طرزِ عمل سے یہ بخوبی ثابت ہے کہ انہوں نے کبھی انجمن کے فیصلے کو اپنے حکم سے نہیں توڑا۔ اور کبھی اس کے قواعد میں تبدیلی کروا کر اپنے آپ کو مطاع الکل خلیفہ نہیں بنوایا (جیسا کہ میاں محمود احمد صاحب نے کیا)۔

لیکن جب میاں محمود احمد صاحب اپنی "خلافت" کی تیاریوں میں مصروف تھے تو چونکہ مولانا محمد علی صاحب اور آپ کے رفقاء کا نظریہ خلافت کے بارے میں سب کو معلوم تھا۔ اس لئے میاں صاحب جانتے تھے کہ ان کے بارے میں یہی سوال پیدا ہوگا کہ مسیح موعود تو خود آنحضرت صلعم کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کا خلیفہ کیا معنی۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے عقیدہ تکفیر مسلمانان ایجاد کیا۔ جیسا کہ ذکر آ چکا ہے اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود کی طرف یہ بات منسوب کی کہ آپ نے ۱۹۰۱ء سے پہلے کی آپ کی تحریرات کو منسوخ کر دیا۔ اور آپ کی طرف نبوت منسوب کر کے اپنی خلافت کو قائم کیا۔ یہ ایک ایسا خطرناک الزام تھا کہ مولانا محمد علی صاحب اور دیگر بزرگان نے اس کو فوراً چیلنج کیا۔ اور اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ مولانا محمد علی صاحب نے اس بات پر میاں صاحب کو بار بار مخاطب کیا لیکن ان کو کبھی مقابلے پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جماعت کے ۷۰ ستر بزرگان، جن سب نے ۱۹۱۵ء سے پہلے بیعت کی تھی، وہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ نہ تو حضرت صاحب نے ۱۸۹۱ء میں دعویٰ نبوت کیا نہ ۱۹۰۱ء میں اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر کے دعویٰ نبوت کیا۔

اس حلف کی اشاعت کے ساتھ ساتھ خواجہ کمال الدین صاحب نے اور مولانا محمد علی صاحب نے بڑے زور سے میاں محمود احمد صاحب کو چیلنج دیئے کہ وہ بھی حضرت صاحب کے ان اصحاب سے جنھوں نے ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کی بیعت کی، یہ شہادت دلوائیں کہ وہ ۱۹۰۱ء سے پہلے حضرت صاحب کو مجدد مانتے تھے مگر ۱۹۰۱ء میں حضرت صاحب نے اپنے عقیدہ در بار نبوت میں تبدیلی کر لی اور اس کے بعد وہ ان کو نبی ماننے لگے۔ پھر یہاں تک چیلنج دیا کہ ایسی

صرف ایک شہادت پیش کر دیں۔مگر میاں صاحب کو اس چیلنج کے قبول کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی اور ان کے اخبار ''الفضل'' مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۱۵ء میں جو اعلان نکلا وہ صرف اس قدر تھا:

''ہمارے احباب خواجہ صاحب کو فرداً فرداً جواب نہ دیں جو حلفیہ شہادتیں خواجہ صاحب نے طلب کی ہیں۔ان کی نسبت جدا جدا طبع آزمائی کی ضرورت نہیں۔ سلسلہ عالیہ کے مرکز اور مقام خلافت سے ہی سب کا یکجا جواب ہو جائے گا۔''

اس کے بعد چالیس پنتالیس سال گذر گئے اور مولانا محمد علی صاحب کے بار بار مطالبہ کے باوجود قادیان سے ایک حلفی شہادت بھی نہ نکل سکی۔

غرضیکہ یہ تھا کہ قادیانی عقیدہ نبوت اور تکفیر کا پس منظر جماعت قادیان کے ساتھ جو کچھ تعلقات رہے۔ان کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔اس موقع پر یہ مزید ذکر کر دینا مناسب حال ہوگا کہ اختلاف کے فوراً بعد ہی میاں محمود احمد صاحب نے لاہور کے احباب پر انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کرنا شروع کیا اور یہ ہمیشہ ان کی طرز رہی۔ چنانچہ مولانا محمد علی صاحب اور ان کے احباب کو ''ڈھائی بوٹیاں تے فتو باغبان'' کا خطاب دیا گیا۔اور کہا گیا کہ یہ ''جہنم کی چلتی پھرتی آگ'' ہیں ''اور گو بھی شلغم کے گلے سڑے چھلکے ہیں'' اور یہ کہ ''ان سے بدترین قوم آج تک صفحہ زمین پر پیدا ہی نہیں ہوئی''۔

ان خطابات کے عنایت کرنے کے ساتھ ساتھ ہی میاں صاحب کو ''الہام'' بھی ہوا کہ ''لیمـزقنهم'' کہ یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور یہ پیشگوئی بھی کر دی گئی۔ پھر جہاں کہیں احباب لاہور میں آپس میں کچھ اختلاف ہوتا تو اُسے پیشگوئی کا نتیجہ بتا دیا جاتا لیکن زمانے نے خود بتا دیا کہ مولانا محمد علی صاحب کی قیادت میں جماعت لاہور نے کتنی ترقی کی اور کیا کیا کام کئے ۔مولانا محمد علی صاحب نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

''جس وقت ہم علیحدہ ہوئے ہیں مجھے بھی الہام ہوا تھا۔ والآخـرة خيـر لك مـن الاولـى ۔اور آج واقعات بتاتے ہیں کہ یہ الہام پورا ہوا اور خدا تعالیٰ کس طرح اس قوم کو ترقی دیتا چلا گیا۔اور اس سے اپنے دین کی نصرت کے لئے عظیم الشان کام لیتا چلا گیا جو قادیانی جماعت سے نہ ہو سکے۔''

(خطبہ جمعہ ۵ جنوری ۱۹۴۵ء ''پیغام صلح'' ۱۷ جنوری ۱۹۴۵ء)

ترتیب و تدوین: وقاص احمد

آراء بابت جماعت احمدیہ لاہور و حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر اوّل جماعت احمدیہ لاہور

جریدہ الہلال:

۔۔۔''ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بنا پر دو جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعوؤں پر ایمان نہ لائیں لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں وہ قطعی کافر ہیں انا لله وانا اليه راجعون ۔آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ بشیر الدین محمود ہیں۔اس گروہ نے انہیں اب خلیفہ قرار دیا ہے مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔مولوی محمد علی صاحب ایم اے نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے اور جس عجیب و غریب جرأت اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے جہاں۔۔۔ پہلے گروہ کے رؤسا ہیں وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا''۔(الہلال ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء)

خواجہ حسن نظامی صاحب:

''احمدیہ جماعت لاہور کی خدمت اسلام کا مجھے عرصہ دراز سے اعتراف ہے اگرچہ میں اس جماعت کے ان عقائد کو تسلیم نہیں کرتا۔ جو میرے عقائد کے خلاف ہوں تاہم اشاعت اسلام حفاظت اسلام اور تبلیغ اسلام وغیرہ خدمات جو احمدیہ جماعت لاہور انجام دیتی ہے اور دیتی رہی ہے وہ بے حد تعریف کے قابل ہے۔''

(پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۴ء)

مجھے تبلیغی تعلقات کے سبب اپنی عمر کی ابتداء سے آج تک (مولانا محمد علی) مرحوم سے ملنا جلنا رہا اور میں ان کو اسلام کا بہت بڑا اور بہت کامیاب خدمت گذار مانتا ہوں''۔(منادی بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۱ء)

میر غلام بھیک صاحب نیرنگ:

معتمد جمعیۃ مرکزیہ تبلیغ الاسلام انبالہ:

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی خدمات مشہور اور مسلم ہیں، اشاعت

اسلام کی ضرورت ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن اسلام پر جو وقت آج آپڑا ہے اس سے بدتر وقت غالباً آج تک کبھی نہیں پڑا۔ جو افراد یا جماعتیں ایسے وقت میں ہمہ تن عمل ہو کر خدمت اشاعت اسلام انجام دیں وہ نہایت مبارک ہیں ایسے وقت میں قوم کو میرا پیغام یہی ہے کہ اشاعت اسلام کو دوسرے تمام کاموں پر مقدم سمجھو''۔

شیخ عظیم اللہ صاحب، سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور:

--------''میں بلاخوف تردید عرض کرتا ہوں کہ میں دلی مسرت سے آپ کی انجمن کو ان کارناموں کے لئے جو اس نے دیگر ممالک اور خصوصاً یورپ میں اشاعت اسلام کے دائرہ میں دکھائے ہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ اس میدان میں انجمن موصوف نے جو نیک مثال پیش کی ہے اس کی جملہ اہل اسلام کو خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر تقلید لازم ہے۔ زمانہ حال میں اشاعت اسلام کے لے جو سرگرمی ایثار اور قربانی احمدیہ جماعت کا دستور العمل رہا ہے وہ دوسرے تمام فرقوں کے لئے سبق آموز ہے۔ میں ذاتی طور پر ہر اس فرد اور جماعت کا مداح ہوں جو بنی نوع انسان کی کچھ قابل قدر خدمت ادا کرے اور میرا یقین ہے کہ یہ اسلام کی ترغیب اور اس کی اشاعت میں بنی نوع انسان کی ایک نہایت پیش بہا اور حقیقی خدمت ہے اور ان دنوں میں اس معیار پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے سوا دیگر بہت کم جماعتیں پوری اتری ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی جماعت کو اسلام کی اس سچی خدمت کے لئے مزید توفیق بخشے اور جزائے خیر و احسن عطا فرمائے۔'' (پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

ملک محمد جعفر خان صاحب مصنف احمدیہ تحریک:

''لاہور جماعت کو ہم ایک طرح سے مظلوم سمجھتے ہیں۔ مبالعین کے مقابلہ میں یہ لوگ بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ لیکن انہوں نے اشاعت اسلام کا ٹھوس کام قادیانیوں کی نسبت کہیں زیادہ کیا ہے''۔ (احمدیہ تحریک ص ۳۱۳)

جماعت احمدیہ کی خدمت اسلامی کی داد نہ دینا ظلم ہے۔

''ولادت مسیح، وفات مسیح، ظہور مسیح موعودؑ وغیرہ مسائل میں ہمارا آپ کا اختلاف ہے۔ وہ ظاہر ہے لیکن جو عام خدمات اسلامی آپ کی جماعت ہمت و سرگرمی، جوش انہماک کے ساتھ انجام دے رہی ہے ان کی داد نہ دینا ظلم ہے اور داد کیا معنی مجھے تو بار بار رشک آچکا ہے، یورپ، امریکہ میں تبلیغ اسلام کی کوششیں آپ کے امیر جماعت کا انگریزی ترجمہ قرآن، اُردو تفسیر قرآن، سیرت خیر البشر، تاریخ خلافت راشدہ، مقام حدیث وغیرہ متعدد انگریزی و اُردو تصانیف نیز خواجہ صاحب کا اسلامک ریویو ان سب کے ذریعہ سے انگریزی خوانوں تک جو روشنی پہنچ رہی ہے۔ اس کے فیض سے کوئی واقف کار کیسے انکار کر سکتا ہے''۔

(پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

اخبار صدق:

''-----'لاہوری احمدیوں' کی ایک چھوٹی سی جماعت کا مرکز ہے۔ جماعت کی کل تعداد چند ہزار سے زائد نہ ہوگی۔ یہ اصل ''قادیانیوں'' سے الگ اور مرزا صاحب کی نبوت کے منکر ہیں۔ ان کے امیر مولوی محمد علی ایم۔اے ہیں ان کی عمر اب ۷۰ سال سے کچھ اوپر ہے-----انہی امیر نے اپنی جماعت سے دنیا میں ان تبلیغی مرکزوں کے لئے چندہ کی اپیل کی تھی اور چھوٹی سی قوم نے ایک سال کے اندر میں ایک لاکھ ۲۸ ہزار کی رقم فراہم کر دی''۔ (صدق ۶ مارچ ۱۹۴۶ء)

---''یہ الفاظ کسی عالم دین کے نہیں، بلکہ---ہمارے دیوبند، ہمارے ندوہ، ہماری تبلیغی انجمنوں اور درسگاہوں کے سر ندامت سے جھک جانے چاہئیں۔ ایک احمدی (لاہور) مجاہد کے ہیں! یہ تعداد میں مختصر و قلیل لیکن جوش عمل میں اپنی آپ نظیر، جماعت یہی نہیں کہ قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں سالہا سال ہوئے کر چکی ہے اور اس کے بعد مزید قابل رشک ہمت سے کام لے کر پہلے ڈچ اور اب جرمن زبان میں بھی ترجمہ اور تشریح کی سعادت کی اولیت اس کے حصہ میں آچکی ہے۔ جماعت کے بعض عقائد کیسے ہی بودے اور لغو سہی لیکن یہ اتنی بڑی خدمات دین کیا نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں؟ کاش اس جماعت کا عشر عشیر ہی ولولہ عمل ہم میں موجود ہوتا؟ اور کاش ہمارے علماء یہ بھی سمجھ لیتے کہ تکفیر و تفسیق سے زیادہ موثر، ٹھوس اور تعمیری عمل ہوا کرتا ہے''۔ (صدق ۱۵ ستمبر ۱۹۳۹ء)

مولانا عبدالمجید قرشی، مدیر ''اعلان'':

''لاہوری جماعت کا یہ حال ہے کہ صرف جاوا اور ملایا میں ان کے متعدد

اخبارات ہیں۔ بالمقابل اپنا حال دیکھتے ہم اہل سنت جن کی تعداد سات کروڑ سے کم نہ ہوگی۔ ایک بھی ایسا تبلیغی مشن نہیں رکھتے جس کے مبلغوں نے اشاعت اسلام کے لئے کبھی ہندوستان سے باہر قدم رکھا ہو، کیا یہ ہمارے لئے باعث شرم نہیں''۔(ایمان۔اکتوبر ۱۹۳۵ء)

اخبار شفق سُرخ۔طہران :

۔۔۔''انجمن تبلیغات اسلامیہ کا مرکز لاہور (ہندوستان) میں ہے اور اس کی شاخیں ترویج واشاعت اسلام کے لئے ہندو برما اور دیگر ممالک مشرق میں قائم ہیں۔اس انجمن کا کام روزافزوں ترقی پر ہے۔۔۔اسی انجمن کی طرف سے بہت سے مبلغین بلا (یورپ وامریکہ وغیرہ) میں انجمن اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مقرر ہیں۔۔۔۔اس انجمن کا اصلی اور بنیادی کام یہ ہے کہ ممالک یورپ و امریکہ کے دارالسلطنتوں اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں ترویج واشاعت اسلام کی غرض سے معابد ومساجد قائم کی جائیں''۔

(اخبار شفق۔طہران، از پیغام صلح ۲۸ اپریل ۱۹۲۶ء ص ۴)

اخبار ''سچ'':

۔۔۔۔''مولانا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو مہتم بالشان خدمت سرانجام دی ہے اس کا اعتراف کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آ گئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔میرے لئے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔کامریڈ والے مولانا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کیا کرتے تھے''۔(اخبار ''سچ'' ۲۵ جون ۱۹۴۶ء)

مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ نے میری دستگیری کی:

''مرحوم کی خدمت اسلام کا انکار کرنا دن کی روشنی میں آفتاب کے وجود سے انکار کرنا ہے۔آج سے ۲۱ سال قبل جب میں (عبدالماجد دریا آبادی) انگریزیت کے پھیلائے ہوئے زہر الحاد میں غرق تھا۔مرحوم کے انگریزی ترجمہ نے ہی دستگیری کی ورنہ خدا معلوم کتنی اور مدت میں بھٹکتا رہتا اور میری طرح خدا معلوم اور کتنوں کے حق میں وہ شمع ہدایت ثابت ہوا ہوگا''۔

(اقتباس از مکتوب۔مجاہد کبیر ص ۳۵۴)

ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا:

''مرحوم نے اپنی طویل تصنیفی زندگی میں اپنے قلم کے ذریعے جو خدمات اسلام کی انجام دیں وہ اپنی جگہ بے مثل و بے مثال ہیں۔انگریزی جوانوں بلکہ انگریزیت زدہ اُردو خوانوں کے حق میں ان کا قلم ایک نعمت عظمیٰ تھا۔خدا جانے کتنوں کے ایمان انہوں نے قائم کر دیئے اور یورپ وامریکہ وغیرہ کے کتنے بھٹکے ہوؤں کو انہوں نے اسلام کی راہ دکھاؤں۔۔۔۔اپنی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ مرحوم نے خدمت دین ہی کی نذر کر رکھا تھا''۔(صدق لکھنو ۱۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء)

مولانا محمد علی صاحب جوہر:

''قریباً یہی وقت تھا جبکہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا۔ جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا۔۔۔۔۔ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود ونصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں۔یہ میرے فاضل ہم نام مولانا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے جو کہ ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں۔۔۔۔یہ ترجمہ اور ان کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اس ذہنی کیفیت میں جس میں میں اس وقت مبتلا تھا۔ میں نے اس دوست کو جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے یہ لکھا کہ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کن نہیں ہوسکتی کہ جونہی میں ان قیود سے نظر بندی کی حالت میں مجھ پر عائد ہیں آزاد ہو جاؤں۔ یورپ چلا جاؤں اور ان لوگوں کے جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں ہر ایک پارک سے اور ہر ایک بازار سے اس پاک مذہب کی تلقین کروں جوان جنگ کرنے والی قوموں

کے شور وغل کو اسلام کے متحد کرنے والے امن وامان میں خاموش کرواسکتا ہے''۔
(خودنوشت حیات محمد علی جوہر)

اخبار مدینہ بجنور:

''ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں جماعت احمدیہ لاہور کے متعلق اپنا خیال کریں گے۔ یہ جماعت مرزا صاحب کو مجدد اور پیشوا ماننے کے باوجود تکفیر المسلمین کے شغل سے جرأت و بیزاری کا اعلان کرتی ہے اور ہم بلا تکلف تسلیم کرتے ہیں کہ اس کا عقیدہ ایسا ہی ہے اور ہم یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ وہ محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ایسا کرتی ہے''۔ (اخبار مدینہ۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۴ء)

مولوی ظفر علی خان صاحب:

''جناب مولوی محمد علی صاحب ایم اے۔ ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انہوں نے خود ہی قلمبند کر کے شائع فرمائے ہیں اور اس خوبی کی تفسیر کی ہے کہ شاید اُردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک، جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے''۔

(اخبار زمیندار ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی:

''مرزا غلام احمد صاحب کے متبعین میں قادیانیوں اور احمدیوں کو میں بھی ایک کیٹیگری میں نہیں سمجھتا۔ قادیانی گروہ میرے نزدیک فرق اسلامیہ سے خارج ہے۔ مگر احمدی گروہ کا شمار فرق اسلامیہ ہی میں ہے۔۔۔۔ احمدی حضرات میں جو تعلیم یافتہ حضرات اس غیر معقول پوزیشن پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق ہم کوئی شرعی فتویٰ تو نہیں لگا سکتے کیونکہ وہ نبوت مرزا کے منکر ہیں''۔
(اقتباس غیر مطبوعہ مکتوب ۲۳ محرم ۱۳۵۷ھ)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب:

''قادیانیوں کا معاملہ صاف ہو تو بھی لاہوری احمدیوں کا معاملہ قدر صاف نہیں ہے چونکہ وہ مرزا غلام احمد کو صرف ایک مجدد مانتے ہیں اور اس بناء پر ان کی تکفیر کسی طرح صحیح نہیں''۔ (تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ ص ۱۹۰ مؤلفہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سابق رکن جماعت اسلامی)

مدیر ''کوثر لاہور''

۔۔۔۔۔۔''مولوی محمد علی صاحب نے امیر جماعت احمدیہ لاہور ہونے کی حیثیت سے عقیدہ ختم نبوت کے سلسلہ میں قابل قدر کام کیا ہے''۔
(کوثر ۱۶ فروری ۱۹۴۵ء)

مولانا عبدالمجید خان صاحب۔ ایڈیٹر رسالہ مولوی:

''ایک ترجمہ مولوی محمد علی صاحب ایم اے امیر جماعت احمدیہ نے کیا ہے جو بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں انجمن احمدیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوا۔۔۔ یہ ترجمہ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے''۔
(مولوی جمادی الثانی ۱۳۶۶ھ)

شیخ محمد اکرام صاحب:

''لاہوری جماعت مرزا صاحب کی معتقد ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ وہ حتی الوسع اپنے آپ کو عام مسلمانوں سے وابستہ رکھ کر اور ان کے دُکھ سُکھ میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہے۔ لاہوری احمدی غیر احمدیوں کو کافر نہیں کہتے۔۔۔ مرزا صاحب کی نبوت کے قائل نہیں بلکہ انہیں حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے بزرگوں کی طرح ایک مجدد مانتے ہیں اور احمدیہ عقائد میں جتنا کم اختلاف ہو اسے بہتر سمجھتے ہیں۔۔۔۔ قادیانی بھی اگرچہ اب تبدیلی حالات کے ساتھ مسلمانوں کے قومی مسائل میں زیادہ دلچسپی لینے لگے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنی علیحدہ اجتماعی ہیئت کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور اگرچہ غیر مسلموں کی طرح ان کا تہذیب و تمدن مسلمانوں سے مختلف نہیں لیکن مذہبی امور میں وہ ان سے علیحدہ ہیں جو شخص مرزا غلام احمد صاحب کو نہیں مانتا اسے کافر سمجھتے ہیں اور عام مسلمانوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ لاہور جماعت احمدیہ کا نظم و نسق انجمن اشاعت اسلام لاہور کے ہاتھ میں ہے۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے ایل ایل بی جنھوں نے اعلیٰ تعلیم

حاصل کرنے کے بعد مذہب کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اس کے صدر تھے۔ اب مولوی صدر الدین صاحب امیر جماعت ہیں۔ اس جماعت کی تعداد بہت بڑی ہے لیکن اسکے باوجود اس میں قابل اور مخلص حضرات کی افراد ہے اور اتنی مختصر تعداد کے باوجود اس جماعت نے اتنا اعلیٰ کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے ۔۔۔ ایک اہم کام جو یہ جماعت کر رہی ہے۔ قرآن مجید کی اشاعت ہے بالخصوص انگریزی دان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں مولوی محمد علی صاحب امیر جماعت کا ترجمہ وتفسیر قرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا۔ جو کسی مسلمان کے ہاتھوں سے سرانجام پایا۔۔۔ آج کل کلام مجید کے متعدد انگریزی ترجمے ہو رہے ہیں لیکن شرف اولیت مولوی محمد علی صاحب کے ترجمے ہی کو ہے۔ اور گذشتہ ربع صدی میں انگریزی خواہ طبقے کو قرآن سے جو زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا بڑا سبب مولوی محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن ہے''۔ (موجِ کوثر صفحہ نمبر ۱۹۶)

مولانا عبدالمجید سالک ایڈیٹر روزنامہ ''انقلاب'' لاہور:

(۱): احمدیہ انجمن اشاعت اسلام نے ممالک غیر میں بیس اکیس سال سے اسلام کے حقائق نیرہ کی اشاعت کے لئے جو عظیم الشان کام جاری کر رکھا ہے۔ اسکے نتائج نہایت حوصلہ افزا ہیں لیکن میرے نزدیک اس انجمن کی کامیابیوں کا اندازہ اس امر سے نہ کرنا چاہیے کہ اس کے قائم کردہ مراکز نے آج تک کتنے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنایا ہے۔ بلکہ اس انجمن کی سب سے زیادہ جلیل القدر خدمت یہ ہے کہ اس کے وجود اور اس کی سرگرمیوں نے یورپ اور امریکہ کے مصنفین و مدیران جرائد کی ان شرمناک غلط بیانیوں کا کماحقہ سد باب کر دیا ہے جو وہ آئے دن اسلام اور اشارع اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے''۔ (پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۲): ۔۔۔ ''قرآن مجید کی اشاعت اور عام مذہبی خدمت کے علاوہ اہم ترین کام جو لاہوری جماعت احمدیہ نے انجام دیا وہ بیرونی ملکوں میں اشاعت ہے اس جماعت نے اتنا عملی کام کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ عیسائی مشنری بھی عام طور پر تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کے کام میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی مسلمان بالخصوص لاہور کے ''احمدی'' ہیں (موج کوثر ص ۲۰۴)

مولانا عبدالماجد ایڈیٹر اخبار ''سچ'':

'' امیر جماعت احمدیہ کا انگریزی ترجمہ کلام مجید او ر دوسری انگریزی تصانیف، خواجہ کمال الدین صاحب اسلامک ریویو اور مسجد ووکنگ اور جناب مرزا صاحب کے دوسرے پیرووں کی سرگرم کوششوں کا یہ نتیجہ بالکل واضح ہوتا جاتا ہے کہ یورپ اس مخصوص جماعت کے عقائد کو عام امت اسلامیہ کے عقائد سمجھنے لگا ہے اس نتیجہ پر یہ جماعت ہرگز قابل الزام نہیں بلکہ اپنے شغف وانہماک خلوص و ایثار کے لحاظ سے قابل مبارک باد ہے''۔ (سچ ۲۳ اگست ۱۹۲۶ء)

اعلیٰ حضرت ہذ ہائی نس نواب صاحب مانگرول کاٹھیاوار:

''میرے خیال سے یہ ایک خاص صفت تو صرف آپ ہی کی انجمن کے ممبروں کے لئے قدرت نے عطا فرمائی ہے کہ آپ کی انجمن کے جو افراد ہیں وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں ایسے مستعد اور مستقل ہوتے ہیں کہ شاید یہ بات ہند کی کسی دوسری انجمن کے افراد کو کم حاصل ہوگی''۔

(خط بنام ایڈیٹر پیغام صلح ۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

علامہ عطاء الدین صاحب صدیقی:

''میں اعتراف کرتا ہوں کہ جو خدمات جلیلہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے اکابرین نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں کی ہیں اور اس میں سب سے زیادہ شاندار خدمات حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہیں جنہوں نے باہر کی دنیا میں اسلام پھیلانے میں اور مسلمانوں کے اندر انگریزی خواں مسلمانوں کے اندر اسلام کی ترویج و اشاعت کرنے میں وہ بیش بہا کام کیا ہے کہ دور قریب میں اس کی مثال نہیں دکھائی دیتی۔۔۔ اس پر میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اس بیدار مغز اور بیدار مقصد تبلیغی انجمن کو جو اسلام کی تبلیغ میں یقیناً کوتاہی نہیں کر رہی ہے''۔ (پیغام صلح ۲۹ اپریل ۱۹۶۴ء)

مولانا محمد عبداللہ صاحب قاضی بانم (فرنچ انڈیا):

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی خدمات اسلامی کا میں عرصہ دراز سے واقف ہوں جماعت لاہور کے عقائد فی الحقیقت عقائد اسلام ہی ہیں جو قابل تسلیم

ہیں۔اس انجمن نے اشاعت اسلام وحفاظت اسلام کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں اور دیتی رہتی ہے وہ بے حد قابل تعریف ہیں۔اس جماعت کے لٹریچر کی وجہ سے اسلام مثل شمس اپنی تجلی سے مغرب کے ظلمت کدوں کو روشن کرنے لگا ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے جان ومال اور علم وقلم سے اس انجمن کی امداد کرے تا کہ یہ تبلیغ واشاعت اسلام کے کام کو مستقل طور پر جاری رکھ سکے''۔
(بحوالہ پیغام صلح ۲۷ جون ۱۹۳۹ء)

ہفت روزہ ''الاعصام'' کی رائے:

۔۔۔''لیکن اس سے قطعی انکار نہیں کہ گذشتہ پچاس سال کی علمی وتصنیفی مساعی میں ان کا (مولانا محمد علی صاحب) ایک مقام ہے''۔(الاعصام۔۱۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

لیڈی عبدالقدر صاحبہ:

۔۔۔۔''انجمن اشاعت اسلام کو خدمت اسلام کرتے ہوئے بیس سال کو آتے ہیں۔اسی عرصہ میں یورپ میں دو مرکز تبلیغی کے لئے قائم ہوئے۔ایک انگلستان میں بمقام ووکنگ اور دوسرا جرمنی میں بمقام برلن اور دونوں کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔دور دراز مقامات پر مبلغ روانہ کئے گئے۔قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع ہو کر مقبول ہوا اب جرمن زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہو رہا ہے''۔(ا۔ب عبدالقادر) پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

ماہنامہ ''آواز'':

۔۔۔''مولانا محمد علی صاحب اپنی اعلیٰ علمی قابلیت کی وجہ سے نہ صرف مسلمانوں میں ہی مشہور ہیں بلکہ مغربی ممالک میں بھی خاص شہرت کے حامل ہیں''۔(آواز بابت ماہ ربیع الاوّل ثانی ۱۳۶۳ھ)

معاصر ''روشنی'' سری نگر:

''مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ وہ عظیم الشان ہستی ہیں جو عالم اسلام میں ایک درخشندہ ستارے کی طرح چمک رہے ہیں''۔
(روشنی سری نگر۔۱۴ جون ۱۹۴۶ء)

مولوی اختر علی خان صاحب:

''کل شاہجہان مسجد ووکنگ میں عید الضحیٰ کی تقریب اس شان سے منائی گئی کہ لندن کی تاریخ میں ایسی روح پرور اسلامی تقریب پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔اب کے اس اسلامی اجتماع میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ پاکستانی اخباری وفد کے ارکان، پاکستان کے ہونے والے مسلمان کمانڈر انچیف اور دوسرے پاکستانی مہمانوں نے بھی شرکت کی۔مولانا اختر علی صاحب نے پاکستانی فضائیہ کے زیر تربیت نوجوانوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور اہل لندن نے کل بین الاقوامی برادری کی یگانگت کا ایک ایسا روح پرور نظارہ دیکھا جس کی مثال لندن کی تاریخ میں نہیں ملتی''۔(اخبار ''زمیندار'' ۲۶ ستمبر ۱۹۵۰ء)

شمس العلماء مولانا کمال الدین صاحب بنگال:

۔۔۔۔۔''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی دینی خدمات اظہر من الشمس ہیں خصوصاً مولانا محمد علی صاحب کا ترجمۃ القرآن انگریزی اور اُردو میں اور نیز دیگر کتب کی وجہ سے انسان کے دل میں اسلام کی عزت اور توقیر قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔مجھے خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم سے ووکنگ مشن اور دیگر مقامات میں ملاقات کا موقع ملا۔اس انجمن کے جملہ ممبر جس قدر مالی اور جانی قربانی کرتے ہیں وہ مسلمانانِ عالم کے لئے مشعل ہدایت ہے۔اشاعت اسلام کے کاموں میں شرکت کرنا ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے۔لاہور کی انجمن احمدیہ اس کام کو بفضلہٖ تعالیٰ اچھا انجام دے رہی ہے۔اس انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک ہر ایک کلمہ گو مسلمان ہے چاہے وہ کسی فرقے سے تعلق رکھتا ہو''۔(بحوالہ پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

شمس العلماء ڈاکٹر عمر بن داؤد پوتا کراچی:

۔۔۔۔۔''اسلام کے لئے آپ کی مساعی کے مسلم اور غیر مسلم معترف ہیں اور یہ چیز ان کے علم وفضل کی ابدی یادگار رہے گی ہم نے ان (مولانا محمد علی) کی وفات سے ایک ایسا انسان کھو دیا جس کی نظیر پاکستان کے نام نہاد علماء میں کہیں نہیں ملتی''۔(اقتباس از مکتوب، مجاہد کبیر ص ۳۵۴)

جنرل سیکرٹری صاحب، مسلم ریڈنگ سرکل لیگوس:

۔۔۔۔۔۔''وہ انسان جو نہ صرف اپنے ملک کے لوگوں کے دلوں میں بلکہ تمام دنیا میں اپنی بالاستقلال حمایت دین کامل اسلام میں ایک عالمگیر شہرت حاصل کر چکا ہو اور جس کی تازہ تصنیف نیو ورلڈ آرڈر نے اسلامی دنیا کے دلوں میں ایک وجد کی حالت پیدا کر دی ہو اور مخالفین و معترضین دین اسلام کا ناطقہ بند کر دیا ہو اس قابل ہے کہ ہم اپنی پنجگانہ نمازوں میں اس کے لئے دعائیں کریں''۔

(بحوالہ پیغام صلح ۳۱ جولائی ۱۹۴۶ء)

مدیر اخبار دُر نجف:

''جماعت احمدیہ کی خالص اسلامی خدمت کا اعتراف نہ کرنا پرلے درجے کی بے حیائی ہے۔۔۔۔دُر نجف اسلامی خدمت بجالانے والوں کا معترف ہے اور یہ اس کا آزادانہ اعلان متصور ہوگا''۔(دُر نجف ۸ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیت العلماء کی درخواست:

امیر جماعت مولانا محمد علی صاحب کی خدمت میں:''۔۔۔۔۔بنا بریں اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مولوی عبدالحق صاحب (مبلغ جماعت احمدیہ لاہور) جو اس وقت سنسکرت کے فاضل ہیں۔تعلیم کے لئے مقرر کئے جائیں لیکن جو کہ مولانا موصوف کا آپ سے تعلق ہے۔اس لئے میں جناب (مولانا محمد علی صاحب) کی خدمت میں درخواست پیش کرتا ہوں کہ اب مولانا موصوف کو دو سال کے لئے ہم کو مستعار عنایت کریں۔تمام اخراجات کی کفالت ہمارے ذمہ ہوگی''۔(اخبار''الامان''۔۲۴ جولائی ۱۹۲۵ء)

سر فیروز خان نون صاحب، سابق وزیر اعظم پاکستان:

''مولانا محمد علی صاحب کی وفات یہ ایک ایسا نقصان ہے جس میں نہ صرف میں بلکہ تمام دنیائے اسلام آپ سے پوری شرکت کرے گی۔حضرت مولانا کی تصانیف ہمیشہ زندہ رہیں گی اور میں نہیں جانتا کہ اور کون ہے جس نے حضرت ممدوح کی طرح اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اتنی بڑی خدمت سرانجام دی ہو۔گذشتہ پانچ سو سال میں بھی کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی''۔

(اقتباس از مکتوب، مجاہد کبیر ص ۲۵۴)

(۲): ۔۔۔۔۔''یورپ میں ہمارے بہترین مبلغ مولوی صدر الدین (امیر جماعت احمدیہ لاہور) تھے''۔یادداشت ص ۲۳۷ (خودنوشت سوانح عمری)

آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر صاحب سابق ممبر انڈیا کونسل لندن:

۔۔۔۔۔''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ایک عرصہ سے اشاعت مذہب کے متعلق بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے اس کے سب سے بڑے رکن اور صدر جناب مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت احمدیہ ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ شائع کر کے انگریزی خواں دنیا کو ممنون احسان کیا ہے۔آپ ایک ایسے بزرگ ہیں جنہیں اسلام سے سچی محبت ہے اور اہل اسلام بلالحاظ فرقہ و ملت ان کی بے لاگ خدمات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں۔۔۔۔اس جماعت نے بیرونی ممالک میں۔۔۔۔اسلام کی ایسی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے جسے ہر فرقہ کے مسلمان پہنچان سکیں''۔

(اسلام کا دور جدید ص ۵۰)

ملک عبدالقیوم صاحب بار ایٹ پرنسپل لاء کالج لاہور:

(۱): ''آج ہندوستان میں اور اس کے علاوہ یورپ میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اسلامی تبلیغی سر رشتوں کو مضبوط کیا جائے تا کہ اگر ایک طرف دین حقہ کے نام لیواؤں کی تعداد میں اضافہ ہو تو دوسری طرف دنیا کو اپنے درد کا تیر بہدف درماں میسر آئے۔میرا یقین ہے کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام جس کی قیادت اس وقت مولوی محمد علی صاحب جیسے مخلص مبلغ و ترجمان اسلام کو حاصل ہے اور جو اس گئے گذرے زمانے میں دنیائے غیر مسلم کے اطراف میں توحید و رسالت کی علم بردار ہے، قطع نظر اختلافِ جزوی، و جملہ مسلمانوں کی حمایت و اعانت کی مستحق ہے''۔(بحوالہ پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

(۲):۔۔۔۔۔''موت العالم ایک عالم تبحر کی موت گویا ایک دنیا کی موت ہے۔اس کا صحیح اطلاق اگر کہیں ہوتا ہے تو وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب

مرحوم ومغفور کی وفات پر ہوتا ہے۔ مولانا مرحوم کی زندگی اور ان کی مسلسل کوششوں اور قربانیوں کی مثال پاکستان تو خیر زمانہ حال میں براعظم ایشیاء میں بھی مشکل سے مل سکے گی۔۔۔۔

ان کی ستر سالہ شبانہ روز سعی آج صرف عنداللہ ماجور ہو چکی ہے بلکہ جو مقام آپ کو اسلامی تبلیغ کے میدان میں حاصل ہو چکا ہے وہ بجائے خود ایک فقید المثال کارنامہ ہے۔۔۔ آپ کا اخلاص، آپ کا اخلاق اور آپ کی دیانت، آپ کے پاکیزہ کردار پر بمنزلہ کندن تھا۔ آپ کا شمار مشاہیر اسلام میں سے ہے جو خدمت اسلام کے لئے پیدا ہوئے اور اس جوئے میں جاں بحق ہوئے۔ آپ ایسے بزرگ ہیں جن کے لئے قرآن ارشاد ہوتا ہے۔ اولئک المقربون فی جنت النعیم ''۔ (مجاہد کبیر ص ۳۵۳)

نواب بہادر یار جنگ۔ حیدر آباد دکن:

۔۔۔۔ ''لاہور کی جماعت کے امیر مولانا محمد علی صاحب نے اسلام اور قرآن مجید کی جو خدمت کی ہے اس سے کون واقف نہیں۔ سب سے زیادہ میں ان کی انگریزی تصنیف ریلیجن آف اسلام سے متاثر ہوا اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے رجحانات اور طریقہ فکر ونظر کو پیش رکھ کر لکھی گئی ہے، میں اس کتاب کو مولانا کا ملت اسلامیہ کے لئے ایک بہترین تحفہ اور ناواقفانِ مذہب اسلام کے لئے نہایت باا ثر پیام تصور کرتا ہوں''۔ (مجاہد کبیر ص ۱۷۱)

بیگم شاہنواز صاحبہ:

۔۔۔۔ ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے بے نظیر کام کو مغربی ممالک میں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی مسرت حاصل کر چکی ہوں جو نمایاں کام یہ انجمن سرانجام دے رہی ہے اس کے لئے ہم کارکنان انجمن کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہوگا۔ یورپ میں ہمارے مذہب کو صرف لاعلمی کی وجہ سے ہر دم نکتہ چینی کا شکار بنایا جاتا تھا۔ اس انجمن نے اسلام کی تعلیم کا چرچہ کر کے مغربی ممالک کے لوگوں کو موقع دیا ہے کہ وہ اسلام کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکیں''۔

(جہاں آرا شاہنواز، پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

مسٹر اے جے خلیل، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ، میسور:

۔۔۔۔ ''آپ (محمد علیؒ) اسلام کے حقیقی مجاہد تھے جس نے اپنے عمل سے دنیا کو دکھا دیا کہ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔۔۔۔ دنیا نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ آپ اس صدی کے حقیقی مجاہد اعظم تھے۔۔۔۔ اس قسم کے انسان قیامت کے دن تک شاذ و نادر ہی پیدا ہوں گے۔ اور مسلمان قوم اس جگہ کو پُر کرنے سے قاصر رہے گی جو اس خادم اسلام نے خالی کی ہے''۔ (مجاہد کبیر ص ۳۵۴)

محمد مارماڈیوک پکھتال صاحب:

''کسی زندہ انسان نے اسلام کی تجدید کے لئے لاہور کے مولانا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں۔ ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے۔ یہ اسلام کی تصویر ایک ایسے شخص کے قلم سے ہے جو قرآن وسنت سے خوب واقف ہے۔ جس کے دل میں پچھلی پانچ صدیوں کے اسلام کے انحطاط کا درد ہے اور جس کے دل میں اس کی اس نشاۃ ثانیہ کے لئے ایک امید ہے۔ جس کے آثار اب چاروں طرف نظر آنے لگے ہیں''۔ (رسالہ اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۶ء)

محمد عمر رضا دوغرل، ترکی ادیب:

''ترکی میں متواتر تیس سال تک مولانا کی تصانیف ہمارے زیر مطالعہ رہیں۔ کئی ایک امور پر آپ نے ہماری رہنمائی کی اس لئے کہ آپ کی نگاہ معارف اسلام کی عمیق گہرائیوں تک پہنچی ہوئی تھی اور آپ اسلام کے حقیقی مشن اور مقصد سے بخوبی واقف تھے اور دوسروں تک اس روشنی اور نور کا پہنچانا آپ نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ اس اثناء میں سلسلہ احمدیہ میں تفرقہ رونما ہوا۔ اس سلسلہ کے بعض افراد نے بانی سلسلہ کی طرف دعویٰ نبوت منسوب کیا اور ان کے منکرین کو کافر قرار دیا۔ مولانا محمد علی صاحب ان سے علیحدہ ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں اپنے رفقاء کار کے ساتھ لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد ڈالی۔ آپ اس انجمن کے صدر منتخب ہوئے۔ مولانا کا عقیدہ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آپ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کو کوئی طاقت

کافر نہیں قرار دے سکتی''۔ (ترجمہ اسلامک ریویو ماہ مئی ۱۹۸۲ء)

نوابزادہ حاجی ولی اسلام صاحب، کلکتہ:

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور بلاد غربیہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں عظیم الشان کام کر رہی ہے۔ ہندوستان میں بھی اس کا کام احسن اور نمایاں ہے۔ میرے علم القرآن کا منبع حضرت مولانا محمد علی صاحب بالقابہ امیر جماعت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا انگریزی ترجمۃ القرآن ہے''۔

(پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

خان بہادر حاجی بدرالدین صاحب، سینئر رجسٹرار ہائی کورٹ کلکتہ:

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور جو کوششیں دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلانے کی کر رہی ہے اس کی نظیر سارے عالم اسلام میں شاید ہی کوئی اور جماعت پیش کر سکتی ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں سے کچھ اور خدمت اسلام کی نہ ہو سکتی ہو تو کم سے کم اتنا ہی کر دیں کہ دامے درمے۔ سخنے جس طرح ہو سکے اس مبارک انجمن کی اعانت کریں'' (پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

جناب کرنل ڈاکٹر سر حسّان سہروردی وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی:

''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی دینی خدمات کا میں عرصہ سے معترف ہوں اگرچہ متعصب مسلمانوں کے کفر کے فتوے سننے میں آتے رہے گذشتہ سال مجھے انجمن کے سالانہ جلسہ میں بھی شرکت کا موقع ملا اور حضرت مولانا محمد علی صاحب سے ملاقات کی اور ان کی تقریریں سنیں۔ میرے خیال میں انجمن نے جو خدمات اسلامی انجام دی ہیں اور جو کام کر رہی ہے وہ نہایت ہی قابل قدر ہیں۔ میں دل سے انجمن کی قدر کرتا ہوں''۔ (پیغام صلح ۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء)

امیر شکیب ارسلان:

''میں کہتا ہوں کہ ان میں سے بہت سی ضروریات کو پورا کرنے میں ہندوستان کے علماء کو ید بیضا حاصل ہے۔ ان میں سے (سید) امیر علی ہیں جنہوں نے انگریزی میں مستند کتب تالیف کر کے حقیقت اسلام کو جیسا چاہیے تھا بیان کیا ہے۔ ان میں مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور میں بھی ہیں۔ یہ جماعت قادیانی نہیں ہے جنہوں نے سنت اور جماعت کی مخالفت کی ہے۔

۔۔۔۔۔آپ نے نہایت اعلیٰ قسم کی تفسیر قرآن انگریزی زبان میں تالیف کی ہے جو اس ترجمہ قرآن کے بعد ہے جو انگریزی زبان میں سب سے زیادہ صحیح ثابت ہوا ہے۔ ان میں مولوی صدرالدین برلن کی جدید مسجد کے بانی ہیں جو مسلم مشن ریویو کی المانوی (جرمن) زبان میں ادارت بھی کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں دینی اور اجتماعی مسائل پر خالص علمی مقالات چھپتے ہیں۔ ان دو سالوں میں آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے المانیا کے کئی ایک ادباء اور ادیبات کو قبول اسلام کا شرف عطا کیا۔ (پیغام صلح ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

ہز ہائی نیس نواب جہانگیر میاں والئی ریاست منگرول (کاٹھیاوار)

''میری رائے تو یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کی خدمات آپ کی انجمن جس تندہی، محنت اور جانفشانی اور عمدہ طریق پر انجام دے رہی ہے وہ ہر مسلمان کے لئے باعث شکر و مبارکباد ہیں۔ چنانچہ آپ کی انجمن کے جملہ افراد کو ان کے اسلامی خدمات پر مبارکباد دیتا ہوں''۔ (بحوالہ اسلام کا دورِ جدید ص ۴۹)

سید عبدالقادر صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور:

''اس میں شک نہیں کہ جماعت احمدیہ لاہور نے عیسائی مبلغین کے کذب و بہتان کے تار و پود بکھیرنے میں جو سعی بلیغ کی ہے وہ لائق صد تحسین ہے۔ اس جماعت کے لٹریچر کی وجہ سے نہ صرف اسلام کے چہرے سے کذب و افترا کے بادل چھٹ گئے ہیں بلکہ اس کی تجلی مغرب کے ظلمت کدوں کو بھی منور کرنے لگی ہے اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس نیک کام کو مستقل طور پر جاری رکھا جائے تاکہ کسی وقت اہل مغرب بھی تاتاریوں کی طرح اسلام کے لئے سینہ سپر ہو جائیں''

☆☆☆☆

حضرت مولانا صدرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: ناصر احمد صاحب

آپ جنوری ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں سرکاری ملازمت چھوڑ کر اعلائے کلمۃ اللہ اور تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے زندگی وقف کردی۔ قوم کے بچوں کو بچپن سے اسلامی تعلیم سے روشناس کرانے اور ان کی تربیت کی غرض سے قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ابتداء کی۔ حضرت مولانا کی قابلیت اور محنت شاقہ نے اس سکول کو ملک بھر میں ایک امتیازی حیثیت عطا کی۔ مئی ۱۹۱۴ء میں حضرت خواجہ کمال الدینؒ بانی ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کی واپسی پر ولایت تشریف لے گئے اور فروری ۱۹۱۸ء تک قیام فرمایا۔ اس عرصہ میں آپ مسجد شاہجہان کی امامت کے علاوہ ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کی ادارت کا کام بھی کرتے رہے۔ ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا محمد علی علیہ الرحمتہ کے انگریزی ترجمہ کا پہلا ایڈیشن انہی کی نگرانی میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کی طباعت میں مولانا نے نہایت محنت، لیاقت اور نفاست کا مظاہرہ کیا اور انگریزی کا یہ ترجمہ اور تفسیر انتہائی دیدہ زیب شکل میں شائع ہوئی۔

دوسری مرتبہ آپ اگست ۱۹۱۹ء میں انگلستان تشریف لے گئے اور قریباً ۹ ماہ کے قیام کے بعد واپس لاہور تشریف لے آئے۔ ۱۹۲۳ء میں برلن (جرمنی) گئے اور ۱۳ ستمبر ۱۹۲۴ء میں سب سے پہلی خوبصورت اور وسیع مسجد کی بنیاد رکھی اور اپنی نگرانی میں تعمیر کروائی۔ مسجد کی تعمیر 1/2 ۴۶ فٹ مربع زمین پر ہے۔ منارے ۹۰ فٹ اونچے اور گنبد ۷۵ فٹ اونچا ہے۔ مسجد مشرقی طرزِ تعمیر کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔ مسجد کے چاروں طرف کشادہ سڑکیں ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں مسجد کی بنیادی عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اپریل ۱۹۲۴ء میں جرمنی سے ایک سہ ماہی ''رسالہ مسلمش ریویو'' ان کی ادارت میں جاری ہوا۔ اس سہ ماہی نے حضرت مولانا موصوف کی نگرانی میں جرمن ذہنوں میں اسلامی تعلیمات کا اچھا اثر پیدا کیا۔ مئی ۱۹۲۵ء میں واپس لاہور تشریف لائے۔ یکم جولائی ۱۹۲۶ء کو اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اپریل ۱۹۳۷ء میں جرمن ترجمۃ القرآن مجید کی طباعت کے سلسلہ میں جرمنی تشریف لے گئے اور دسمبر ۱۹۳۷ء میں واپس تشریف لے آئے۔ مولانا موصوف نے اس ترجمہ میں جرمن زبان میں ایک لمبا دیباچہ لکھا ہے جس میں نہایت عالمانہ انداز میں قرآن مجید کے مختلف موضوعات پر بحث کی ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۳۹ء میں طبع ہوکر منظر عام پر آیا۔ مولانا کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

آر دی ی گوسپلز اانسپائرڈ، غلبہ قرآن، ضرورت حدیث، رحمۃ للعالمین، خصائص القرآن، عیسائی معتقدات تعلیم انجیل کی روشنی میں۔ ان میں سے تقریباً تمام کتب کے انگریزی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت مولانا ۱۹۵۱ء میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم ومغفور کی وفات پر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے امیر منتخب ہوئے۔

حضرت مولانا صدرالدین مرحوم ومغفور کی زندگی کے حالات ان کی گرانقدر دینی خدمات سے بھری پڑی ہیں۔ جن میں برلن مشن کا قیام اور مسجد کی تعمیر ایک یادگار شاہکار ہے جو آج بھی زائرین سے دادِ تحسین وصول کررہا ہے۔ اسی حوالے سے برلن مشن کی مختصر تاریخ شامل کی جارہی ہے۔ جوان کے ایمانی ولولہ، دین اسلام کے لئے خدمت کا جوش اور مغرب میں اسلام کی تبلیغ سے لگن کا ایک زندہ وجاوید کارنامہ ہے۔

مارچ 1922ء میں انجمن نے حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب ایم۔اے (حیدرآبادی) معلم مسلم ہائی سکول لاہور کو جرمنی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ 7 جون 1922ء کو حضرت مولانا صدرالدین صاحب عازم جرمنی ہوئے۔ مولانا عبدالمجید صاحب جرمنی میں آٹھ نو ماہ تنہا کام کرتے رہے۔ اسی

دوران جولائی یا اگست1922ء میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب برلین تشریف لے گئے تاکہ مشن کے قیام کا جائزہ لیں۔انہوں نے اپنی تفصیلی رپورٹ مرکزی انجمن کوارسال کی جس مین مسجد کی تعمیر کی تجویز بھی شامل تھی۔

اکتوبر1922ء میں حضرت مولانا محمد علی صاحب نے اپنے خطبات اور ''پیغام صلح'' میں مضامین کے ذریعے برلین میں مسجد کی تعمیر کے لئے احباب کو بار بار توجہ دلائی اورعطیہ جات کے لئے اپیل کی۔

اس دوران حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب نے اپنی سرگرمیاں وقتی طور پر گالٹے بیخت سٹریٹ 5/iii گھاربوٹن برگ، برلین سے جاری رکھیں۔

حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب نے موزوں جگہ کی تلاش اور سرکردہ مسلمان سفیروں اور عمائدین سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ترکی کے سفیر نے حضرت مولانا کی بے حد حوصلہ افزائی کی اور مسجد کی تعمیر کے دوران اور اس کی تکمیل تک ہر ممکنہ امداد کی۔جنوری1922ء میں حضرت مولانا روم میں ترکی کے سفیر سے مشن کے قیام اور مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ملے۔یہ ملاقات کئی لحاظ سے بڑی مفید ثابت ہوئی۔ملاقات کے وقت سفیر کی میز پر حضرت مولانا محمد علی صاحب کا انگریزی ترجمۃ القرآن رکھا ہوا تھا۔گفتگو کے دوران ترکی کے سفیر نے انگریزی ترجمۃ القرآن کی تعریف کی اور انگلستان میں ووکنگ مشن کے ذریعہ جو کام ہو رہا تھا اس کو بھی سراہا۔

اس دوران حضرت مولانا صدرالدین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب نے ایک جرمن نومسلم محمد بروکش صاحب سے جرمن زبانی سیکھنی شروع کی۔ گاربوٹن کی عارضی قیام گاہ سے حتی القدور تبلیغی سرگرمیاں جاری رہیں۔مئی 1923ء میں اس جگہ تراویح کی نمازیں بھی ادا کی گئیں۔

اس سال عید کی نماز برلین سے ریل کے ذریعے ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت پر ونسٹرروف کے مقام پر ایک مسجد میں ادا کی گئی۔یہ مسجد جس میں تین ہزار نمازیوں کی گنجائش تھی جرمن گورنمنٹ نے اسیران جنگ کے لئے بنوائی تھی اس مسجد کے پیش امام حافظ شکری آفندی نے برلین میں مجوزہ مسجد کی تعمیر کی پرزور حمایت کی۔

امام صاحب نے خطبہ ترکی زبان میں دیا۔نمازیوں کی اکثریت کا تعلق بخارا اور ترکی سے تھا۔

جولائی1923ء میں برلین میں 2 ایکٹر اراضی جو مقامی بلدیہ کی ملکیت تھی خرید لی گئی۔اس کی موزونیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ اراضی ایک گرجے کی تعمیر کے لئے زیرغور تھی۔خدا کی شان کہ اس تجویز پر عمل درآمد نہ ہو سکا اور پھر وہی اراضی مسجد کے لئے خرید لی گئی۔حضرت مولانا صدرالدین صاحب کی یہ بڑی خواہش تھی اور اس کے لئے انہوں نے سرتوڑ کوشش بھی کی کہ اس جگہ مسجد تعمیر ہو تا کہ جو موزونیت مقام کے لحاظ سے اس جگہ کو حاصل تھی وہ ہماری مسجد اور مشن کو بھی حاصل ہو جائے۔اس زمین کے تینوں طرف سڑک اور چاروں طرف باغ تھے یہ قطعہ اراضی ہر لحاظ سے موزوں اور مسجد کے شایان شان بھی تھی۔

اب حضرت مولانا کو مشن ہاؤس اور مسجد کے نقشہ کی فکر دامنگیر ہوئی۔تاج محل اور لاہور کی بادشاہی مسجد کے مغل آرٹ اور الحمرا میں خطاطی کے انمول نمونوں کو پیش نظر رکھ کر نقشہ کی تیاری جاری رہی۔اس دوران حضرت مولانا کی ملاقات ایک روسی عالم لطفی بے سے ہوئی۔

آخر کار برلین مسجد کا نقشہ تیار ہو گیا اور ستمبر1923ء میں یہ لاہور پہنچا تا کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب اس نقشہ پر اپنے بابرکت ہاتھ سے منظوری مرحمت فرمائیں۔اسی سال اکتوبر میں ڈرام شارٹ کے مقام پر ایک جلسہ میں جس کی صدارت جرمنی کے مشہور فلسفی کاؤنٹ فیولنگ نے کی،حضرت مولانا کا شاندار لیکچر ''فلسفہ اسلام'' پر ہوا جو چالیس صفحات پر مشتمل تھا۔

نومبر1924ء میں مسجد کا سنگ بنیاد رکھے جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، ترکی کے سفیر اس تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔لیکن انڈیا کے خیری برادران کی انگیخت پر ایک نامعلوم مصری طالب علم نے شرارت کی اور ایک ہینڈبل کے ذریعہ حضرت مولانا پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے جاسوس ہیں۔چنانچہ ترکی کے سفیر نے تقریب میں شرکت کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا۔ان حالات میں سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب ملتوی کرنا پڑی۔لیکن اس کے باوجود مسجد کی تعمیر کا کام جاری رہا۔

ادھر مسجد کی تعمیر کا کام زور شور سے جاری تھا۔ ادھر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کو مختلف مقامات پر تقاریر کے لئے دعوت نامے آرہے تھے۔ فروری اور مارچ 1925ء میں حضرت مولانا کے دونہایت کامیاب لیکچر ''اسلام اور مسیحیت'' اور ''اسلام میں مساوات اور جمہوریت'' کے موضوعات پر برلین کے قریب پوٹسڑام میں ہوئے۔ ان مجالس میں جرمن نومسلم ڈاکٹر گرایفیلٹ، پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین، جامعہ ملیہ علی گڑھ نے بھرپور شرکت کی۔ ان تقاریر کی تفصیلی رپورٹ اور برلین مسجد کی تصاویر مقامی اخبارات میں بھی شائع ہوئیں۔

چونکہ مسجد کی تعمیر پر ابتدائی تخمینہ سے زیادہ اخراجات ہورہے تھے جن کا فوری طور پر عطیہ جات سے پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لئے خرید کردہ اراضی میں سے ایک ٹکڑا بیچ کر ضروری اخراجات پورے کئے گئے۔

اپریل 1925ء میں معروف مسلمان مبلغ مولانا پروفیسر برکت اللہ کی برلین میں آمد پر ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا تاکہ اس تقریب کے ذریعہ اس غلط پراپیگنڈا کا زیادہ وسیع پیمانے پر ازالہ کیا جاسکے جو خیری برادران اور دوسرے مخالفین نے مشن اور مسجد کے بارے میں کر رکھا تھا۔ پروفیسر موصوف، عربی، فارسی، ترکی اور جرمن زبان سے بخوبی واقف تھے۔ اور اشاعت اسلام کے لئے بڑا جوش رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں وہ چین، جاپان اور امریکہ کے کئی دورے بھی کر چکے تھے۔ ان سے حضرت مولانا صدرالدین صاحب کا تعارف سوئٹزرلینڈ میں لوازن کانفرنس میں ہوا تھا۔ اس تقریب میں کئی معروف جرمن نومسلم مثلاً ڈاکٹر خالد بانگ، ڈاکٹر حمید مارقوس، ڈاکٹر گرنیفیلٹ، مسٹر محمد بروکش کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر ممتاز علی خان بھٹی نے بھی شرکت کی، مؤخرالذکر فارسی اور جرمن زبان میں رسالے نکالتے تھے۔ اس تقریب کی بدولت اخبارات میں مسجد کی تعمیر اور مشن کی سرگرمیوں کا چرچا ہوا۔

جرمن زبان میں سہ ماہی رسالہ ''مسلمش ریویو''

ووکنگ مسلم مشن، انگلستان کے ماہنامہ ''اسلامک ریویو'' کی طرز پر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے زیر اہتمام اپریل 1924ء میں جرمن زبان میں سہ ماہی رسالہ ''مسلمش ریویو'' کا اجراء ہوا۔ اس مجلّہ میں زیادہ تر مضامین جرمن نومسلم حضرات ڈاکٹر حمید مارقوس، ڈاکٹر خالد بانگ، ڈاکٹر عارف گریفیلٹ جیسے صاحب علم اور صاحب قلم کے لکھے ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کے مضامین کے تراجم اور مولانا عبدالمجید صاحب کے مضامین بھی اس میں شائع ہوتے۔ جلد ہی اس رسالہ نے جرمنی کے علاوہ یوگوسلاویہ، ہنگری، البانیہ اور دیگر قریبی ملکوں میں مقبولیت حاصل کرلی اور اس کے مضامین کروشین اور دیگر مقامی زبانوں میں ترجمہ ہوکر ان ممالک کے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کا ذریعہ بن گئے۔ نصف سے زیادہ جرمن نومسلم اسی رسالہ کے مضامین پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ کچھ مالی اور انتظامی مشکلات کی وجہ سے رسالہ تقریباً دوسال تک نہ نکل سکا۔ لیکن ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی کوششوں سے 1929ء میں دوبارہ نکلنا شروع ہوا اور پھر خدا کے فضل وکرم سے یہ رسالہ 1939ء تک باقاعدہ شائع ہوتا رہا۔ لیکن بعد میں عالمی جنگ دوم چھڑ جانے کی وجہ سے اس کو بند کرنا پڑا۔

اپریل 1924ء میں جب مسجد کی تعمیر کا بنیادی کام مکمل ہوچکا تھا خدا تعالیٰ نے مخالفین کی سرکوبی کے سامان پیدا کردیئے۔ یاد رہے کہ مخالفین نے جرمن حکومت کے اہل کاروں تک مسجد کی تعمیر اور مشن کے قیام کے متعلق بے بنیاد اطلاعات بہم پہنچائی تھیں۔ حکومت نے کلکتہ میں جرمن سفارتخانہ اور مختلف ذرائع سے ان کی چھان بین کروائی۔ خدا کے فضل سے جرمن حکومت کے خدشات دور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے نقص امن کے پیش نظر ایک مصری طالب علم کو ملک بدر کر دیا۔ ایک جرمن شہری کو سخت تنبیہ کی گئی اور دوسرے شرپسندوں کے خلاف بھی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ جرمن حکومت کے ان اقدامات سے مسجد اور مشن کے قیام کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں دور ہوگئیں اور فضاء زیادہ سازگار ہوگئی۔

مسجد کی عمارت کی تکمیل سے پیشتر ایک بلند پایہ جرمن سکالر ڈاکٹر حمید مارقوس حلقہ بگوش اسلام ہوچکے تھے۔ موصوف کو انگریزی زبان پر بھی عبور حاصل تھا۔ شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبال نے بھی اس جرمن عالم کی بڑی تعریف کی ہے۔

26 اپریل 1925ء کو خدا کے فضل و کرم سے وہ مبارک گھڑی آ پہنچی، جب برلین مسجد کے افتتاح کی تقریب منعقد ہوئی، اس تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو برلین یونیوسٹی کے طالب علم خواجہ عبدالحمید صاحب نے کی۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے جرمن زبان میں مختصر خطبہ دیا۔ فاضل روسی مسلمان لطفی بے نے ترکی زبان میں تحریک احمدیت پر روشنی ڈالی۔ موصوف خود انگلستان میں ووکنگ مسلم مشن کی سرگرمیوں کو دیکھ کر آئے تھے اور اس بات کے معترف تھے کہ اس مشن کے ذریعے انگلستان میں ''اسلام کا نام بلند ہو رہا ہے''۔ پھر ڈاکٹر ادریس بخاری نے ترکی زبان میں ''اسلامی اخوت'' پر زور دیا۔ محترم حسن بے ایرانی نے فارسی زبان میں فرقہ بندی کو لعنت قرار دیا اور آپس میں بھائی چارہ اور یک جہتی کی اہمیت پر زور دیا۔ حیدرآباد دکن کے پروفیسر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے ترانہ اقبال پر طبع زاد مسدس پڑھی۔ ایک ایرانی شہزادے نے فصیح جرمن میں اسلامی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ آخر میں حضرت مولانا نے آرکیٹیکٹ اور ٹھیکیداروں کی دیانت، امانت اور محنت کی تعریف کی اور دعا پر یہ تاریخی افتتاحی تقریب اختتام کو پہنچی۔ افتتاحی تقریب میں ترکی کے سفیر اور ان کے سفارتخانے کے عملے نے جملہ انتظامات میں بھرپور حصہ لیا۔ خدا کے خاص فضل و کرم سے اور ترک سفارتخانے اور دیگر مسلمانوں کے تعاون سے مشن کے قیام اور مسجد کے افتتاح کا یہ اہم مرحلہ بخیر وخوبی تکمیل کو پہنچا۔

اس کے بعد اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے مسجد کے متعلق تفصیلات اور تصاویر شائع ہونے لگیں۔ ترکی کی معروف شخصیت عزت ماب امیر شکیب ارسلان نے وطن واپس جا کر برلین مشن کا بھرپور انداز میں تعارف کروایا اور مشن کی تبلیغی مساعی کو بے حد سراہا۔ چنانچہ استنبول کے ایک مشہور اخبار ''توحید افکار'' کے صفحہ اول پر مشن کی سرگرمیوں کی تفصیل مسجد کی تصاویر کے ساتھ شائع ہوئی جس میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے کارہائے نمایاں کا ذکر تھا اور انگلستان میں بھی حضرت مولانا کی تبلیغی کامیابیوں کو بے حد سراہا گیا تھا۔

مئی 1925ء کے آخر میں حضرت مولانا کی وطن واپسی سے پیشتر جرمن نو مسلموں نے ان کے اعزاز میں الوداعی تقریب منعقد کی۔ واپس آتے ہوئے حضرت مولانا نے پیرس میں ممتاز مسلمان لیڈر حکیم اجمل خان سے مشن اور مسجد کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی اور مالی امداد کے سلسلہ میں ان کی اعانت طلب کی۔ لاہور پہنچنے پر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کا ریلوے سٹیشن پر شاندار استقبال ہوا اور احمدیہ بلڈنگس میں اس مجاہد کے اعزاز اور خدمات دینیہ کے اعتراف میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا گیا جس سے حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب، شیخ نیاز احمد صاحب بیرسٹرایٹ لاء، سید سردار شاہ سابق پروفیسر وٹرنری کالج لاہور نے بھی خطاب کیا۔ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں جرمن نومسلموں کا بے مثال جوش وخروش بھی دیکھنے میں آیا۔

طہران کے روزنامہ ''شفق سرخ'' نے احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی تبلیغی کاوشوں کے متعلق ایک ادارتی نوٹ لکھا جس کے چند اقتباس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

''انجمن تبلیغات کا مرکز لاہور (ہندوستان) میں ہے اور اس کی شاخیں ترویج اور اشاعت اسلام کے لئے ہند، برما اور دیگر ممالک شرق میں قائم ہیں۔ اس انجمن کا کام زورشور سے ترقی کر رہا ہے۔۔۔۔ اس انجمن کی طرف سے بہت سے مبلغین بلاد یورپ وامریکہ میں دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے مقرر ہیں۔ انجمن سے تعلق رکھنے والے اور اس کے ممدومعاون زیادہ تر مذہب کے شیدائی اور احمدیہ مسلک سے وابستہ ہیں۔ ان کی علو ہمت اور سرگرمی سے لندن کے علاقہ ووکنگ میں تبلیغی سرگرمیاں زوروشور سے جاری ہیں۔ جس کی تصویر اور تفصیلی حالات جرائد انگلستان میں شائع ہو چکے ہیں۔

اب انجمن مذکورہ بالا کی سرپرستی میں اس کے مبلغین نے شہر برلین میں ایک مسجد تعمیر کی ہے جو عظمت و وسعت کے لحاظ سے برلین کے بہترین معابد میں شمار ہوتی ہے۔ اور اب تک اس پر پانچ ملین روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس انجمن کا اصلی اور بنیادی کام یہ ہے کہ ممالک یورپ اور امریکہ کے دارالسلطنتوں اور دیگر بڑے

بڑے شہروں میں اشاعت اسلام کی غرض سے مراکز و مساجد قائم کی جائیں۔''

مسجد کی عمارت کے متعلق تفصیلات: لمبائی 46.5 فٹ، چوڑائی 46.5 فٹ دروازے کی اونچائی 30 فٹ سے زیادہ، گنبد 75 فٹ سے اونچا، میناروں کی بلندی 90 فٹ۔ دونوں مینار مسجد کے دونوں طرف 25-25 فٹ کے فاصلہ پر بنائے گئے ہیں۔ مسجد کے فرش کے چاروں طرف 4 فٹ چوڑی گیلری چھوڑی گئی ہے۔ 37.5 فٹ لمبی اور 32.5 فٹ چوڑی جگہ چھوڑ کر گنبد تیار ہوا ہے۔ اس گنبد کو 12 ستونوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔

برلین مسجد کی عمارت مکمل ہونے والی تھی۔ لیکن ابھی مینار، گنبد اور دیگر آرائش کے کام باقی تھے۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب نے جماعت کو اس قابل فخر کامیابی پر مبارکباد کا یہ پیغام دیا:

''ہماری قوم اس پر جائز فخر کر سکتی ہے۔ میں آپ سب کو بڑوں کو اور چھوٹوں کو امیروں اور غریبوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کی مجموعی ہمت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اتنا بڑا اہم کام جس کے متعلق قوم کے اہل الرائے کئی دفعہ مایوس ہو چکے تھے آج اس کے فضل سے وجود میں آیا ہے فالحمد للہ رب العالمین۔''

اس سلسلہ میں جرمنی سے حضرت مولانا کا یہ خط 27 دسمبر 1924ء کو جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پڑھا گیا:

''اس مسجد کی غرض صرف مسلمانوں کو ہی مسجد کے اندر لانا نہیں ہے بلکہ اس کے لیکچروں اور خطبوں میں برلین کے غیر مسلم لوگوں کو مدعو کرنا ہے اس لئے اس کی وسعت کا خیال نہایت ضروری تھا۔ فالحمد للہ کہ ایسا ہو گیا ہے۔ کیا وسعت کے لحاظ سے، کیا بلحاظ شان کے اور کیا بلحاظ خوبصورتی کے ایک موزوں مسجد برلین میں تیار ہو گئی ہے۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔''

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ برلین مسجد کی تعمیر کا پہلا تخمینہ تو پچاس ساٹھ ہزار روپے کا تھا لیکن بعد میں بعض حالات کی وجہ سے اخراجات بڑھتے گئے۔ جو ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئے۔ ان حالات میں ۲۴ء کے آخر میں جب کہ مسجد کے مینار ابھی بنے نہیں تھے مولانا محمد علی صاحب نے برلین میں مولانا صدرالدین صاحب کو پیغام بھیجا کہ میناروں کا کام سر دست ملتوی کر دیں۔ برلین مسجد کے لئے ایک عرصہ سے مولانا محمد علی صاحب کی خاص اپیلوں پر چندہ جمع ہوتا چلا آرہا تھا۔ دسمبر ۲۴ء کے سالانہ جلسہ میں بھی اس غرض کے لئے چندہ جمع کیا گیا۔ اس جلسہ میں پہلے دن عورتوں کے جلسہ میں مولانا محمد علی صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات کا ذکر کیا کہ برلین مسجد کے میناروں کا کام روک دیا گیا ہے۔ مستورات سے خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے آپ نے چندے کی اپیل کی اور فرمایا:

''شاید ہماری جماعت میں بہت سی بہنوں کا یہ خیال ہو کہ ان کے خاوند یا بزرگ جب دینی خدمات میں حصہ لیتے ہیں تو ان کے لئے یہی کافی ہے۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ جس طرح خاوند کی کی ہوئی نیکیاں بیوی کے کام نہ آئیں گی۔ اسی طرح اس کی خیرات بھی بیوی کے کام نہ آئے گی۔ قرآن کریم میں جہاں صدقہ دینے والے مردوں کا ذکر کیا وہاں المتصدقات یعنی صدقہ دینے والی عورتوں کا ذکر بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کی ذمہ داری جس طرح مردوں پر رکھی ہے اسی طرح عورتوں پر بھی رکھی ہے۔ ہمارے سلسلہ کی خواتین کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خاوند خواہ کتنی بھی خدمت دین کریں، اگر وہ اپنے طور پر خدمت دین میں حصہ نہیں لیتیں تو ایسی ہی محروم ہیں جیسے دوسری کوئی عورت۔۔۔''

آپ کی اس اپیل پر یہ نظارہ پیش آیا کہ تمام حاضرین خواتین نے اپنے زیور اتار اتار کر اشاعت اسلام کے لئے دے دیئے اور مردانہ جلسہ میں قوم نے باقی رقم کو پورا کر دیا اور اس طرح برلن مسجد کے مکمل ہونے کے سامان ہو گئے۔ مسجد کی تعمیر کا کام 1927ء میں ختم ہوا۔

☆☆☆☆

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان رحمتہ اللہ علیہ

مرتب: حامد رحمٰن

اے گل چین اجل تجھ سے کیا نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

کسی بھی انسان کی زندگی کا علمی احاطہ کرنا ایک مشکل عمل ہے اور پھر خصوصاً ایک ایسے شخص کا جو ایک گمنام دیہات سے اُٹھ کر ایک عالمگیر شخصیت بن کر ہزاروں انسانوں کی زندگی کو جذباتی، روحانی اور جسمانی وفکری طور پر متاثر کردے۔ ایک خدارسیدہ فقیر منش حکیم کا اکلوتا بیٹا جو عظیم ڈاکٹر بنا۔ خود ٹی بی کا شکار ہوا معجزاتی طور پر شفا پائی اور پھر اسی مرض سے برسر پیکار رہا۔ یہ مرض جو اس زمانہ میں لاعلاج تصور ہوتا تھا اس کے سایہ سے لوگ بھاگتے۔ اپنے بھی ایسے مریض سے کنارہ کش ہوتے مسیحا بن کر اس مردِ مجاہد نے بے شمار بجھتے چراغوں کو زندگی کی لو بخشی اور پھر زندگی کا بہترین حصہ بمع اہل وعیال انہی مریضوں کے درمیان بطور سپرنٹنڈنٹ ڈاڈر سینی ٹوریم گذار دیا۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان اپنے والدین کی دوسری اولاد اور اکلوتے فرزند تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی حکیم محمد اسحاق آپ سے کافی بڑے تھے اور ہمشیرہ نور جہان بیگم بھی سمجھدا ہو چکی تھیں اس لئے آپ گھر بھر کی آنکھ کا تارہ تھے۔ ایک طرف والد اور چچا حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پیار اور لاڈ کا مرکز اور دوسری طرف ماں اور بہن ناز برداری کے لئے ہر وقت موجود۔ مگر عمدہ تربیت اور گھر کے ماحول نے آپ کو بگڑنے نہیں دیا بلکہ اسی ماحول کے اثرات آپ کی شخصیت میں نمایاں ہوئے اور بچپن میں ہی آپ کے مضبوط کردار اور ہشت پہلو شخصیت کی داغ بیل پڑ گئی۔

آپ کا کنبہ چند نفوس پر مشتمل تھا مگر اس مختصر سے کنبے کے ہر فرد کے دل میں ایمان کی شمع روشن تھی اور ہر نفس احمدیت کے نشے میں سرشار تھا۔ نماز، روزہ اور ذکر قرآن وحدیث ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

اکثر موسم سرما میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر تندور کے بجھتے ہوئے انگاروں کی تپش سے حرارت حاصل کرنے کے لئے آپ کے والد اور چچا تندور کے پاس بیٹھ جاتے تو آپ ضرور ساتھ ہوتے اور کافی دیر تک مجلس رہتی۔ دین، قرآن اور اشاعت دین کی باتیں ہوتیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا اور مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں ہوتیں۔ اس طرح گھر سے باہر قدم رکھنے سے پہلے ہی آپ دین اسلام اور احمدیت کی محبت سے سرشار تھے۔ علم وحکمت، ذہانت، عقل اور دانش اور فہم قرآن باپ سے وراثت میں پایا تو صبر وتحمل، بردباری اور کشادہ دلی ماں سے ورثے میں ملی۔ طہارت وتقویٰ، زہد وعبادت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی، صلہ رحمی، انکساری اور انسان دوستی اپنے چچا سے حاصل کی۔

کم عمری ہی میں مولوی حیات اللہ نامی ایک بزرگ آپ کو قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے اور انہوں نے نہایت توجہ بلکہ بہت سخت گیری سے قرآن کی تعلیم دی۔ ان کی سخت گیری کا ذکر آپ اکثر فرماتے تھے۔ قرآن کی تعلیم مکمل ہوئی تو آپ کو داتا نامی گاؤں کے سکول میں داخل کر دیا گیا جہاں جماعت سے وابستہ سید خاندان کے بزرگان آپ کے سرپرست تھے۔ ایک دفعہ ہفتہ کی تعطیل گذارنے گاؤں آئے اور اگلے دن سکول واپس جانے سے انکار کر دیا۔ ماں اور بہن نے پیار سے دلار سے سمجھایا مگر بیکار۔ باپ اور چچا گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، ماں جانتی تھی کہ اگر اس وقت نرمی دکھائی تو پھر تعلیم رہ جائے گی۔ خود تو سختی کر نہ سکتی تھی مولوی حیات اللہ صاحب کو بلوا بھیجا۔ مولوی صاحب آئے اور ملازم سے خاردار بیری کی جھاڑیاں منگوا کر زمین پر بچھا دیں اور ننھے سعید احمد کو اوپر لٹا کر دھمکی دی کہ آگ لگا دیں گے۔ اتنی سخت سزا اور ماں نے اف تک نہ کی۔ آپ بتاتے تھے کہ عرصہ تک پیٹھ پر کانٹوں کے نشان رہے۔

سات سال کی عمر میں آپ والد اور چچا کے ہمراہ قادیان گئے۔ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور کئی ماہ آپ کی صحبت میں رہے۔ والد نے سمجھایا کہ ''دیکھو ہم یہاں حضرت صاحب کی صحبت سے فیض پانے کے لئے آئے ہیں کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرنا'' باپ کی نصیحت اس سعید روح میں اتر گئی اور جب ہم عمر لڑکے کھیلنے کے لئے بلاتے تو فوراً کہہ دیتے ''ہم یہاں کھیلنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت صاحب کے لئے آئے ہیں'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے سے پہلے ہی مسجد مبارک کی کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتے۔ نگاہیں کھڑکی پر ہوتیں۔ حضرت صاحب کی جھلک نظر آتے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے۔ آپ مسجد میں قدم رکھتے تو آگے بڑھ کر آپ کے لباس کا کوئی حصہ تھام لیتے اور محراب تک ساتھ ساتھ چلتے اور قریب بیٹھ جاتے۔ اکثر پاؤں دبانے لگتے ہر بیعت کرنے والے کے ساتھ اپنا چھوٹا سا ہاتھ بڑھا کر بیعت میں شامل ہو جاتے۔ ایک دن والد صاحب نے ایک روپیہ ہاتھ میں تھمایا کہ حضرت صاحب کے ہاتھ میں دینا۔ حضرت صاحب متوجہ ہوئے اور پوچھا ''یہ بچہ کون ہے'' آپ کے والد نے فرمایا ''حضور کا غلام زادہ ہے، آپ نے ہی سعید احمد نام رکھا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں'' آپ ''غلام زادہ'' کا مطلب سمجھ نہ پائے بعد میں والد صاحب نے ایسا سمجھایا کہ تمام زندگی کے لئے ذہن نشین ہو گیا۔ بس انہی ملاقاتوں میں مسیح وقت کی نگاہ سحر انگیز نے ایسا محور کیا کہ تاحیات اس غلامی کو باعث فخر جانا۔ اس برس آپ کا قیام قادیان میں خاصا لمبا رہا۔ جب بھی حکیم محمد یحییٰ صاحب نے زبانی یا تحریری طور پر واپسی کی رخصت چاہی اور کوئی عذر پیش کیا۔ حضرت صاحب نے مزید رکنے کو کہا اور آپ نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اس طرح آپ اس روح پرور ماحول اور فیوض کے آب رواں سے جو حضرت صاحب کی ذات سے جاری تھا خوب سیراب ہوئے۔

چوتھی جماعت میں ہوئے تو آپ کو مانسہرہ کے سکول میں داخل کر دیا گیا مگر بورڈنگ کی فضا کو آپ کے لئے نامناسب تصور کرتے ہوئے ایک ہندو دوست سائیں داس نامی کے گھر رہائش کا انتظام کیا۔ انہوں نے آپ کی رہائش کے لئے لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا ایک کمرہ نما گودام دیا جو عام طور پر دیہاتوں میں غلہ رکھنے کے لئے کام آتا ہے اور اسے ''توتڑی'' یا ''کٹھالی'' کہتے ہیں۔ اس میں دن کے وقت بھی دیا جلانا پڑتا۔ سکول سے آکر آپ اس کی کھڑکی سے اندر چلے جاتے اور پڑھائی میں مصروف ہو جاتے۔ گھر کی کوئی خاتون کھڑکی سے ان کے برتنوں میں کھانا ڈال دیتی اسی پر صبر و شکر کر لیتے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا کہ اپنے گھر کے کشادہ صحنوں اور کھلے کھلیانوں کی فضا میرے نصیب میں کیوں نہیں۔

گاؤں میں گھر سے باہر ہی زرعی اراضی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مکئی کی فصل کٹ چکی تھی، کھیتوں میں سوکھے ڈنٹھل (ٹانڈے) کھڑے ہوتے۔ اچانک گر پڑے اور سوکھا ڈنٹھل نازک پنڈلی کو چیر کر اندر ٹوٹ گیا۔ صبر کی انتہا کہ اسی طرح گھر آئے۔ ماں نے ''پلٹس'' بنا کر باندھی۔ والد سے بھی جو کچھ بن پڑا کیا مگر پورا ایک ماہ بستر پر کاٹنا پڑا۔ تب جا کر وہ زخم بھرا۔ یہ ماہ بہت صبر آزما تھا۔ اس کی تکلیف آپ کبھی نہیں بھولے۔ فرمایا کرتے تھے ''جب میں اپنے اوپر خدا کے انعامات کو یاد کرنے لگتا ہوں تو اس وقت کی اپنی عاجزی اور بے بسی یاد آتی ہے اور خدا کے آگے سر جھک جاتا ہے کہ خدایا تیرے کتنے انعامات مجھ عاجز پر ہیں کہ آج بڑے بڑے آپریشن کرتا ہوں اور دوسروں کو آرام پہنچاتا ہوں یا وہ بیچارگی تھی کہ اپنے زخم کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس زخم کا ہلکا نشان ہمیشہ پنڈلی پر رہا۔

اپنے والد کی نسبت حضرت امیر اپنے چچا محترم جنہیں وہ ''کاکا جی'' کہتے تھے، سے زیادہ مانوس تھے اور چچا محترم کی شخصیت نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ آپ کی تربیت میں ان کا بہت ہاتھ تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا محترم مانسہرہ سے گاؤں آرہے تھے اور روزے سے تھے۔ راستے میں افطار کا وقت ہو گیا۔ آپ نے ایک پودے سے کھٹے پتے توڑ کر منہ میں ڈال لئے۔ گھر آکر پوچھنے پر یہ بتایا اور بعد میں پوٹلی سے مٹھائی نکال کر بھتیجے کو دی۔ بھائی نے پوچھا کہ ''مٹھائی تھی تو پتوں سے کیوں روزہ افطار کیا'' تو فرمانے لگے ''یہ تو سعید احمد کی امانت تھی سائیں داس بزاز نے اس کے لئے بھیجی تھی'' حالانکہ یہ تو یونہی کہہ دیا جاتا ہے کہ ''بچے کے لئے مٹھائی ہے'' اس بات کا حضرت امیر پر بہت گہرا اثر ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر موسم گرما کی تعطیلات میں گھر میں بیٹھے اسکول کا کام کر رہے تھے کہ چچا محترم تشریف لائے۔ دیکھا کہ بھتیجے کے پاس مٹھی بھر نب ہیں۔ جو کسی صورت انہوں نے خریدے نہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ فلاں ہم جماعت نے سب کو دیئے ہیں، مزید استفسار پر پتہ چلا کہ اس نے کتب فروش کی دکان سے پورا

ڈبہ اٹھایا تھا۔ چچا نے بھتیجے کا ہاتھ تھاما اور تپتی دوپہر میں چھ میل دور داتا گاؤں کی طرف لے کر چل پڑے اور سمجھایا کہ چوری کے نبوں سے جو بھی لکھو گے اس کا حرام تمہاری کمائی میں شامل ہوتا رہے گا۔ نہایت شفیق اور چاہنے والا چچا کی تربیت رائیگاں نہ گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیانت اور تقویٰ کی باریک راہوں کی پہچان کروا گئی۔

قادیان کی ایک جھلک جو حضرت صاحب کے زمانے میں دیکھی تھی۔ تبھی سے اس ماحول کی جاذبیت آپ کو اپنی طرف کھینچتی رہتی تھی۔ ایک اور موقعہ حضرت مولانا نور الدین صاحب کے دور میں جلسہ سالانہ پر جانا نصیب ہوا تو وہیں بس رہنے کی تمنا دل میں پیدا ہوئی۔ یوں بھی مانسہرہ کے سکول کی فضا اور شہر کے بازاری ماحول سے بیزار تھے۔ احمدی ہونے کی وجہ سے بھی ستم توڑے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی اپنی کتابوں پر اپنے نام کے ساتھ احمدی ضرور لکھتے تھے۔ مگر اس ماحول کی آلودگی سے فرار چاہتے تھے۔ والد صاحب سے عرض کی مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ گاؤں سے فاصلہ بہت تھا۔ والدہ کے لئے بھی جدائی صبر آزما ہوتی مگر آپ نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ اب اگر پڑھنا ہوگا تو قادیان میں ہی پڑھیں گے۔ والد محترم ماہ رمضان گذارنے قادیان گئے تو اگلے ہی دن گھر میں بغیر اطلاع دیئے کتابوں کا بستہ اٹھا کر آپ بھی عازم سفر ہوئے۔ جیب میں چند روپے تھے جس سے بٹالہ تک کا ٹکٹ لے لیا اور ایک وقت کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد جیب خالی تھی۔ ایک سکھ ہم سفر تھا اس کے کپڑے چھینٹے پڑنے سے خراب ہوگئے ایک سٹیشن پر اس نے آپ کو ایک اکنی دی کہ صابن لا دو اور جو ایک پیسہ بچا آپ کو ہی دے دیا۔ صبح سویرے بٹالہ کے سٹیشن پر اترے اور قادیان کی طرف چل پڑے۔ ایک پیسے کے مٹھی بھر بھنے چنے لے کر جیب میں ڈال لئے اور دانہ دانہ کر کے کھاتے رہے۔ اس طرح جب بارہ میل کی پیدل مسافت طے کر کے قادیان پہنچے تو سفر اور بھوک سے نڈھال تھے۔ بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک دکاندار نے پہچان لیا کہ یہ تو مولوی صاحب کا بیٹا ہے۔ وہ ایک دن پہلے آئے ہیں اور یہ آج؟ بہرحال چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر پاس بلایا۔ گرم گرم دودھ جلیبیاں کھلائیں اور حضرت صاحب کے مہمان خانے تک لے گیا۔ والد صاحب سخت ناراض تھے۔ مہینہ بھر بات نہ کی مگر خورد و نوش کا خیال رکھتے رہے۔ ادھر آپ جس ارادے سے آئے تھے اس کی تکمیل میں لگ گئے۔ سکول کی تو چھٹیاں تھیں۔ مگر ایک نومسلم طالب علم جس کا نام عبدالرحمٰن تھا وہ وہیں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ اس سے پوچھ پاچھ اپنی پڑھائی شروع کردی اور اتنا پڑھ لیا کہ ہم جماعتوں کے ساتھ چل سکیں۔ والد صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ کو بلایا اور نرمی سے سمجھا کہ ''گھر سے بہت دور ہو جاؤ گے، تمہاری والدہ اتنی لمبی جدائی کیسے برداشت کرے گی، بیمار پڑ جائے گی۔'' مگر آپ نے قادیان کے صاف ستھرے ماحول اور فضا کو چھوڑ کر دوبارہ مانسہرہ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ والد صاحب نے بورڈنگ میں داخل کروا دیا اور کہا کہ گھر جا کر ضروری سامان بھجوا دیں گے۔ حضرت مولانا صدر الدین صاحب اس وقت سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے جو نہایت شفیق اور بہت اعلیٰ منتظم تھے۔ سکول کا تعلیمی معیار بہت اعلیٰ تھا۔ جلد ہی آپ اس ماحول میں گھل مل گئے اور اچھے طالب علموں میں شمار ہونے لگا۔ بعد میں جب ایبٹ آباد کے سکول میں داخل ہوئے تو ایک انگریز افسر نے معائینے کے دوران آپ سے انگریزی میں جو سوال کئے ان کے جواب سن کر ہیڈ ماسٹر سے پوچھا کہ اس طالب علم نے انگریزی کا اتنا اچھا تلفظ کہاں سے سیکھا ہے۔ حضرت امیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو ان کے تعلیم کے اس دور کا انعام ہے جو انہوں نے قادیان میں گذارا۔

موسم گرما کی تعطیلات میں گھر آئے تو شخصیت میں ایک وقار کی جھلک سب نے محسوس کی۔ نمازوں کی امامت تو پہلے بھی کبھی کبھار کرتے رہتے تھے اور خطابت تو اس چھوٹی عمر میں بھی کی تھی۔ گاؤں کی مسجد میں کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں درثمین کی نظمیں ترنم سے پڑھتے تھے۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کی طویل زندگی بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ آپ ایام جوانی میں ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہوگئے۔ ہر چند کہ علاج اور دوا میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر افاقے کی رفتار سست رہی۔ آپ کے والد صاحب نے جماعت کے بزرگوں سے صحت یابی کے لئے دعا کی استدعا کی۔ ہر احمدی نے رو رو

کر اور گڑگڑا کر دعا کی۔ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا کہ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ''اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش''۔

اسی طرح آپ کے والد صاحب کے دوست ہزارہ کے مولوی عبدالرحمٰن مرحوم آپ کی صحت کے لئے دعا میں مصروف تھے تو ان کو آواز آئی ''سعید بل ہو گیا اے'' یعنی سعید صحت یاب ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کے والد صاحب نے دعا کی کہ ''اے اللہ میری بقیہ زندگی بھی سعید کو دے دے'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ جب آپ مکمل صحب یاب ہو گئے تو آپ نے پھر اپنی زندگی کے لئے دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دوسری دعا بھی قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صالح بزرگ ہستیوں کو طویل عمر سے نوازا۔

عملی زندگی میں آپ نے ڈاکٹری کا پیشہ اپنایا اور مریضوں کے مسیحا ہو گئے۔ بعد میں آپ کو ڈاڈر سینی ٹوریم کا بانی انچارج لگایا گیا۔ اس زمانہ میں ٹی بی ایک انتہائی مہلک بیماری ہوتی تھی۔ اس لئے مریضوں کو علاج کے لئے الگ تھلگ صحت افزا مقامات پر بنے ہسپتالوں میں رکھا جاتا تھا۔ جب آپ نے چارج سنبھالا تو وہاں ہو کا عالم تھا۔ نہایت ہی ویرانی تھی۔ لیکن پھر آپ کے جذبہ ایثار اور خدمت خلق کی سچی لگن نے اس جنگل کو آباد کر دیا۔ نئے نئے وارڈوں کا اضافہ ہوا۔ گورنمنٹ نے مزید ڈاکٹروں اور نرسوں کی کھیپ بھیج دی لیکن اس جسمانی مسیحا میں کوئی تو ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ وارڈوں کے وارڈ بنے اور بھر گئے۔ حتیٰ کہ خیمے لگا کر مریضوں کو وہاں رکھا جاتا۔ کیونکہ اس عجیب شخص کی زبان پر نہ کا تو لفظ ہی نہ تھا کہ ایک بیمار آئے اور یہ اس سے کہے کہ بھئی جگہ نہیں۔ ہسپتال کے آؤٹ ڈور کے علاوہ ہسپتال سے ان کی رہائش گاہ کے درمیان چیڑ کے درخت آؤٹ ڈور ہوا کرتے تھے۔ جب آپ ڈیوٹی دے کر واپس جاتے تو راستہ میں ان بے چارے مریضوں کو دیکھتے ہوئے جاتے۔ ٹی بی کے مریضوں کو کئی کئی مہینے یا سال علاج کے لئے سینی ٹوریم میں رہنا پڑتا۔ گھر سے زندگی سے مایوس، ہمت ہارے ہوئے زرد رو مریض سینی ٹوریم پہنچتے تو یہ مسیحا ان میں پھر سے ایک نئی امنگ پیدا کر دیتا کہ زندگی پھر سے سہانی نظر آنے لگتی۔ بعض مریضوں نے اپنے حالات و واقعات قلم کی نذر کئے ہیں۔ جنہیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ کوئی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی خدمت کے لئے انسان بنا کر ڈاڈر بھیجا ہے۔

انہی خدمات کے صلہ میں حکومت برطانیہ نے آپ کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ پھر حکومت پاکستان نے ستارہ خدمت دیا۔ اس کے علاوہ دو دفعہ آپ کو ریٹائرمنٹ کے بعد ملازمت میں توسیع دی گئی۔ جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل خدا نے آپ کو بہت عزت سے نوازا تھا۔ وزراء وارڈوں کے افتتاح کرنے کے لئے آتے تو بجائے اس کے کہ خود فیتہ کاٹیں، وہ آپ سے فیتہ کٹواتے۔

سانحہ ۱۹۷۴ء کے بعد جماعت کے بزرگوں کے بار بار اصرار پر آپ نے لاہور میں مرکزی انجمن میں کام شروع کیا اور آپ کو انجمن میں سینئر نائب صدر اور انچارج بلادِ غیر چنا گیا۔ اس طرح آپ دارالسلام میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اس پیرانہ سالی میں دوسرے ممالک کے کئی دورے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دوروں کو بہت برکت بخشی۔ باہر کے ممالک میں احمدیہ انجمن لاہور کے نام سے جماعتوں کو رجسٹر کروایا۔ جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ختم کر کے نئی جہت دی۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی وفات کے بعد جماعت نے آپ کو باالتفاق رائے اپنا امیر چنا۔ اس منصب پر آپ اپنی وفات تک فائز رہے۔

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی یارو
یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

ان کی زندگی کا ہر پہلو آفتاب کی مانند روشن اور تابناک تھا۔ بہرحال ہمیں تو اب اس بیش قیمت چراغ کی لو کو روشن رکھنا ہے۔ ان کی شخصیت کیا تھی؟ وہ صرف اپنے خون کے رشتہ داروں کے لئے ہی شفیق ہستی نہ تھے بلکہ پوری جماعت کے مشفق تھے۔ ہر چھوٹا بڑا سمجھتا تھا کہ وہ اس سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ کوئی دکھ، تکلیف یا پریشانی ہو تو فوراً ''جان جی'' کو دعا کے لئے عرض کیا اور اپنا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

یتیموں اور غریبوں کی مدد کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے کہ ''مومن وہ ہیں جو غریبوں اور یتیموں کی دادرسی کرتے ہیں، ان کی خبر گیری کرتے ہیں، ان پر احسان نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں

تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اس کی عملی تفسیر تھے۔ آپ کے ہاں نہ صرف کئی یتیم بچے اور بچیوں نے پرورش پائی بلکہ ان کو عملی زندگی میں باوقار مقام تک پہنچانے میں بھی کسر نہ چھوڑی۔ یتیم بچیوں کی شادی کروا کر احسن طریقے سے رخصت کرتے اور بعد میں بھی اپنی اولاد کی طرح خبر گیری رکھتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے، پھر وہ اس مال کو راہ حق میں خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابل رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی۔ یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔ ایسی ہی زندگی حضرت ڈاکٹر صاحب کو نصیب ہوئی۔

اب دور جا چکا ہے وہ شاہ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں ادا ہیں

آپ کے دور امارت میں قرآن کریم کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے جن سے ہم سب آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ سلسلہ کی کتب کے بھی تراجم ہوئے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ''میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' آپ کے دور میں اس سلسلہ میں کافی پیش رفت ہوئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''سورج مغرب سے طلوع ہوگا'' کی عملی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کے دور میں مختلف مغربی ممالک کو ان کی زبان میں قرآن پاک کے تراجم فراہم کئے گئے۔

حضرت اقدس نے مغرب میں تبلیغ اسلام اور مغرب سے سورج طلوع ہونے یعنی مغربی اقوام کے اسلام قبول کرنے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعے سے بعض خدمات کا پورا ہونا ایسا ہی ہے گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ ہمارا ہی روپ لے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے''۔

افسوس وہ شخص دنیا سے اُٹھ گیا جس کا وجود ہمارے لئے باعث افتخار تھا اور شاید تحریک احمدیت کا آخری سپوت تھا جس نے حضرت مسیح موعود کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے رفقاء کے چشم دید گواہ تھے۔ حضرت امیر کی وفات نہ صرف ان کے خاندان بلکہ پوری جماعت کے لئے سانحہ عظیم ہے جس پر جتنا دُکھ کا اظہار کریں کم ہے۔ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اپنے محسنوں اور پیاروں کا ہمیشہ کے لئے چلا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ ہمارے پیارے نبی ختم الرسل صلعم اپنے بیٹے کی وفات پر روئے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** نازم ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کا سوچ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ روئے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھوں کا نور چلا گیا۔ حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اپنے بیٹے کی میت کو چوما اور روئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا:

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جو غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیز گار، پاک شکل اور پاک خو تھے ہمیں غم زدہ بنا کر ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ ہمیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں آنکھوں کے اشکبار اور دل کے غمزدہ ہونے کے باوجود یہی کہنا ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی نسخہ کیمیا ہے جو زخمی دل کو سکون اور آرام بخشتا ہے۔ حضرت اقدس کی تقلید کرتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جیسا آپ فرماتے ہیں:

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پر اے دل تو جاں فدا کر

کیا کیا جائے یہی نظام الٰہی ہے اس کے سامنے ہم سب مجبور اور بے بس ہیں۔ ہم اپنے محسن عظیم، انسانیت اور شرافت کے پیکر کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی روح پر فتوح پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

از: پروفیسر اعجاز احمد سیال صاحب

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید رحمتہ اللہ علیہ

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب مرحوم و مغفور ۱۳،۱۴ اکتوبر ۲۰۰۲ء کی رات اپنی آخری منزل کی طرف رواں ہوئے: ''ہم سب اللہ کی طرف سے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا

غالباً حضرت امیر مولانا محمد علی صاحب کی وفات بھی اسی تاریخ کو ہوئی تھی۔ قدرت الٰہی کا ایک اور حسن اتفاق کہ حضرت امیر مولانا صدر الدین صاحب اور حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی تاریخ وفات بھی ایک ہے یعنی ۱۵ نومبر۔

ایک قابل غور بات ان بزرگوں کے متعلق یہ ہے کہ ان کا روحانی مقام نہایت بلند تھا اور ان بزرگوں کی روحانیت کو خدا تعالیٰ نے بلند کرنے کے لئے ان کے امیر بننے سے پہلے انہیں مختلف انداز میں آزمایا۔ حضرت علامہ حکیم مولانا نورالدین صاحب، حضرت مولانا محمد علی صاحب، حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ ان کو تقویٰ اور بصیرت میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے درجات کی بلندی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۹۷۴ء میں آزمایا۔ نہ صرف گھر بار اور کلینک جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا بلکہ روزگار اور اپنا شہر بھی چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی لیکن پھر بھی نہ کبھی کوئی گلہ کیا نہ شکوہ۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی بلندی درجات کے لئے بھی آزمائش ہوئی۔ انہیں بھی ۱۹۷۴ء میں ابتلاء سے گذرنا پڑا۔ گھر پر حملہ ہوا، کار جلا دی گئی، ریٹائر ہونے پر دارالسلام چلے آئے۔ یہاں پہلے آپ کے جواں سال بیٹے کیپٹن ڈاکٹر آصف حمید کی اچانک وفات کا صدمہ پیش آیا اور کچھ ہی عرصہ بعد حضرت امیر مرحوم کی بیگم صاحبہ بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ گھر کی پریشانیوں میں اضافہ ہوا لیکن آپ نے کمال صبر و تحمل کا نمونہ دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے راقم کی واقفیت اس وقت سے ہے جب آپ ریٹائر ہونے کے بعد دارالسلام میں رہائش پذیر ہوئے۔ اس وقت راقم ایف سی کالج کا طالب علم تھا۔ آپ نمازوں کے لئے نہایت باقاعدگی سے جامع میں تشریف لاتے تھے۔ اس لئے آپ سے روزانہ ملاقات ہو جاتی۔ پھر آپ کے دو بیٹوں آصف حمید مرحوم اور عاصم حمید سے ہم بھائیوں کی دوستی دن بدن گہری ہوتی گئی۔

آپ کے پاس ایک سوزوکی موٹر سائیکل تھی۔ جس پر آپ آصف حمید کو سکول چھوڑ کر آتے۔ ہم نوجوانوں کو جب کبھی بھی موٹر سائیکل کی ضرورت پڑتی تو آپ سے مانگ لیتے۔ آپ نے کبھی بھی انکار نہیں کیا لیکن آپ کیونکہ نہایت بااصول آدمی تھے۔ اس لئے یہ ضرور پوچھتے کہ لائسنس ہے لیکن کبھی چیک نہیں کیا۔

آپ ریاضی کے استاد تھے جبکہ راقم شماریات کا طالب علم تھا۔ راقم کو شماریات کے مضمون میں مشکل پیش آنے لگی۔ آپ سے ذکر کیا تو آپ نے نہایت محبت سے پڑھانا شروع کر دیا۔ راقم سے زیادہ آپ فکر کرتے۔ اگر کبھی غیر حاضر ہوتا تو دوسرے دن غیر حاضر رہنے کی وجہ پوچھتے۔ اسی طرح جماعت کے بعض اور طلباء بھی آپ سے مدد لیتے۔ بعض اوقات آپ جامع میں ہی بیٹھ کر مضمون کے بارے میں رہنمائی فرماتے۔

آپ کی صحت اچھی تھی، آپ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چھوٹے موٹے اپنے کام خود کرتے۔ یہاں تک کہ گھر کے کام کاج میں بھی آپ کافی ہاتھ بٹاتے۔ گھر کا سودا سلف خود پیدل جا کر دوکان سے خرید لاتے۔ بڑے بڑے دو تھیلے آپ کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے۔ اگر کبھی درخواست بھی کی تو ہنس کے شکریہ ادا کر دیا۔ جب آپ کو جماعت نے امیر منتخب کیا تو بھی آپ کا یہی معمول رہا۔ ہم نوجوانوں نے آپس میں میٹنگ کر کے فیصلہ کیا کہ حضرت امیر کے سودا سلف لانے اور دیگر کاموں میں معاونت کریں گے لیکن عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ میرا کام ہے، اس لئے مجھے ہی کرنا چاہیے۔ ہمارے مخلص بھائی انور علی صاحب جو کہ ہماری جماعت میں نئے نئے شامل ہوئے تھے۔ اس بات سے

بہت متاثر ہوئے کہ ہم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے واقعات سنے تو تھے لیکن یہاں اپنی آنکھ سے سربراہ جماعت کو اس سنت پر عمل پیرا ہوتے دیکھا۔

آپ اپنے گھر کے ملازمین کے ساتھ نہایت ہمدردانہ اور شفقت سے بھرا ہوا رویہ رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ملازمین آپ سے خوش رہتے۔ آپ ان سے ہلکا پھلکا مزاح بھی فرما لیتے۔

آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو جماعت کے پرانے قبرستان میانی صاحب میں آپ کی والدہ کے قدموں میں دفنا دیا جائے لیکن آپ چونکہ دوسروں کی خواہش کا احترام کرتے تھے اس لئے جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے بیٹے عاصم حمید کا اصرار ہے کہ دارالسلام کے قبرستان میں آپ کو دفنایا جائے تو آپ نے اس کی بات مان لی اور اجازت دے دی کہ دارالسلام میں ہی انہیں دفنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کو ایک خاص قسم کا رعب عطا کرتا ہے۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے کچھ ایسی ہی شخصیت عنایت کی تھی کہ اپنوں اور غیروں میں آپ کا بے حد احترام اور عزت تھی۔ آپ کے شاگرد بھی آپ کی دل سے عزت کرتے۔ بلکہ آپ کی یونیورسٹی کے بعض رفقاء تو آپ کو فرشتہ کہتے تھے۔ آپ انجینئرنگ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں میں رہے۔ ہمیشہ ایک ایک پائی کا حساب رکھا۔ آپ نے احمدیت کبھی نہیں چھپائی۔ اس طرح سے آپ چلتے پھرتے احمدیت کا نمونہ تھے۔ ۱۹۷۴ء میں جب سارے ملک میں احمدیوں کے خلاف تحریک چلی تو آپ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے اندر کالونی میں رہتے تھے۔ طلباء کا ایک جلوس آپ کے گھر بھی بلوہ کے ارادہ سے آ گیا۔ آپ گھر میں موجود تھے، مشتعل جلوس نے آپ کی کار کو نقصان پہنچایا۔ پھر آپ کے گھر میں توڑ پھوڑ کرنا چاہتے تھے۔ آپ کمال بہادری سے باہر اس مشتعل ہجوم میں نکلے اور طلباء کے لیڈر کو پکارا کہ کیا بات ہے۔ وہ آپ کا شاگرد بھی تھا۔ آپ کا ایسا رعب اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا کہ وہ مزید توڑ پھوڑ کئے بغیر جلوس کو لے کر واپس چلا گیا۔ اور جب دوسرے دن وہی طالب علم لیڈر آپ سے ریاضی کا مسئلہ سمجھنے آیا تو آپ نے کمال ظرف سے بغیر کسی گذشتہ ذکر کے اس کی رہنمائی کی۔ آپ نہ صرف خود عالم تھے بلکہ علم دوست بھی تھے۔ آپ دین کو بھی سوچ سمجھ کر پڑھنے کے عادی تھے اور تحقیق کر کے بات کی تہہ تک پہنچتے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کے کہنے پر آپ نے دارالسلام میں مغرب کی نماز کے بعد مختصر تفسیر کے ساتھ درس قرآن دینا شروع کیا۔ دارالسلام کی جامع میں نصیر احمد فاروقی صاحب کی علالت کے دوران کئی کئی ماہ تک جمعہ کا خطبہ بھی دیتے رہے۔ آپ کا خطاب نہایت سادہ مگر علمی ہوتا تھا۔ دوسروں کی تقریریں اور خطبے بھی بڑے انہماک سے سنتے اور بعض اوقات بڑے باریک نقطہ کی طرف توجہ دلاتے۔ ایک دفعہ کسی خطیب نے آپ کا ذکر امیر قوم کہہ کر کیا تو بعد میں آپ نے فرمایا کہ قوم تو ہماری پاکستانی ہے۔ امیر جماعت احمدیہ لاہور کہنا بہتر ہے۔ سالانہ تربیتی کلاس میں ہر سال سوال و جواب کی نشست رکھی جاتی ہے۔ جس میں طلباء و طالبات دین سے متعلق سوالات کے جوابات دیتے رہے۔ جب تک آپ کی صحت اچھی رہی آپ باقاعدہ سوال و جواب کی اس نشست میں شریک ہوتے۔ آپ مشکل سوال کا نہایت آسان اور مثبت جواب دیتے۔

آپ کی توجہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد کے اس دعویٰ کی طرف کافی تھی جس میں آپ نے فرمایا کہ میں ذوالقرنین ہوں اور اس پر آپ نے مختلف جنتریاں بھی جمع کیں اور آپ کا ذاتی خیال تھا کہ غالباً حضرت اقدس ہر لحاظ سے دو صدیوں کے مجدد ہیں لیکن اس مسئلہ میں ہمارے اختلاف کو ہرگز برا نہ مانتے تھے۔ آپ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رعایت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ خواہ مخواہ کی جرح اور جستجو سے اپنے لئے مشکلات نہیں پیدا کرنی چاہئیں۔

''سیدھی بات کہو'' کے قرآنی حکم کی آپ جیتی جاگتی تصویر تھے۔ انجمن کی مجلس منتظمہ اور مجلس معتمدین کے اجلاسوں کے علاوہ بھی آپ اس بات پر سختی سے کاربند تھے۔ جامع دارالسلام کے خطیب محترم راجہ محمد بیدار صاحب رخصت پر گئے تو آپ نے راقم کو کہا کہ تم خطبہ دو۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو تجربہ نہیں رکھتا اور نہ ہی میرا اتنا علم ہے۔ تو آپ نے فرمایا خطبہ دو گے تو خود بخود تجربہ ہو جائے گا۔ کتابیں موجود ہیں ان سے تیاری کر لو۔ آپ کی اس کمال محبت اور حوصلہ افزائی کا مجھے بہت فائدہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کام میں مجھے کامیابی نصیب فرمائی۔ الحمد

اللہ ذالک۔ آپ ارشاد فرماتے کہ خطبہ اور تقریریں لکھ لینی چاہئیں۔ پہلا فائدہ تو مقرر کو خود ہوتا ہے کہ اس کے پاس ریکارڈ رہتا ہے اور دوسرے احباب کو بھی اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

راقم کو جب انجمن نے فجی جماعت کے دورہ کے لئے منتخب کیا تو آپ ہر قدم پر رہنمائی کرتے رہے۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے میں نے دورہ پر نہیں جانا بلکہ آپ نے جانا ہے۔ آپ نے کمال مہربانی سے اپنے ہاتھ سے لکھے مختلف اور درس اور تقاریر مجھے دیں۔ اس کے علاوہ آپ نے وہاں کی جماعت کے لے ایک کیسٹ اپنے ایک ریکارڈ شدہ خطبہ کی تحفہ کے طور پر دی۔ اس اثناء میں آسٹریلیا کے سفارت خانے نے راقم کو ویزہ نہ دیا۔ اب میرے پاس ایسا پاسپورٹ تھا جس پر آسٹریلیا کے لئے اجازت نامہ سے انکار کی مہر لگی ہوئی تھی اور فجی کا ویزہ آسٹریلیا ایئرپورٹ پر ہی دیا جاتا ہے۔ کیونکہ راستہ میں جاپان کا ٹرانزٹ ویزہ نہ تھا اس لئے ڈی پورٹ ہونے یا کسی سزا سے مجھے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ البتہ انجمن کی رقم ضائع ہوجائے گی۔ اس پر آپ نے کمال مہربانی سے فرمایا کہ تو بس تیاری کرو۔ پیسے کی فکر نہ کرو۔ جماعتی کام صرف اس وجہ سے نہیں رکنے چاہئیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ فرماتے روپیہ پیسہ کو جماعت بندی کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ جتنا خرچ کریں گے اللہ تعالیٰ اتنا ہی بڑھ چڑھ کر دے گا۔

نماز کی آپ انتہائی پابندی فرماتے اور بہت اطمینان سے نماز باجماعت ادا کرتے۔ جب آپ کی صحت اچھی نہ رہی اور آپ مسجد میں تشریف نہ لا سکتے تو گھر میں نماز ادا کرتے۔ اگر کوئی ملاقاتی ایسے وقت میں کہ جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے، ملنے کے لئے آتا تو خدمتگار آپ کے نماز میں انہماک کے پیش نظر ملاقاتی کو آدھ گھنٹے بعد کا وقت دے دیتا۔ مذہب کے معاملہ میں آپ کا رویہ حقیقت پسند انہ تھا۔ آپ جماعت کو پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور ساتھ ہی تہجد کی تلقین بھی فرماتے۔ لیکن تہجد کے بارے میں فرماتے کہ اگر روزانہ اہتمام نہ ہو سکے تو چھٹی کے دن تہجد پڑھیں۔ آپ ہر نماز کے بعد آیت الکرسی اہتمام سے پڑھتے اس سے آپ کے ساتھ والے کو بھی توجہ ہوتی کہ وہ بھی پڑھے۔

آپ چندہ اور زکوٰۃ نہایت باقاعدگی سے ادا کرتے۔ اس کے علاوہ آپ فرماتے جماعت کے لئے اپنی جائیداد کا ایک حصہ ضرور وصیت کریں اور اس خیال سے کہ پتہ نہیں بعد میں اولاد وصیت پوری کرے یا نہ کرے۔ اپنی زندگی میں ہی ہر ماہ قسط وار یہ رقم ادا کر دینی چاہیے۔

جماعت احمدیہ لاہور کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو ہمیشہ متقی اور اسلام پر عمل پیرا امیر ملتے رہے ہیں۔ ہم نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اور حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب کی امارت کے دور نہایت قریب سے دیکھے ہیں۔ سادگی، خدا خوفی ان کا شعار تھا۔ نہ کوئی گارڈ ہے نہ کوئی لمبا چوڑا گھر، دروازہ کھلا ہے جو چاہیے جا کر مل سکتا ہے۔ حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحب امیر چہارم کے گھر جب بھی جانے کا اتفاق ہوا جونہی آپ کو پتہ لگا فوراً بلوا لیا۔ کئی دفعہ آپ کی طبیعت خراب ہوتی تو خود کو احساس ہوتا کہ شاید ہم سے غلطی ہوگئی ہے لیکن آپ نے ہمیشہ ملاقات کا شرف بخشا۔

ان کے خلق اور شفقت کا یہ عالم تھا۔ فوت ہونے سے ڈیڑھ دن پہلے جبکہ آپ کا جسم برف کی طرح سرد تھا، شاید آخری لمحات تھے لیکن پھر بھی آپ نے ناچیز کو ملاقات کا شرف بخشا۔

آپ کی طبیعت اگر اچھی ہوتی تو پھل پیش کرتے۔ البتہ چاکلیٹ کا ڈبہ ہمارے لئے خصوصی کشش کا باعث ہوتا جسے آپ کبھی خالی نہ ہونے دیتے۔ اگر آپ کا حال پوچھا جاتا۔ الحمد اللہ کہتے۔ خود آپ بھی جماعت کے لئے دعا کرتے۔ جو بھی آپ کو دعا کے لئے کہتا آپ نام یاد رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کمال کی یادداشت عنایت کی تھی۔ آپ کو مختلف بچوں اور احباب کے نام یاد ہوتے اور یہ بھی یاد رہتا کہ کوئی کیا کر رہا ہے۔ کیا تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

آپ نے ایک بات وصیت کے طور پر کہی جماعت کا اگلا امیر متفقہ طور پر چنیں اور ہر قسم کے جھگڑے سے اجتناب کیا جائے۔ الحمد اللہ آپ کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی اور مجلس معتمدین نے متفقہ طور پر امیر منتخب کیا۔

تحریک احمدیت لاہور کی صد سالہ

اسلامی خدمات کا مختصر جائزہ

عامر عزیز الازہری

وقت فیصلہ صادر کرتا ہے اور تاریخ حقائق کو سامنے لے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں وقت کی قسم کھائی ہے کہ وقت بالآخر سچائی کی حقیقت کی تصدیق کردے گا۔

دین اسلام اس کائنات کی وہ حقیقی سچائی ہے جس کے بارے میں رب کائنات کا وعدہ ہے کہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (سورۃ الصف ۶۱: آیت ۹)

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک بُرا منائیں''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین محمدی آخر کار دنیا میں کامیاب و کامران ہوگا اور اس کے سنہری اصول ہی غالب آکر رہیں گے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہر زمانے اور ہر دور میں ایسی تحریکات جنم لیتی رہی ہیں جن کا مقصد اور مطمح نظر دین اسلام کی روشنی دوسروں تک پہنچانا تھا۔ اسی کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا کہ خدا ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو مبعوث کرکے اس سے اور اس کے ساتھیوں سے اسلام کی خدمت اور تجدید کا کام لیا کرے گا۔ یہ صرف امت محمدیہ کا امتیاز ہے کہ وہ اس فیض سے کبھی خالی نہیں رہی۔ کوئی وقت اور زمانہ نہیں جب مصلحین، مجددین اور محدثین نے اس کی آبیاری نہ کی ہو۔

بیسویں صدی مذہبی دنیا کے لئے ایک عجیب رنگ رکھتی تھی جہاں ایک طرف سائنس اپنی معراج کو چھو رہی تھی تو دوسری طرف مذہبی دنیا کے تمام بڑے مذاہب کے پیروکار اپنا تن من دھن اپنے اپنے مذہب کو پھیلانے اور اس کی اشاعت و ترویج میں صرف کر رہے تھے۔ ہندوستان میں اسلام کی مخالفت میں عیسائیت اور ہندومت سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں اور اس وقت مسلمانوں کی سیاسی اور معاشی حالت کمزور تھی۔ اس کمزوری کے حال زار کا نقشہ مولانا حالی نے مسدس حالی میں اور علامہ اقبال نے اپنی نظم شکوہ جواب شکوہ میں کھینچا ہے۔

ان حالات میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے اسلام کے دفاع اور اس کی اشاعت و ترویج کا عظیم الشان کام اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اپنے ذمہ لیا۔ یہ ایک کٹھن ترین کام تھا۔ اغیار و اخیار کی ریشہ دوانیاں ایک طرف اور مسلمان علماء کی طرف سے فتوے، دشنام طرازیاں دوسری طرف زوروں پر تھی۔ ان حالات کے باوجود آپ نے ایک ایسی جماعت تیار کردی جس کے ممبران کی زندگیوں کا واحد مقصد قرآن اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تجدید اور اس کی اشاعت کرنا تھا۔ حضرت مرزا صاحب بانی سلسلہ احمدیہ 26 مئی 1908ء کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کی جماعت نے اس کام کو جاری رکھا۔

1908-1914 حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ کا دور

1908ء سے 1914ء تک تحریک کی قیادت حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ جیسے عظیم مفسر قرآن اور جلیل القدر انسان کے ہاتھ میں آگئی۔ وہ مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ جن کے بارے میں انقلابی مفکر مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہندوستان میں اس سے بڑا قرآن کا عالم کوئی نہیں۔

ان کی قیادت میں جہاں اسلام کی نئی روشنی تحریک احمدیہ کے ذریعہ ہندوستان کے اطراف و کنار میں پھیلی وہیں انگلستان میں اسلام کی روشنی کی پہلی کرن بن کر ووکنگ مسلم مشن کی صورت میں ابھری۔ حضرت مولانا نورالدین رحمتہ اللہ علیہ 1914ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے دو ممتاز شاگرد اور بانی سلسلہ احمدیہ کے قریب ترین ساتھی حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن مجید اور اسوہ حسنہ رسول اکرم

صلعم کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کے تفہیم کی جدید فکری اور تحقیقی راہیں کھولیں جنہوں نے دیگر مذاہب کی یلغار کو نہ صرف شکست دی بلکہ خود مغرب میں اس کے حق میں اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے۔

لیکن افسوس ہے کہ ان کے دور میں ہی تحریک احمدیہ میں جو تجدید اور اجتہاد کی داغ بیل ڈالی تھی غلو اور اندھی تقلید کی وجہ سے اختلاف اور افتراق کی ایک ایسی صورت نے سر اٹھایا جس نے تحریک کی علمی اور اسلامی خدمات کی جدید روش کو ناقابل بیان نقصان پہنچایا۔ وہ تحریک جس نے اسلام کو مذاہب کی واحدت کے علمبردار کے طور پر پیش کیا اور قرآن مجید اور اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مذاہب کی تعلیمات کی تکمیل کی صورت میں پیش کیا۔ یہی تحریک تکفیر بین المسلمین کے فتنہ کی نظر ہو گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد مرحوم نے غلو کی ابتدا ایک مضمون لکھ کر کر دی کہ ''مسلمان وہ ہے جو سب ماموروں کو مانے'' یہ ایک ایسا شوشا تھا جس نے تحریک احمدیت کے روشن چہرے کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

جماعت احمدیہ قادیان (ربوہ) سے انہی عقائد سے اختلاف کی بناء پر حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء نے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے 3 مئی 1914ء کو احمدیہ بلڈنگس لاہور میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی بنیاد رکھی تا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اسلام کے بارے میں علم کلام اور جدید طرز فکر کو غلو سے بچا کر مغرب میں تبلیغ اسلام کے کام کو مضبوط بنیادوں پر جاری اور ساری رکھا جا سکے۔

پھر آسمان نے وہ نظارہ دیکھا کہ احمدیہ بلڈنگس اور اس سے اٹھنے والی قلیل جماعت مرجع خلائق بن گئی اور اسلام کی خدمت کا وہ عظیم الشان باب روشن ہوا جس کی کرنیں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں پھیل گئیں۔

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کا دور امارت

احمدیہ بلڈنگس میں بانی سلسلہ احمدیہ کی آمد اور ان کے قریب ترین ساتھیوں کی رہائش کا سلسلہ تو 1906ء میں شروع ہو چکا تھا اور بالآخر یہیں سے بانی تحریک احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی روح اقدس جسم عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور پھر اسی احمدیہ بلڈنگس میں 3 مئی 1914ء کو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی بنیاد رکھی گئی تا کہ تحریک احمدیت کو غلو کے ذریعہ جو خطرات لاحق ہونے والے تھے ان سے اس کو بچایا جائے۔

اخبار ''پیغام صلح''

سب سے پہلا کام اخبار ''پیغام صلح'' جو 1913ء سے ایک سوسائٹی کے تحت شائع ہو رہا تھا وہ احمدیہ انجمن لاہور کی تحویل میں چلا گیا اور یہ اخبار آج تک تحریک احمدیت لاہور کی ہر رنگ میں ترجمانی کر رہا ہے۔ قابل فخر بات یہ ہے کہ اخبار ''پیغام صلح'' کے تمام مخالف معاصر اخبارات جن پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی وہ تو ختم ہو کر تاریخ میں طاق نسیان ہو گئے مگر وہ اخبار جس پر ہر دور میں فتوے اور پابندیاں لگتی رہیں وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔

انگریزی اخبار ''ہفتہ وار'' ''دی لائٹ'' The Light اور ماہوار ''اسلامک ریویو'' Islamic Review

یہ دونوں انگریزی اخبارات اسلام کی روشنی اور قرآن مجید کے معارف انگریزی دان طبقے تک پہنچانے میں جن کو اولیت کا درجہ حاصل تھا۔ اب بھی محدود وسائل اور مشکلات کے باوجود اس خدمت کو بجا لا رہے ہیں۔ The Light نے مسلمانوں کی آزادی کے لئے ہر تحریک کی بھرپور حمایت کی اور ان کے ایک ایڈیٹر مولانا محمد یعقوب خان صاحب کو راجپال کے مقدمہ کے سلسلہ میں قید بھی ہوئی۔ اس کو قائداعظم محمد علی جناح رحمتہ اللہ علیہ جیسی شخصیت پڑھتی اور سراہتی تھی۔ اسی طرح ماہنامہ اسلامک ریویو مغربی دنیا میں اسلامی تعلیمات کا 1968ء تک واحد علمبردار تھا۔ یہ دونوں اخبارات آج بھی جاری ہیں۔

ایک منفرد اعزاز۔ انگریزی ترجمۃ القرآن

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور اور اس کے بانی حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کارنامہ اور منفرد اعزاز ایسا ہے جو قرآنی تعلیمات کی تشریح و تفسیر میں اور پھر مغربی مستشرقین کے اعتراضات کے مدلل جوابات کے سلسلہ میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اور وہ ہے انگریزی ترجمۃ القرآن۔ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ اسلامی تاریخ میں وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے سات

سال کی ان تھک محنت کے بعد 1916ء میں قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا جو نومبر 1917ء میں انگلستان سے چھپ کر شائع ہوا۔ ان سے قبل متعدد غیر مسلم حضرات نے تو قرآن کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا تھا مگر کسی مسلمان کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہ اعزاز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے بانی کو ہی نصیب ہوا۔ انگریزی زبان میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کا ترجمہ و تفسیر ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

1924ء میں بانی جماعت لاہور نے اُردو میں عظیم الشان تفسیر قرآن لکھنے کا کارنامہ سرانجام دیا۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی یہ علمی تفسیر جو ایک رنگ میں متقدمین کے علم تفسیر کا خلاصہ اور جدید تفسیر لئے ہوئے ہے تین جلدوں میں ''بیان القرآن'' کے نام سے شائع ہوئی اور مقبول عام ہوئی۔ آج تک یہ تفسیر علماء اور طلباء میں سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

ووکنگ مسلم مشن، انگلستان

1913ء سے قبل ہی انفرادی رنگ میں حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کے ذریعہ انگلستان میں تبلیغ اسلام کا آغاز ہو چکا تھا لیکن شاہجہان مسجد کو مرکز بنا کر ووکنگ مسلم مشن کے ذریعہ منظم طریق پر اس کام کو وسعت دی گئی۔ چنانچہ اس مشن نے جلد ہی وہ حیثیت اختیار کر لی کہ مکہ کے بعد مغرب میں یہ تمام مسلمانوں کے لئے ایک اہم مرجع خلائق بن گیا۔ اس مشن کے ذریعہ خواجہ کمال الدین رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھوں پہلا قابل ذکر انگریز لارڈ ہیڈلے مسلمان ہوا۔ کہاں اہل مغرب سے عیسائی مشنریوں کی ٹولیاں ہندوستان کو عیسائی بنانے چلے تھے اور کہاں تاریخ نے ان کو وہ نظارہ دکھا دیا کہ اس جماعت کے ذریعہ انگلستان میں رہنے والے انگریز سینکڑوں کی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ اس دوران میں حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے بے شمار تصانیف تحریر کیں جو آج بھی اسلامی لٹریچر میں منفرد مقام رکھتی ہیں۔

جرمنی میں مسجد اور مشن کا قیام

1923ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے مغرب میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ایک اور سنگ میل طے کیا۔ اس چھوٹی سی جماعت نے لازوال قربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے برلن جرمنی میں ایک شاندار مشن ہاؤس اور مسجد کی بنیاد ڈالی۔ حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ اس مسجد اور مشن کے پہلے امام تھے اور انہوں نے ہی اس پرشکوہ مسجد کی تعمیر کی۔ یہ مسجد ہندوستان کے تاج محل کی طرز اور سپین میں الحمرا کو سامنے رکھ کر بنائی گئی اور آج بھی یہ اسی شان و شوکت سے برلن کی تاریخی عمارت کی فہرست پر موجود ہے۔ اس مشن کے ذریعہ بے شمار ہستیوں نے اسلام کے چشمے سے پانی پیا۔ ان میں قابل ذکر ہستی ڈاکٹر حمید مارکوس کی ہے جو ایک ممتاز عالم تھے اور جنہوں نے جرمن ترجمۃ القرآن کی نظر ثانی اور پھر جرمن مسلم سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے نمایاں خدمات سرانجام دیں اور اسی مسجد میں اسلام قبول کیا۔

جرمن زبان میں ترجمۃ القرآن

1939ء میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ایک اور اہم کارنامہ سرانجام دیا۔ حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ نے جرمن زبان میں ترجمۃ القرآن و تفسیر شائع کی۔ اس کے ساتھ ہی جاوا، انڈونیشیاء میں مرکز قائم ہوا اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کے انگریزی ترجمہ و تفسیر کا ڈچ زبان میں ترجمۃ القرآن و تفسیر شائع ہوئی۔ اسی دور میں مسلم ہائی سکول لاہور کی اپنی عمارت تعمیر ہوگئی جس نے مسلمان طلباء کے لئے علم کی ایسی شمعیں روشن کیں کہ یہ اپنے وقت میں گورنمنٹ سنٹرل ماڈل ہائی سکول لاہور کے مقابلے کا سکول بن گیا۔ اسی دور میں حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے حدیث کے بارے میں ایک اور علمی کارنامہ سرانجام دیا اور بخاری شریف کا مکمل ترجمہ اور شرح فضل الباری کے نام سے تالیف کی اور حدیث کی اہمیت اور اس کے متعلق شکوک کو نہایت مدلل رنگ میں دور کیا۔ اسی سلسلہ میں ان کی کتاب ''مقام حدیث'' جو علم حدیث کے متعلق ایک نہایت قابل قدر علمی تصنیف ہے۔ یوں علم حدیث کے مقام اور اس کے مستند ترین مجموعہ کی شرح لکھ کر اس کی افادیت کو ثابت کر دیا۔

دوسرا بڑا کارنامہ 1937ء میں آپ نے ایک معرکہ الاراء کتاب The Religion of Islam تحریر کی۔ ہر مسلم اور غیر مسلم علمی حلقوں میں ایک اسلامی تعلیمات کے بارے اس تحقیق اور اجتہاد کو ہندو پاک اور بین الاقوامی سند کا درجہ

حاصل ہوا اور یہ کتاب یونیورسٹیوں کی مستند کتب کی فہرست میں شامل کر لی گئی۔ اس وقت تک انجمن دو شاندار ہائی سکول قائم کر چکی تھی جن میں سے ایک بدوملہی ضلع سیالکوٹ میں اور دوسرا مسلم ہائی سکول لاہور میں تھا۔

یکم مارچ 1933ء کو لاہور کے ایک بڑے ہندو رئیس لالہ ہرکشن لال گابا نے حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بمعہ اپنے خاندان کے اسلام قبول کیا اور ان کا نام خالد لطیف گابا رکھا گیا۔ اس تقریب میں لاہور کے عمائدین نے شرکت کی۔

اپریل 1934ء میں فجی مشن کا آغاز ہوا اور اسلام کا نام اس دور دراز دنیا کے کونے تک پہنچنا شروع ہو گیا۔

دسمبر 1938ء میں انجمن کو قائم ہوئے 25 سال ہو چکے تھے۔ اس لئے اس سال جلسہ سالانہ کو سلور جوبلی کے طور پر منایا گیا تاکہ ان شاندار کارناموں پر روشنی ڈالی جاسکے جو انجمن نے اس قلیل مدت میں سرانجام دیئے تھے۔

1947ء تک حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ”The New World Order, The Living Thoughts of Prophet Muhammad, A Manual of Hadith جیسی شہرہ آفاق کتب تصنیف فرمائیں۔ اور اسی دوران ہالینڈ میں مشن کھول دیا گیا اور حیدر آباد دکن میں بھی جماعت کی بنیاد ڈال دی گئی۔ 1946ء میں امریکہ میں مشن قائم ہوا اور اسی سال بفضل خدا قرآن کا جاوئی زبان میں ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہوا۔

1947ء میں پاکستان معرض وجود میں آیا۔ تو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے تمام ممبران خدا کے حضور سربسجود تھے کہ خدا نے انہیں ایک علیحدہ وطن عطا کیا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر احباب جماعت کی دن رات کی دعائیں اور کوششیں خدا کے ہاں مقبول ہوئیں، جو انہوں نے اس مملکت خداداد پاکستان کے حصول کے لئے مانگی تھیں۔ یہ پاکستان کے لئے ہماری جماعت کی خدمات اور فکری کاوش تھی کہ بانی پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ بنفس نفیس حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے لاہور مسلم ٹاؤن تشریف لائے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی اپیل پر 1947ء میں مہاجرین ریلیف فنڈ قائم کیا گیا جس میں افراد جماعت سے ایک ایک ماہ کی تنخواہ دینے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس طرح چالیس ہزار کے قریب رقم اکٹھی کی گئی جو ہندوستان سے آنے والے مہاجرین کی امداد کے لئے خرچ کی گئی۔

یہی وہ دور تھا جب حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی ممالک کے سفراء سے ملاقاتیں کیں اور انہیں اپنی جماعت اور کام کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔ تمام ممالک کے سفیر آپ کے کام اور اشاعت اسلام کے مشن سے نہ صرف بخوبی آگاہ تھے بلکہ اس کے معترف و مداح بھی تھے۔

1949ء میں حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے 8 کتابوں کا ایک سیٹ جس میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی شامل تھا۔ پانچ ہزار لائبریریوں کو مفت تقسیم کرنے کی تحریک کا آغاز کیا اور ان کی وفات تک تقریباً ایک ہزار سیٹ بھجوانے کا کام ہو مکمل ہو چکا تھا۔

1951ء میں کراچی میں مؤتمر اسلامی کی ایک عالمی کانفرنس ہوئی تو اس میں شامل مندوبین جب لاہور آئے تو حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لئے لاہور میں ان کے گھر تشریف لائے اور آپ کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔

13 اکتوبر 1951ء کو ملت اسلامیہ کا یہ درخشاں ستارہ اور محمد عربی کا سچا عاشق، خادم اسلام و قرآن اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سب سے لائق اور پیارا شاگرد اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

1951-1981ء

حضرت مولانا صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا دور امارت

حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا صدرالدین کو امیر جماعت منتخب کیا گیا۔ آپ اس سے قبل قادیان میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں بطور ہیڈ ماسٹر کے خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے ووکنگ مسلم مشن میں حضرت خواجہ کمال الدین رحمۃ اللہ کے ساتھ مل کر تبلیغ اسلام اور رسالہ اسلامک ریویو میں علمی مضامین کے ذریعہ قابل قدر تبلیغی خدمات سرانجام دیں اور انگریزی ترجمۃ القرآن کی طباعت میں غیر معمولی محنت اور علمی معاونت کے جوہر دکھائے اور برلن مسلم مشن کے قیام اور پھر انتہائی خوبصورت مسجد کی تعمیر آپ کا ایک شاہکار ہیں۔ آپ کے دست مبارک پر سینکڑوں

غیر مسلم مرد وخواتین اسلام قبول کر چکے تھے۔

احمدیہ مارکیٹ

اس کے علاوہ احمدیہ مارکیٹ نمبر 1 اور نمبر 2 کی تعمیر آپ کی مرہون منت ہے۔احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے پاس کوئی خطیر رقم موجود نہ تھی اور نہ ہی دیگر ذرائع موجود تھے کہ اتنے بڑے منصوبہ پر کام کرسکتی مگر آپ کی ہمت اور استقامت اور بعض مخیّر احباب کی بھرپور مالی معاونت اور تعاون سے یہ دونوں منصوبے پایہ تکمیل کو پہنچے اور آپ نے یہ ناممکن کام کردکھایا اور دو بڑی عمارتیں اس زمانے میں لاہور میں تعمیر کروادیں جب کوئی ان کی تعمیر کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

دارالسلام

اسی طرح آپ کے دور میں دارالسلام کالونی کی تعمیر ہوئی جو آج احمدیہ انجمن لاہور کا ہیڈ آفس بھی ہے۔اس بستی کی تعمیر اور اس کی منصوبہ بندی قابل ستائش ہے کہ کس طرح انہوں نے تمام ضروریات زندگی کا خیال رکھا۔اس میں انجمن کے عملہ اور عہدہ داران کے لئے رہائش کے علاوہ ہوسٹل، لائبریری، ڈسپنسری اور دفاتر بھی تعمیر کروائے۔

1961-1962ء

میں نائیجریا، لیگوس، گھانا میں مشن قائم ہوئے

آپ کے دور میں سب سے اہم کام بیرونی ممالک کا دورہ تھا جس میں آپ ٹرینیڈاڈ، گیانا اور سرینام گئے۔تحریک احمدیہ لاہور کے کسی سربراہ کا یہ پہلا بیرونی دورہ تھا۔

اسی دوران نیو مسلم کالج کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔انجمن کے سکول اور کالج بعد ازاں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے دور میں قومیائے گئے اور آج ان کا وہی حشر ہے جو باقی گورنمنٹ کے اداروں کا ہے۔

آپ کا دور اس لحاظ سے پُر آشوب رہا کہ 1953ء میں اور بعد ازاں 1973ء میں جماعت کے خلاف نہایت ہی خطرناک تحریکیں چلیں۔1953ء میں تو مارشل لاء لگا دیا گیا اور جماعت کے خلاف تحریک کو کچل دیا گیا۔تاہم 1973ء کی تحریک نے ملک کے ہر کونے میں آگ لگادی۔بے شمار احمدیوں نے جام شہادت نوش کیا۔گھروں کو آگ لگادی گئی اور بے شمار ممبران جماعت کو ملک سے ہجرت کرنا پڑی۔اسی دور میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے احمدیہ جماعت کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور ان پر عرصہ حیات مزید تنگ کردیا گیا۔طرح طرح کی پابندیوں کے ذریعے مصائب کے پہاڑ توڑے گئے۔انجمن کی زمینیں زرعی اصلاحات کے نام پر قومی تحویل میں چلی گئیں اور سکول گورنمنٹ نے قبضہ میں لے لئے۔ان حالات میں جماعت کو سنبھالنا اور اس گرداب سے نکالنا بذات خود ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔آپ نے نہایت ہی جواں مردی اور استقامت سے ان حالات سے جماعت کو نکال کر آگے لے جانے کے لئے دن رات سعی کی اور کامیاب وکامران ہوکر آخرکار 1981ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

1981-1996ء

امیر سوئم حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جب آپ امیر منتخب ہوئے تو جماعت نہایت ہی مشکل حالات سے دوچار تھی۔مخالفت زوروں پر تھی۔بیرون ممالک کے مشنز سے رابطہ تقریباً نہ ہونے کے برابر تھا۔خود پاکستان میں جماعت بے شمار مسائل کا شکار تھی۔لوگوں کی جان و مال اور معاشرے کی طرف سے خطرات چاروں اطراف سے گھیرے ہوئے تھے۔ان حالات میں آپ جماعت کے لئے امید کی کرن بن کر ابھرے۔اور جماعت میں پھر سے ایک نئی روح پھونک دی۔قیادت سنبھالتے ہی آپ مقامی و بیرونی جماعتوں سے رابطوں کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔لوگوں کو منظّم کیا اور متعدد دوروں سے جماعتوں کو مضبوط اور فعال بنایا۔

آپ ہی کے دور میں لندن کا موجودہ مشن ہاؤس خریدا گیا۔اس دور میں سرینام کی موجودہ عالیشان مسجد کا افتتاح آپ کے ہاتھوں ہوا۔آپ ہی کے دور میں گیانا میں جارج ٹاؤن کی پرشکوہ مسجد تعمیر کی گئی۔پھر آپ ہی کے دور میں فجی کی موجودہ خوبصورت مسجد نور تعمیر ہوئی۔اس دور میں تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔آپ نے جماعت امریکہ کو فعال بنا کر تراجم اور تصنیفات کی اشاعت کے کام کو منظّم طریق پر دوبارہ شروع کروایا۔آپ کے دور میں قرآن مجید کے ہسپانوی اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے۔

جنوبی افریقہ کورٹس کیس

اس دور کا سب سے بڑا واقعہ جنوبی افریقہ کورٹ کیس تھا۔ یہ کیس جماعت احمدیہ لاہور اور مخالفین احمدیت کے درمیان جنوبی افریقہ سپریم کورٹ کی عدالت میں چلا جو فریقین کے لئے غیر جانبدار تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے جماعت کو کامیابی حاصل ہوئی اور جنوبی افریقہ کی کورٹ نے فیصلہ سنایا کہ لاہوری احمدی مسلمان ہیں اور انہیں مسلمانوں کے حقوق حاصل ہیں۔ حکومت پاکستان نے اس وقت کے چوٹی کے قانون دان اور علماء کو جنوبی افریقہ روانہ کیا۔ ہماری جماعت کی طرف سے صرف حضرت مولانا حافظ شیر محمدؒ تھے جنہوں نے تنہا ان کا مقابلہ کیا اور فاتح رہے۔ پہلی دفعہ کسی ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے احمدیوں کے لاہوری گروپ کو مسلمان قرار دیا۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے بڑی ہمت اور استقلال سے 1984ء کے مصائب کے وقت جماعت کو بلند حوصلے اور ہمت سے نکالا۔ اسی دور میں انڈیا میں سینٹر خریدا گیا۔ اس دور میں برلن مسجد کو برلن کی تاریخی عمارات کی فہرست میں شامل کرلیا گیا اور اس کی مرمت کے لئے برلن کے آثار قدیمہ کے ادارے نے ایک خطیر رقم دی جس سے مسجد کا گنبد اور اس کے میناروں کی تعمیر ہوئی۔

تربیتی کورس

آپ نے کافی عرصہ پہلے ایبٹ آباد میں سمر سکول کے نام سے ''سالانہ تربیتی کورس'' کا آغاز کیا اور پھر اپنے دور میں اس کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ نوجوانوں کا یہ سالانہ تربیتی کورس آج تک ہر سال منعقد ہوتا ہے۔

اسی دور میں دارالسلام میں گرلز ہاسٹل کی تعمیر ہوئی۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب 1996ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے اور جماعت کو ایک عظیم صدمہ دے گئے۔

1996-2003ء

امیر چہارم حضرت ڈاکٹر اصغر حمید رحمۃ اللہ علیہ

1996ء میں حضرت ڈاکٹر اصغر حمید رحمۃ اللہ علیہ جو انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبہ ریاضی کے ڈین رہ چکے تھے انہیں امیر جماعت منتخب کیا گیا۔ آپ کے دور میں جماعت نے مزید ترقی کی۔ امریکہ جماعت کے ذریعہ قرآن مجید کا روسی زبان میں ترجمہ و تفسیر شائع ہو کر روس میں تقسیم ہوا۔ آپ نے بذات خود حضرت مرزا صاحب کی کتاب ''کتاب البریہ'' کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اسے لندن جماعت کے ذریعہ شائع کیا گیا۔ اسی دور میں رائٹرز فورم بنایا گیا جس نے ترجمہ کے کئی اہم کام شروع کئے۔ جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے بچ نکلنے اور فلسطین سے کشمیر تک کے سفر پر بینظیر تحقیقی کتاب "Jesus in Heaven on Earth" جیسی ادق اور انتہائی تحقیقی تصنیف کا اُردو ترجمہ اور دین اسلام کی نظر ثانی کے کام ہوئے۔ دارالسلام کی جامع میں توسیع کی گئی۔ آپ ہر روز درس قرآن مجید دیتے تھے اور پورے قرآن کا درس مکمل کیا۔

اسی دور میں جماعت کی ''احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور (AAIIL)'' ویب سائٹ کا آغاز ہوا اور اس پر ابتدائی کام شروع کر دیا گیا۔ جس پر تحریک احمدیہ لاہور کی تمام انگریزی، اُردو اور دیگر زبانوں میں تصانیف موجود ہیں۔ ان کے علاوہ تمام زبانوں میں رسائل اور کتابچے بھی لوگوں کے استفادہ کے لئے موجود ہیں۔

آپ کے دور میں اخبار ''پیغام صلح'' پابندیوں اور قانونی مشکلات کے پیش نظر کچھ دیر تک بند رہا اور پھر اس کا دوبارہ اجراء ہوا۔

ڈاکٹر اصغر حمید رحمۃ اللہ علیہ 2003ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

2003-2013ء امیر جماعت پنجم

حضرت ڈاکٹر پروفیسر عبدالکریم سعید ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

2003ء میں تمام جماعت نے جب آپ کو متفقہ امیر منتخب کیا۔ آپ اس وقت ایوب میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے۔ دین کی خاطر آپ نے ملازمت کو خیر باد کہہ دیا اور دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

اس دور میں سب سے پہلا کام آپ نے بیرونی ممالک کے جماعتوں کو از سر نو فعال بنانے اور انہیں قریب لانے کا کیا۔ آپ نے سب سے پہلے 2003ء

میں انڈونیشیاء کی جماعتوں کا دورہ کیا اور انڈونیشیاء جماعت کے یوگ جکارتہ میں مرکز میں مسجد کا افتتاح فرمایا اور اس مسجد کا نام دارالسلام رکھا۔اس دورے میں انڈونیشیاء میں مسجد وہاب کی تعمیر کے لئے مرکزی انجمن نے گرانقدر عطیہ دیا۔

بعد ازاں آپ نے فجی، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، انگلینڈ، ہالینڈ، جرمنی، سرینام ،ٹرینیڈاڈ، گیانا، امریکہ، کینیڈا اور دیگر اندرون و بیرون ملک دوروں سے جماعت کو اکٹھا کرنے اور فعال بنانے کے لئے جدوجہد کی۔آج بھی یہ کوشش اسی جذبے سے جاری ہے۔

آپ نے سب سے اہم کام نوجوانوں کو ذمہ داری سونپنے کا کیا اور نوجوانوں کو اپنی زندگیاں دین کے لئے وقف کرنے کی ترغیب دی اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ پروگرام مرتب کیا۔

اس دور کا اہم ترین کام لاہور احمدیہ سکول آف ایجوکیشن ان ریلیجنز۔ لیزر (LASER) کا قیام ہے۔چنانچہ اس میں مبلغین کی تعلیم و تربیت کے لئے سکول قائم ہوا جو بفضل خدا کامیابی سے چل رہا ہے اور اس سکول سے فارغ تحصیل طلباء اندرون و بیرون ملک خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ ہی کے دور میں پہلی دفعہ جماعت کے کسی فرد کو الازہر یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا اور راقم الحرف کو یہ اعزاز نصیب ہوا۔

اس دور کا سب سے اہم کام تراجم اور اشاعت کا ہے جو مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔اس میں امریکہ جماعت کا تعاون اور موثر کردار قابل ستائش ہے۔اس وقت خدا کے خاص کرم سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی عربی زبان میں پانچ اہم تصانیف کا اُردو زبان میں تراجم مکمل ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

2008ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے سو سال پورے ہونے پر ایک کامیاب صد سالہ کنونشن منعقد کیا گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جائے وفات کو ایک یادگار کمرہ کی شکل میں محفوظ کیا گیا اور اس کمرہ کی تزئین و آرائش کا خاص اہتمام کیا گیا۔

ایک اور اہم کام ''صالحہ ظہور احمد لائبریری'' کی تیرہ(13) ہزار کتب کی کمپیوٹر ائزیشن ہے۔تمام کتب کو باقاعدہ کمپیوٹر کے ذریعے Catalogue کی صورت میں تیار کیا گیا ہے اور لائبریری میں تمام کتب کو اس کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔

اسی دور میں جرمن زبان میں امریکہ جماعت کے ذریعہ حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر قرآن کا ترجمہ مکمل ہوا اور آپ کی کتب کو عربی زبان میں ترجمہ کروانے کا منصوبہ شروع ہو گیا اور جماعت امریکہ کی کاوشوں سے آپ کی چند کتب کا عربی میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔حضرت مولانا محمد علی صاحب کی انگریزی میں اہم کتب کے عربی تراجم اور حضرت مرزا صاحب کی کتاب اسلامی اصولوں کی فلاسفی کو الازھر یونیورسٹی نے تصدیقی سرٹیفکیٹ جاری کر دیئے کہ یہ کتب عین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں۔حال ہی میں صحیح بخاری کا اُردو میں ترجمہ اور تفسیر جو فضل الباری کے نام سے عرصہ ہوا تھا شائع ہوئی تھی۔اس کو اب خوبصورت ٹائپ میں جدید طرز پر دو جلدوں میں شائع کیا گیا ہے اور مکرر احادیث میں عربی عبارات کے اُردو ترجمہ کو بھی قارئین کی سہولت کے لئے شامل کیا گیا ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں تفسیر بیان القرآن کو تین جلدوں میں دوبارہ سے شائع کر دیا گیا ہے۔اسی طرح کتاب دین اسلام کا نیا ایڈیشن شائع کر دیا گیا۔

اس دور میں سب سے اہم کام حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے تمام خطبات کو 24 جلدوں میں شائع کرنا ہے اور اسی طرح افکار محمد علی کے نام سے ان کی تمام تحریرات اور بزرگان سلسلہ کی تحریرات کو بیس جلدوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔

اس دور میں خدمت خلق کی غرض سے محمد علی فری ڈسپنسری نے دن رات ترقی کی۔1988ء سے یہ فری ڈسپنسری دارالسلام کالونی میں کام کر رہی ہے اور ارد گرد کی تمام بستیوں کے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔اب اس ڈسپنسری میں الٹراساؤنڈ اور ایکسرے کی سہولت بھی مہیا کر دی گئی اور اس میں مزید ڈاکٹرز کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

آپ کے دور میں انجمن کو پرنٹنگ کی سہولت بھی حاصل ہوگئی ہے تاکہ جو مشکلات اس راستے میں حائل تھیں ان پر قابو پایا جا سکے۔ اسی دور میں حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے خطبات کو ترتیب و تدوین کا نام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ اس دور میں جماعت امریکہ کی کوششوں سے فلپائن، البانیہ اور فرانس میں جماعتیں قائم ہوئیں۔ اور ہماری مرکزی ویب سائٹ (aaiil) کے کام نے ترقی کی ہے اور تمام خطبات و تقاریب کو یورپ اور باقی دنیا میں نشر کرنے کے لئے Virtual Mosque کی تکنیک حاصل کر لی گئی ہے جس سے بیرونی جماعت کے احباب مستفید ہو رہے ہیں۔

انڈونیشیاء زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر آٹھ ہزار طلباء و طالبات میں مفت تقسیم کرنے کے لئے ایک مستقل منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس دور میں ووکنگ مشن کی بنیاد اور حضرت خواجہ صاحب کے انگلستان میں آمد کے سو سال مکمل ہونے پر ووکنگ میں ہی ایک بین الاقوامی کنونشن منعقد کیا گیا۔

جامع دارالسلام میں ایک کثیر المقاصد ہال تعمیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح خواتین اور بچوں کے لئے ایک پارک بھی تعمیر کروایا گیا۔ اس دور میں وہاڑی میں جامع کی تعمیر ہوئی اور اوکاڑہ میں فیملی فری ڈسپنسری کا قیام عمل میں لایا گیا جس سے روزانہ سینکڑوں غریب اور مسکین لوگ بھی مستفید ہوتے ہیں۔

بکڈپو اور مہمان خانہ کی توسیع کا کام ابھی حال میں مکمل ہوا ہے۔ اب مرکزی جامع میں ہونے والے تمام خطبات اور تقاریر کو نشر کرنے کے لئے ویڈیو لنکس سسٹم کے ذریعے بیرونی دنیا سے ملانے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔

☆☆☆☆

احمدیت میں کیا پایا؟

نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟
خدا کی محبت ، محمدؐ کا سایہ،
بہت دُور و نزدیک دیکھا نہ پایا،
صداقت کا جوہر یہیں ہاتھ آیا،
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

خلوص و محبت ، اخوت کی دنیا،
زمانہ میں شرف و شرافت کی دُنیا،
غمِ دین و صبر و قناعت کی دُنیا،
یہ غم میری دُنیا میں طوفان بھی لایا،
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

یہ طوفان بنتے ، بکھرتے رہے،
بہت سے بھنور بھی اُبھرتے رہے،
میرے کام پھر بھی سنورتے رہے،
ابھر کر تلاطم نے ساحل دکھایا،
نہ پوچھو کہ کیا احمدیت میں پایا؟

(''ابوارشد''، پیغام صلح ۲۲ اپریل ۱۹۸۱ء)

ہمارے مخلص بھائی محمود احمد صاحب کی رفیقہ حیات کی رحلت

از: ناصر احمد

ایک باہمت، قناعت پسند اور قابل رشک دینی جذبہ کی مالک بیگم فرحت آراء راولپنڈی جماعت کے پرجوش اور مخلص احمدی عبد الواحد صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ برادرم محمود احمد صاحب کی فیملی سے تعلقات کی ابتداء لاہور سے ہوئی تھی۔ ان کے بڑے بھائی مختار احمد صاحب مسلم ہائی سکول، لاہور میں میرے ہم جماعت تھے اور اس طرح میرا کبھی کبھی ان کے گھر واقع وسن پورہ بھی جانا ہوتا تھا۔ ان کے والد عبدالعزیز صاحب جو ریلوے میں گارڈ تھے۔ ایک انتہائی عبادت گذار، فرشتہ سیرت اور فرشناس احمدی ہونے کے علاوہ ان میں تبلیغ کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ پھر یہ فیملی بہاولپور چلی گئی۔

احمدیوں کے خلاف شورش کے دوران وہ تشدد کا نشانہ بھی بنے لیکن ان کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔ انہوں نے خود اور اپنے دونوں بیٹوں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ محمود احمد صاحب نے قانون میں گریجویشن کرنے کے بعد اپنی انتہائی نیکی اور انکساری کی روش کو مدنظر رکھتے ہوئے صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور بالآخر ریڈیو پاکستان کے خبروں کے شعبہ سے منسلک ہو گئے۔ اور چیف نیوز ایڈیٹر کے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ محمود احمد صاحب راولپنڈی میں محترم نصیر احمد فاروقی صاحب کے درس قرآن میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے اور ان کی قرآن دانی کے ابتک بے حد مداح ہیں۔

برادرم محمود احمد صاحب کے دو بیٹوں مسعود احمد اور محمد علی میں سے محمد علی صاحب نے والد صاحب کے دینی مطالعہ اور خدمت دین کے جذبہ کو مزید آگے بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کی خدمت کے لئے معجزانہ طور پر مواقع فراہم کئے۔ کمپیوٹر میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنی قابلیت کی بنا پر ایک جرمن کمپنی نے ان کو منتخب کر لیا۔ اور اس طرح یہ نوجوان راولپنڈی سے جرمنی کے شہر برلن پہنچ گیا۔

اس خاموش طبع اور مخلص فیملی کے افراد سے میرا تعلق کچھ اتنا گہرا بھی نہ تھا۔ ان کے والد عبدالعزیز صاحب جن سے زیادہ تر ملاقات سالانہ جلسوں پر ہوتی اور جن کے دینی جذبہ اور نیکی کا جماعت کا ہر فرد معترف تھا۔ یا پھر میرے ہم جماعت ان کے بیٹے مختار احمد صاحب تھے۔ محمد علی صاحب کو طالب علمی کے زمانے میں ڈاک کی ٹکٹیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ میں چونکہ مرکزی انجمن میں تھا اس لئے کبھی دستی یا پھر ڈاک جو بیرون ملک سے آتی۔ ان پر سے ٹکٹیں اتار کر ان کو بھیج دیتا اور اس طرح محمد علی صاحب سے ایک تعلق بڑھتا گیا۔

لیکن پھر کافی سالوں کے بعد جب مجھے برلن جانے کا اتفاق ہوا تو محمد علی صاحب کو ایک اور ہی رنگ میں دیکھا۔ ہفتے میں 5 دن جرمن کمپنی میں کام کرتے اور ہفتہ اور اتوار 2 دن برلن مسجد میں چوہدری سعید احمد صاحب کی معاونت میں گذارتے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مسجد کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا۔ ملازمت کے دوران انہوں نے جرمن زبان سیکھنے کے کئی کورس کئے اور اب خدا کے فضل سے جرمن زبان روانی سے بول سکتے ہیں۔

چوہدری سعید احمد صاحب کے بعد چوہدری ریاض احمد صاحب نے امامت سنبھالی تو اس دوران ایک دو نازک موقعوں پر محمد علی صاحب نے انتہائی اخلاص اور مضبوطی کا مظاہرہ کیا۔ اور چوہدری ریاض احمد صاحب کا

بھر پور ساتھ دیا۔ چوہدری ریاض احمد صاحب کو ناگزیر وجوہات کی بنا پر واپس پاکستان آنا پڑا اور پھر مسجد برلن کی تمام تر ذمہ داری رضا کارانہ طور پر محمد علی صاحب کرتے رہے۔

اس دوران مجھے اور شیخ محمد طفیل صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی شیخ خالد اقبال صاحب کو کئی مرتبہ برلن مسجد جانے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ گرمیوں میں محمود احمد صاحب اور ان کی بیگم فرحت آرا صاحبہ بھی اپنے بیٹے محمد علی صاحب کے پاس آئے ہوئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھے دونوں کے ساتھ رہنے اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بھابھی فرحت صاحبہ کو انتہائی منکسر مزاج، عبادت گذار اور اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کرتے ہوئے نہایت خوش اور مطمئن پایا۔

مسجد آکر دونوں میاں بیوی نہایت خوش ہوتے۔ اس کے بعد بھی مجھے ایک دو مرتبہ راولپنڈی میں ان سے ملنے کا موقع ملا اور جب بھی برلن مسجد کے متعلق باتیں ہوتیں ان کو اس بات سے بے حد خوش اور مطمئن پایا کہ وہ اپنا سارا فارغ وقت مسجد کی خدمت میں صرف کرتا ہے۔ اس وقت میں اس تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کہ محمد علی صاحب نے چوہدری ریاض احمد صاحب کے جانے کے بعد اور مشن ہاؤس میں کس حد تک صفائی اور رنگ وروغن وغیرہ کروایا۔ اور دفتر میں اپنی جیب سے خرچ کر کے کن کن چیزوں کا اضافہ کیا لیکن مسجد میں خطبات اور اجتماعات میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

محمد علی صاحب میں جس قدر دین کی خدمت کا جذبہ ہے اس میں محمود احمد صاحب اور ان کی رفیقہ حیات مرحومہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ فرحت آراء بیگم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور محمود احمد صاحب اور ان کے بچوں مسعود احمد صاحب اور محمد علی صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆

صحابہ رسولؐ کا مقام مجدّد زماں کی نظر میں

(از جناب غلام رسول صاحب جانباز)

اک روز مجدد وقت ہوئے جب مسجد میں محفِل آرا
ہر ایک فدائی حاضر تھا جمگھٹ احباب کا تھا سارا
اس بزم میں اللہ والوں کا تھا نور برستا چہروں پر
لاریب وہاں ہر فرد نظر آتا تھا ثریا کا تارا
کی عرض عقیدت مندوں نے کچھ مرتبہ آپ کا کم تو نہیں
ابوبکرؓ و عمرؓ سے ، کرلے کوئی چشمِ انصاف سے نظارہ
فرمایا نہ یوں زنہار کہو یارانِ نبی کے بارے میں
ابوبکرؓ و عمر و عثمانؓ و علیؓ کی ہمسری کا کس کو یارا
ہے فخر مجھے اس بات میں ہوں گر ان کے کفش برداروں میں
ذی شان تھے سب خلفائے نبی، اور میں اک عاجز بیچارا
وہ نورِ صداقت کو لیکر شمشیر و سناں سے دب نہ سکے
اسلام کی راہ میں پیش نبی ہر اک نے تن من دھن وارا
جب مطلعِ عالم پر ظاہر یثرب کا بدر منیر نہیں
اصحاب سا کیونکر ظاہر ہو افلاک جہاں پر سیارا
ایں غلو پرستاں ایشاں راہمدوش نبیاں می سازند
درپیش حق وانصاف شود ہر کوشش ایشاں ناکارا

(پیغام صلح، 17 مارچ 1939ء)

بسلسلہ رابطہ باہمی

از: چوہدری ناصر احمد (شاہدرہ)

الحمد اللہ کاروان رابطہ باہمی اُخوت ومحبت احباب جماعت کی عمل انگیز دعاؤں کے طفیل طوفانوں سے آشنا ہوکر اپنے بحر کی موجوں میں اضطراب پیدا کرتا جارہا ہے۔ احباب جماعت سے روزانہ کی بنیاد پر دعاؤں کی اپیل ہے۔ اس مٹی کی ذرخیزی میں حضرت امیر اوّل کی روحانی طاقتیں، حضرت امیر دوم کی لیڈرشپ، حضرت امیر سوم کا مومنانہ سوزوگداز، حضرت امیر چہارم کی درویشانہ سائنسی سوچ اور حضرت امیر پنجم کی ولولہ انگیز عملی کوششیں ہمیں آگے بڑھنے کا جذبہ محرکہ دیتی ہیں۔

باہمی رابطوں کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریر کرتا ہوں کہ:

(۱): لاہور شہر کی ایک نواحی بستی میں بندہ اپنے ساتھی ضیاء الرحمٰن صاحب کے ساتھ محمد انور علی ملہی کی فیملی کے لئے اُن کی رہائش گاہ پر گیا۔ اُن کی فیملی نے پُرتپاک استقبال کیا اور لمبے عرصہ تک جماعتی اتحاد وتعاون پر غور وخوص کیا اور سالانہ دعائیہ میں شرکت کا وعدہ کیا۔

(۲): جمعتہ المبارک کے دن احباب کی میٹنگ ''احمدیہ بلڈنگس'' میں کی گئی۔ تمام احباب نے خوشی کا اظہار کیا۔ پروفیسر اعجاز احمد صاحب جو کہ ہمارے انتہائی واجب القدر ہیں نے خصوصی شرکت کی۔ بندہ نے باہمی تعاون اور اطاعت امیر کے موضوع پر لیکچر دیا۔ امام مسجد قاری فضل الٰہی صاحب نے اپنا رجسٹر دکھایا کہ کس طرح وہ نمازوں کی حاضری بھی لیتے ہیں۔ اس میٹنگ میں کثیر تعداد میں احباب نے شرکت کی۔

(۳): 30 نومبر 2013ء کو جماعت کے بزرگ ممتاز احمد باجوہ صاحب کے گھر شاہدرہ میں میٹنگ کی گئی اور ان سے درخواست کی کہ وہ احباب کی عملی تربیت میں کوشش کریں جس کو انہوں نے باوجود بیماری اور کمزوری کے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر اور صحت کاملہ عطا فرمائے۔

(۴): لاہور سے باہر بندہ 13 دسمبر 2013ء کو صبح 8 بجے وزیر آباد پہنچا۔ وزیر آباد کے امام مسجد محی الدین صاحب نے پروگرام کے مطابق بندہ کے ساتھ بہت تعاون کیا۔ سب سے پہلے وزیر آباد کی پرانی مسجد میں احباب کے ساتھ جاکر دعا کی گئی۔ نماز جمعتہ المبارک کے لئے احباب نے وزیر آباد کی تاریخی عمارت میں بندوست کیا جہاں کثیر تعداد میں احباب بمعہ بچوں کے تشریف لائے۔ شیخ فیملی کے بزرگوں نے بتایا کہ یہاں ''لارڈ ہیڈلے'' بھی تشریف لاچکے ہیں۔ خطبہ جمعتہ المبارک محی الدین صاحب نے دیا اور نماز پڑھائی۔ بندہ نے جماعت بندی اور اطاعت امیر کے موضوع پر لیکچر دیا اور احباب کو سالانہ دعائیہ میں بھرپور شرکت کی دعوت دی۔ احباب نے جس خوشی کا اظہار کیا وہ لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتا۔

یہ بات ضروری بتانا چاہتا ہوں کہ ہماری نہایت ہی قابل احترام بہن نگینہ صاحبہ نے سب کے لئے خود کھانے کا بندوبست کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کے خاندان اور بزرگوں کو اپنی امان میں رکھے۔

چھوٹے بچے اور بچیوں کی خوشیاں دیکھ کر حضرت امیر قوم کی یاد آگئی کہ یہ ہماری گھٹلیاں ہیں جن سے پودے پروان چڑھیں گے۔

اے خدا اب تو ہی ہماری حفاظت کرنا
زمین کے سب سہاروں کو چھوڑ چکے ہیں ہم

آیئے! اور اس دعائیہ میں شامل ہو کر اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تدابیر کیجئے

کیونکہ اسلام کے سوائے کوئی راہ دنیا کے امن و اتحاد کی نہیں

از: حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

قومی اجتماعات اور سالانہ جلسے دنیا میں ہر قوم اور مجلس کی طرف سے منعقد ہوتے ہیں لیکن شاید ہی کوئی ایسا اجتماع ہو جس کے پیش نظر اس قدر بلند اغراض ہوں جیسی ہمارے سالانہ دعائیہ کی ہے۔ اللہ کا نام دنیا میں بلند کرنا، دنیا کو اس امن و اتحاد کا پیغام دینا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس کے ذریعہ سے دنیا ان مصائب اور تکالیف، اس بدامنی اور پریشانی سے نکل کر جو اس وقت اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ اس دشمنی اور عناد۔ تباغض اور تحاسد۔ باہمی نفرت اور حقارت کو چھوڑ کر جو قوموں اور ملکوں کی تباہی اور بربادی کا موجب ہو رہی ہے۔ اخوت و مساوات اور عالمگیر برادری کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

یہ وہ غرض ہے جو اس زمانہ کے مامور اور مجدد نے ہمارے سامنے رکھی اور غور کر کے دیکھا جائے تو یہی ایک چیز ہے جس کو حاصل کئے بغیر دنیا میں نہ امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ موجود مصائب اور پریشانیاں کسی طرح ختم ہو سکتی ہیں۔ اس وقت انسان انسان کو کھانے کے لئے دوڑ رہا ہے، قومیں قوموں کو ہڑپ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی اصلاح کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ دنیا کا تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ جوڑا جائے اور اس حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرایا جائے کہ تمام قومیں ایک ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ ملک و وطن اور رنگ و نسل کے اختلاف و افتراق کے باوجود مساوی حقوق اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کا یکساں حق رکھتی ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جو صرف اسلام نے پیدا کیا ہے اور صرف نظریہ ہی نہیں بلکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں میں اخوت و مساوات پیدا کر کے قومی، نسلی اور لونی امتیازات کے باوجود قوموں اور ملکوں میں محبت اور اتحاد قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا میں امن و اتحاد پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

اسلام نے ایک خدا کو منوا کر تمام مخلوق کے اندر اخوت و مساوات قائم کر دی اور آج دنیا اگر امن کا منہ دیکھ سکتی ہے تو اسی ایک ذریعہ سے کہ اس واحد خدا کے آستانہ پر جھک کر اور محمد رسول اللہ کی غلامی میں آکر، مساوات و محبت و اتحاد کا سبق حاصل کیا جائے۔ یہ وہ سبق ہے جو عملی رنگ میں دنیا دیکھ چکی ہے۔

حضرت مجدد وقت نے اسی پیغام اخوت کو دنیا میں لے جانے اور اسی محبت و اتحاد کو اکناف عالم میں پہنچانے کے لئے ہمیں کھڑا کیا ہے۔ اور ہمیں بتایا ہے کہ اسلام کے غلبہ کے سوائے کوئی راہ دنیا کے امن و اتحاد کی نہیں۔ اس غلبہ کا وقت اب قریب ہے لیکن اس کو قریب تر لانے کے لئے ہماری کوششوں اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اسی جدوجہد جن کے لئے حضرت امام وقت کا ارشاد گرامی ہے۔

''پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا ہے اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے لیکن ابھی ایسا نہیں ضرور ہے کہ اسے آسمان چڑھنے سے روکے رکھے جب تک کہ محنت اور جانفشانی سے ہمارے جگر خون نہ ہو جائیں اور ہم سارے آراموں کو اس کے ظہور کے لئے نہ کھو دیں اور اعزاز کے لئے ساری ذلتیں یہ قبول کر لیں، زندہ ہونا ہم سے ایک فدیہ مانگتا ہے وہ کیا ہے ہمارا اسی راہ میں مرنا یہی موت ہے جس پر زندگی اور زندہ خدا کی تجلی موقوف ہے''۔ (فتح اسلام)

ہمارے بعض احباب سالانہ جلسہ کو وہ اہمیت نہیں دیتے جو اس کا حق ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سالانہ جلسہ کو ہمارے دینی جہاد کے لئے ایک محور کے طور پر قرار دیا ہے۔چنانچہ ۱۸۹۱ء میں جب آپ کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ازالہ اوہام میں شائع ہوا۔تو اس کے ساتھ ہی اس کتاب میں یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کی بنیاد رکھی گئی اور بات بھی صاف تھی۔جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ دجال اور یاجوج ماجوج کے متعلق جو ذکر قرآن شریف اور احادیث میں ہے اس کی مصداق یورپ اور امریکہ کی قومیں ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ اسلام کی بنیاد رکھتے۔آپ نے فوراً دعویٰ کے ساتھ ہی ایک جلسہ سالانہ کی بنیاد رکھی اور اسی سال ۲۷ دسمبر ۱۸۹۱ء کو آپ نے کچھ احباب کو مشورہ کے لئے طلب کیا اور ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو یہ فیصلہ کرنے کا اعلان کیا کہ ایک سالانہ جلسہ ہر سال ایام دسمبر میں ہوا کرے گا۔جس میں تمام مخلصین اگر خدا تعالیٰ چاہے بشرط صحت و فرصت و عدم موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔(مجموعہ اشتہارات نمبر ۷۵)

۱۸۹۲ء میں سب سے پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔اس جلسہ کی دعوت دیتے ہوئے آپ نے تحریر فرمایا:

''چونکہ سال گذشتہ میں بمشورہ اکثر احباب یہ بات قرار پائی تھی کہ ہماری جماعت کے لوگ کم سے کم ایک مرتبہ سال میں بہ نیت استفادہ ضروریاتِ دینی و مشورہ اعلائے کلمۂ اسلام و شرع متین اس عاجز سے ملاقات کریں''۔اس اعلان کے نکلنے پر بعض تنگ نظر علماء نے ایسے جلسے کو ایک بدعت قرار دیا۔اس فتویٰ کا خلاصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الفاظ ذیل میں دیا ہے:''ایسے جلسہ پر جانا بدعتؑ ہے اور ایسے جلسوں کا تجویز کرنا محدثات میں سے ہے جس کے لئے کتاب و سنت میں کوئی شہادت نہیں اور جو شخص اسلام میں ایسا امر پیدا کرے وہ مردُود ہے''۔اس کے بعد آپ نے احادیث سے اس کا جواز ثابت کرتے ہوئے اسی دینی جہاد قرار دیا ہے اور اسی آیت قرآنی کو نقل کیا ہے: **واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ**۔ابتدائی اشتہار میں آپ نے اس کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اس میں حاضری کو تمام احباب کے لئے ضروری قرار دیا ہے اور یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:''حتی الوسع والطاقت تاریخ مقررہ پر حاضر ہونے کے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے عہد کر لیں اور بدل و جان پختہ عزم سے حاضر ہو جایا کریں بجز ایسی صورت کے کہ ایسے موانع پیش آ جائیں جن میں سفر کرنا اپنی حد اختیار سے باہر ہو''۔

اس لئے میں اس وقت اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا۔بس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ نقل کر دیتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ کوئی دوست جس کی طاقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس حکم سے انکار نہ کرے گا۔

ہمارا سالانہ دعائیہ انہیں کوششوں کے ذرائع سوچنے

رستے تلاش کرنے اور اس کے لئے سامان مہیا کرنے کے لئے منعقد ہو رہا ہے۔یہ بلند ترین غرض ہے جو دنیا کی اور مجالس اور اجتماعات میں نظر نہیں آتی۔

اس لئے آیئے!

اور اس دعائیہ میں شامل ہو کر اسلام کو دنیا میں غالب کرنے کی تدابیر کیجئے خود آیئے اور دیگر بھائیوں کو بھی ساتھ لایئے کہ اسی میں آپ کی اور تمام دنیا کی خوشحالی مضمر ہے۔(ماخوذ از تحریرات حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ)

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچا رشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

صدسالہ تقریب کے موقع پر

عامر عزیز الازہری

گاؤ خوشی کے ترانے کہ سفر باقی ہے
ابھی تو ابتداء ہے انتہائے سفر باقی ہے

تاریک رات میں بھی پا لیا ہم نے رازِ جہاں
یہ تو نموءِ سحر ہے ابھی سحر باقی ہے

نام و نشان کی نہیں آرزو سب فانی ہے
ہوں وہ قافلہ کہ جس کی راہ گزر باقی ہے

پابندی سلاسل ہو یا زبان بندی میری
شبنم کے اس قطرے کا ہونا گوہر باقی ہے

اسلاف کی میراث بھی درخشندہ ماضی بھی تابندہ
قوم و ملت کا ہونا مگر بلند نظر باقی ہے

مٹا دو نفرت کی آندھیوں کو عزیزؔ
شرق و غرب کیا ابھی تو سارا دہر باقی ہے

☆☆☆☆

درخشاں ماضی کے جھروکوں سے

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام'' ''خلیفۃ المسیح حضرت مولانا نورالدینؓ'' اور دیگر بزرگان جماعت کے ساتھ

''حضرت مولانا محمد علیؒ (امیر اوّل)'' ''حضرت مولانا صدرالدینؒ (امیر دوم)''
ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگؒ، سید محمد حسین شاہؒ دیگر بزرگان جماعت کے ساتھ

''حضرت مولانا صدرالدینؒ (امیر دوم)'' جامع دارالسلام میں جلسے کے شرکاء کے ساتھ

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خانؒ (امیر سوم) ''احمدیہ تربیتی کورس 1971ء'' ایبٹ آباد کے شرکاء کے ساتھ

''حضرت ڈاکٹر اصغر حمید صاحبؒ (امیر چہارم)'' تربیتی کورس 1995ء کے پوزیشن ہولڈر کو انعام دیتے ہوئے

''مبلغ خواجہ کمال الدین صاحبؒ'' پہلے نومسلم برطانوی ہاؤس آف لارڈ کے رکن لارڈ ہیڈلے کے ہمراہ

1931ء شاہجہان مسجد ووکنگ کا رُوح پرور منظر